نِکاح اُمِ کُلثُوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہما

روایت و درایت کی روشنی میں



تالیف

سیرت نگار
سیّد عابد حُسین بُخاری

الکتاب پبلی کیشنز

فہرست

کچھ مصنف کے بارے میں

الحافظ القاری حضرت علامہ مولانا سید عابد حسین بخاری (سیرت نگار)

نام سید عابد حسین بخاری ہے اور عالم اسلام میں اسی ہی نام سے مشہور ہیں آپ سادات گھرانہ سے تعلق رکھتے ہیں ۔۔۔

حسن کی دیوی کشمیر جنت نظیر کے ٹکڑے جس کو آزاد کشمیر کے نام سے جانا جاتا ہے کے دارالحکومت مظفر آباد کے شمال کی جانب دریائے جہلم کے عقبی حصہ میں موجود کرناہ (وادی لیپہ) کے ایک گاؤں چک مقام رہائش پزیر ہیں۔

16 ذوالقعدہ 1408 ہجری بروز بدھ بتاریخ 1988-06-30 کو وادی کرناہ کے مشہور علم و روحانیت کا مرکز سمجھا جانے والا قصبہ چک مقام (سیداں) سید عاشق حسین بخاری کے ہاں پیدا ہوئے۔

سلسلہ نسب:

ان کا سلسلہ نسب 39 انتالیسویں پشت سے مولائے کائنات سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے ملتا ہے۔۔۔

آپ کے والد محترم کا نام سید عاشق حسین بخاری ہے جو پیشہ کے لحاظ سے گورنمنٹ ملازم تھے انتہائی محنتی اور عظیم عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں آپ کے والد گرامی چک مقام ایک مہذب گھرانے سے تعلق رکھتے تھے ۔آپ کے والد گرامی کی مذہبی تربیت کے حوالے سے اگر یوں کہا جائے تو اس میں مبالغہ نہ ہوگا کہ:

سید عابد حسین بخاری کے دادا جان اور ان کی دادی اماں انتہائی محنت کش اور عبادت گزار تھے۔

ابتدائی تعلیم و تربیت:

انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں موضع چک مقام میں موجود بوائز پرائمری سکول چک مقام سے جماعت پنجم تک حاصل کی۔ دینی تعلیم ناظرہ قرآن جامع مسجد چک مقام میں مکمل کیا۔

جبکہ آپ کے دادا جان سید مظفر حسین بخاری عظیم عاشق رسول اور محب اہلبیت بھی تھے آپ کی دادی اماں سیدہ بی بی فاطمہ نور اللہ مرقدہا اپنے اسلاف کی صاحبزادیوں کا عکس ان میں دکھائی دیتا نظر آتا تھا آپ کی دادی اماں کے زہد اور تقویٰ کا میعار یہ تھا کہ ساری زندگی کبھی تہجد قضاء نہیں فرمائی۔۔۔

آپ کی دادی جان پابند صوم وصلوٰۃ تھیں۔۔۔

آپ کی دادی اماں کے معمولات میں ایک خاص بات یہ بھی کہ:

بوقت سحری روزانہ نمازِ تہجد کے بعد صلوٰۃ التسبیح کا اہتمام فرمایا کرتی تھیں۔

بوقتِ سحری درودِ مقدس ،درودِ مستغاث ، اور درودِ تاج سے گھر کی چاردیواری میں بلند آواز سے معمولات کے ساتھ تلاوت فرمایا کرتی تھیں۔

سرائیکی زبان میں تحریر نورنامہ (سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نظم کی صورت میں تحریر) بروز ثوموار اور جمعرات بعد از نمازِ عصر مکمل سیرت آپ کے آستانہ عالیہ پر آپ کے اجداد اس کا باقاعدگی سے اہتمام فرمایا کرتے (یہ سلسلہ تاحال جاری و ساری ہے) جن کی زیرِ تربیت قبلہ سید عابد حسین بخاری فیض پاتے رہے۔

مجموعہ وظائف کو باقاعدگی کے ساتھ آپ کے اجداد بطور تلاوت روزانہ پڑھا کرتے تھے جو سلسلہ تاحال جاری وساری ہے۔

قبلہ سید عابد حسین بخاری پیدائش کے تقریباً ایک سال 5 ماہ بعد ہی اپنی دادی اماں کے زیرِ تربیت رہے جس کی بدولت آپ کی طبیعت میں ہی عشق ومحبت رسولِ

کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی زندگی کے بڑھتے ہوئے ایام کے ساتھ ساتھ پروان چڑھتا رہا۔۔
آپ کے گھر میں آپ کے اجداد کے سامنے نماز کی پابندی اتنی ہی زیادہ اہمیت کی حامل تھی جتنا کہ ایک شخص کو جینے کے لیے سانس لینے اور خوراک کی ضرورت ہوتی ہے ۔بوقت سحری ان کے ہاں کوئی شخص مہمان ہو یا گھر کوئی سربراہ ،بچہ ہو یا گھر کی خادمہ نماز کے لیے جگایا جانا ،نماز پڑھانا ،قرآن کی تلاوت ،مجموعہ وظائف میں موجود درود وسلام ،درود مقدس ،ماہی ،درودِ مستغاث اور درود تاج کا پڑھنا اور پڑھانا لازمی سمجھا جاتا ہے۔
ایسے علمی ومذہبی گھرانہ میں کسی شخص کا پروان چڑھنا کسی کرامت سے کم نہ ہے یقیناً آپ کے آباؤ اجداد کو اللہ نے وہ مقام نصیب فرمایا تھا جس کی خاطر انسان کی تخلیق ہوئی ہے ۔اسی مذہبی ماحول میں سید عابد حسین بخاری تربیت حاصل کرتے رہے
راقم الحروف اگر یوں کہے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ:
آپ کے خون اور ہڈیوں کے بڑھتے ہوئے جسم کے ساتھ ساتھ ان کے روح اور روحانیت میں اللہ رب العزت نے محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اجداد کی محنتوں اور ان کی روحانیت کی بدولت بڑھایا ہے۔
بچپن سے ہی نماز کی پابندی آپ کی گھرانہ کی ترتیب کا اثر تھا۔۔۔

ابتدائی تعلیم وتربیت:

سید عابد حسین بخاری نے ابتدائی تعلیم اپنے ہی مادرِ علمی گاؤں کے مکتب سکول میں عظیم عاشق رسول پیر سید عزیز الرحمن بخاری نور اللہ مرقدہ سے حاصل کی جہاں پر انہوں نے ابتدائی تعلیم پرائمری مکمل کی۔
اسی دوران استاذ الکل پیر سید نور حسین شاہ بخاری صاحب نور اللہ مرقدہ اور پیر سید مشتاق احمد گیلانی صاحب نور اللہ مرقدہ کے سامنے زانوتلمذ رہے۔

گھریلو تعلیمی علمی ماحول میں اپنے چچا سید اشرف حسین بخاری (مرحوم) سے دہرائی کرنے کا شرف مقدر رہا۔

اسی دوران قاری القراء سید شمس الرحمن بخاری نوراللہ مرقدہ سے قرآن پاک (ناظرہ) پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔

10 سال کی عمر میں ہی قرآن مجید حفظ کرنے لیے رخت سفر باندھا۔

سید عابد حسین بخاری کا تعلق ایک ایسے گھرانہ میں تھا جہاں دنیوی علوم کے ماہرین تو موجود تھے لیکن دینی تعلیم صرف ضروریات کی حد تک گھر میں ہی اجداد کے سلسلے سے نسل در نسل سکھائی جاتی رہی۔

بوقت پیدائش معاشی حالات:

وادی کرناہ (لیپہ) ایک ایسا پسماندہ علاقہ تھا جہاں تعلیم و تعلم کی بہت کمی محسوس کی جاتی تھی۔

تعمیر و ترقی نہ ہونے کی وجہ سے معاشی حالات ناگفتہ بہ تھی، ایک عرصہ تک کشمیر پر قابض ہندوستانی فوج نے وادی کے حالات کو ابتر رکھنے کی جسارت جاری رکھی۔

ہندوستانی فوج کی بے جا صعوبتوں کو برداشت کرتے کرتے وادی کے کئی نوجوان زندگی کی بازی ہار چکے تھے۔۔۔

1988 سے 1999 تک وادی لیپہ ایک بار پھر انڈیا کی سخت گولہ باری، اور ٹارگٹڈ کلنگز کے نشانے پر رہا ایسے ماحول میں سلسلہ تعلیم کو جاری و ساری رکھنا کسی بھی فرد کے لیے مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکنات سے ہوتا ہے۔

ان کشیدہ حالات میں 2003ء تک وادی لیپہ میں سفری سہولیات بھی موجود نہ تھیں وادی کے باسی گھنٹوں پیدل سفر طے کرنے کے بعد منزل مقصود تک پہنچنے میں کامیاب ہوتے تھے۔

سید عابد حسین بخاری کے دادا جان سید مظفر حسین شاہ بخاری نور اللہ مرقدہ آٹھ گھنٹے کی یکطرفہ پیدل مسافت طے کر کے ذریعہ معاش کا سبب بنتے رہے۔۔۔

آپ کے دادا جان نے اپنی الاد کی تربیت کے سلسلہ میں جو مشقت برداشت کیں وہ ناگفتہ بہ ہیں۔

تاہم آپ کی پیدائش کے وقت معاشی حالات میں قدرے بہتری تھی پھر بھی بمشکل گزارا ممکن تھا۔

وقت کے ساتھ ساتھ حالات میں مزید بہتری میسر ہوئی جس کی بدولت تعلیم و تربیت کا سلسلہ باآسانی ترقی کی منازل طے کرتا گیا۔

دینی تعلیم کا آغاز:

10 مارچ 1998ء 10 سال کی عمر دینی تعلیم کے سلسلہ میں آپ کے والد ماجد نے آپ کو جامعہ غوثیہ سیٹھی باغ مظفرآباد میں داخل کروایا ابتداءً قاری القراء سید غوث الدین گیلانی سے 3 سپارے حفظ کرنے کی سعادت حاصل کی۔

چار ماہ بعد 20 جولائی 1998 کو قاری شمس الرحمن بخاری صاحب کے حکم پر آپ کے والد ماجد نے آپ کو خطۂ کشمیر کے مایہ ناز شخصیت استاذ القراء قاری محمد ضمیر الدین برکاتی زیدہ مجدہ کے ہاں جامعہ صدیقیہ تجوید القرآن چھلہ بانڈی مظفرآباد میں داخل کروا دیا بقیہ 27 سپارے 3 سالوں میں مکمل کرنے کی سعادت حاصل کی۔

قبلہ بخاری صاحب کو اپنے خاندان میں پہلا حافظِ قرآن ہونے کا اعزاز حاصل ہے اس سے قبل ان کے خاندان میں یہ سعادت کسی فرد کو میسر نہیں تھی۔

اکتوبر 2001 میں کل کشمیر مسابقہ حفظ قرآن منعقد ہوا جو مسلسل تین دن تک جاری رہا ریاست بھر سے جملہ مسالک کے حفاظ نے کثیر تعداد میں شرکت فرمائی۔

قبلہ بخاری صاحب کو مسابقہ حسن حفظ وصوت میں کشمیر سطح پر ایوارڈ سے نوازا گیا۔

پرائمری تعلیم کے بعد انہوں نے قرآن پاک حفظ کرنے کی غرض سے والد محترم نے مظفر آباد میں موجود عظیم دینی درسگاہ جامعہ صدیقیہ تجوید القرآن چھلہ بانڈی میں داخلہ دلوایا گیا۔

تجوید:

یکم اپریل 2002 کو حفظ مکمل کرنے کے بعد جامعہ صدیقیہ میں ہی رہ کر شعبہ تجوید میں داخلہ حاصل کیا دوران تجوید قرآن پاک کو حدر میں سنانے کا شرف بھی حاصل کیا۔ شعبہ تجوید سے فراغت حاصل کرنے کے بعد گورنمنٹ بوائز ہائی سکول بنہ مولہ تحصیل لیپہ کرناہ ضلع جہلم ویلی سے میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔

سن 2002 میں آپ کو استاذ القراء قاری ضمیر الدین صاحب کے حکم پر جامعہ اسلامیہ برکاتیہ مظفر آباد آزاد کشمیر میں علومِ دینیہ کے حصول کے لیے داخل کروادیا گیا۔

درسِ نظامی مفتی اعظم کشمیر حضرتِ علامہ مولانا سید ریاض حسین شاہ صاحب کاظمی زیدہ مجدہ کے سامنے زانوے تلمذ ہو کر ابتدا کرنے کی سعادت حاصل فرمائی۔

سالِ اول (فارسی) میں گلستان سعدی ، بوستانِ سعدی ، کریما سعدی ، پند نامہ ، فارسی قاعدہ ، قبلہ مفتی اعظم کشمیر سید ریاض حسین شاہ صاحب کاظمی سے پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔ چونکہ جامعہ اسلامیہ برکاتیہ میں درسِ نظامی کا آغاز تھا اسی سال وہاں پر درس نظامی کا آغاز کیا گیا تھا جس کی وجہ سے وہاں خاطر خواہ انتظامات میسر نہ تھے جس کی بدولت وہاں سے استاذ القراء قاری ضمیر الدین برکاتی کے حکم پر والدِ محترم نے ملک پاکستان کی مایہ ناز دینی درسگاہ جامعہ نظامیہ رضویہ شیخوپورہ میں بھیج دیا اور وصیت فرمائی کہ:

حالات کی تنگیوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اپنی تعلیم و تربیت کا سلسلہ جاری رکھنا بالا آخر 2003-14 شوال کو جامعہ نظامیہ رضویہ شیخوپورہ میں سالِ دوم (ثانیہ) میں زانو تلمذ ہونے کا اعزاز نصیب ہوا۔

ماہر علومِ صرف ونحو استاذ العلماء صاحبزادہ غلام مرتضیٰ ہزاروی سے علم الصرف اور علم النحو پر مکمل عبور حاصل کرتے ہوئے سالِ دوم میں نمایاں پوزیشن حاصل فرمائی جس کی بدولت قبلہ بخاری صاحب کو درسِ نظامی تیسرے سال کے لیے جامعہ نظامیہ رضویہ کی لاہور مرکز بیرون بھاٹی گیت میں مرکزی شاہراہ پر تعمیر شدہ عمارت کے افتتاحی اسباق کے سلسلہ میں اساتذہ کے حکم پر وہاں روانہ کیا گیا۔

بقیہ تمام علوم جامعہ حنفیہ غوثیہ بیرون بھاٹی گیٹ لاہور سے استاذ العلماء مفتی اعظم پاکستان مولانا طاہر شہزاد سیالوی صاحب کی زیرِ نگرانی مکمل کرتے ہوئے 2009 اگست کے مہینہ میں درس نظامی کو مکمل کرتے ہوئے واپسی کی راہ کو ہی بہتر سمجھا،

اسی دوران قبلہ بخاری صاحب نے ساتھ ساتھ عصری علوم کو جاری وساری رکھا۔

آپ نے 2004 میں میرپور بورڈ سے میٹرک کا امتحان بھی پاس کیا۔

بعد ازاں درسِ نظامی کے دوران ہی 2007 میں ایف اے بھی مکمل کر لی۔

اس طرح درسِ نظامی کے اختتام پر بی اے کا امتحان بھی پاس کر لیا تھا۔

اساتذہ کرام:

آپ نے جن علماء وفضلاء کے سامنے زانو تلمذ فرمایا وہ عظیم ہستیاں کسی تعارف کی محتاج نہیں:

استاذ العلماء حافظ الحدیث، شیخ الحدیث والتفسیر، بحر العلوم العقلیہ والنقلیہ حافظ عبد الستار سعیدی ادام اللہ عمرہ وفیوضہ

استاذ العلماء حافظ الحدیث، امام الصرف والنحو، ماہر کلیاتِ اقبال فنافی الرسول، مجاہد ومحافظِ تحفظ ناموسِ رسالت، امام المجاہدین حافظ خادم حسین رضوی نور اللہ مرقدہ

استاذ العلماء، امام المناظر، شیخ الحدیث والتفسیر، مولانا عبد التوب صدیقی

استاذ العلماء، شمس الائمہ، مولانا مفتی محمد طاہر شہزاد سیالوی

استاذ العلماء، شمس الائمہ، مولانا فیصل عباس جماعتی

استاذ العلماء، خطیب اعظم پاکستان، مولانا محمد مدنی چشتی

استاذ العلماء، سید السادات، پیر سید حسین احمد گیلانی

استاذ العلماء، زینت العلماء قبلہ پیر سید ریاض حسین شاہ کاظمی

استاذ العلماء والفضلا مولانا کاشف جمیل (ممتاز ماہر جدید علوم شعبہ کمپوٹر)

استاذ العلماء والفضلا ،قاری القراء مولانا ضمیر الدین برکاتی

استاذ العلماء والفضلا ءقاری غوث الدین گیلانی

استاذ الاساتذہ ممتاز ماہر تعلیم سید نور حسین بخاری

استاذ الاساتذہ ممتاز ماہر تعلیم سید بشیر حسین بخاری

ممتاز ماہر حسابیات سید امجد حسین بخاری (XEN) پی ڈبلیو ڈی

استاذ الاساتذہ ممتاز ماہر تعلیم سید عزیز الرحمن بخاری

استاذ الاساتذہ ممتاز ماہر تعلیم سید طفیل حسین بخاری

استاذ الاساتذہ سید سجاد حسین بخاری

استاذ الاساتذہ سید تصدق حسین کاظمی

استاذ الاساتذہ سید اشرف حسین بخاری

استاذ العلماء مولانا ظہیر احمد بٹ (ممتاز ماہر جدید علوم شعبہ کمپوٹر)

ملازمت:

10-10-2009 کو مظفر آباد ڈویژن میں ٹیچرز کے ٹیسٹ انٹرویو میں سلیکشن کے بعد گورنمنٹ بوائز پرائمری سکول چک مقام تحصیل للیہ کرناہ ضلع جہلم ویلی میں بطور پرائمری مدرس تعینات ہوئے 2015ء میں تبادلہ ہو کر بوائز ہائی سکول بنہ مولہ میں بطور ایلمینٹری مدرس اپنے فرائض منصبی سر انجام دے رہے ہیں۔

تبلیغ دین:

11-10-2009 سے اپنی آبائی قدیمی جامع مسجد سیدنا امام حسین علیہ السلام میں امامت وخطابت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔شاہ جی کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے۔ 2003 سے تا حال ہر سال رمضان المبارک میں قرآن پاک سنانے کا اعزاز بھی حاصل کر رہے ہیں۔

تصانیف وتالیف:

تصانیف وتالیف سے وابستہ رہ کر بھی دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں اب تک مطبوعہ وغیر مطبوعہ کتب کی تعداد تقریباً 29 سے زائد ہے جن میں 2012 سے لے کر 2022 تک تقریباً 15 کتب کی اشاعت بھی اپنے نام کر چکے ہیں۔

کتب کا تذکرہ ضروری ہے:

1۔ حرمتِ اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 320 صفحات پہ مشتمل آل رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عظمت پر تحقیقی کتاب ہے۔

2۔ الانتباہ فی مسئلۃ الکفو للنکاح (مسئلہ کفو پر 386 صفحات پر مشتمل احادیث و تشریحات کا تحقیقی جائزہ)

3۔ عظمت اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تحقیقی مقالہ

4۔ شجرۃ الانساب (سادات نقوی/بخاری برصغیر پاک وہند میں موجود جملہ سادات بخاری کا خاندانی نسب نامہ بمع مختصر حالات زندگی)

5۔ نکاح سیدہ ام کلثوم بنت فاطمہ سلام اللہ علیہما روایت و درایت کی روشنی میں (تحقیقی کتاب اور باطل نظریات کا رد)

6۔ حدیث کا روایتی و درایتی میعار

7۔ سیف الحقائق (موسوم بہ سوانح حیات شیخ المشائخ قبلہ عبدالستار المعروف بہ متھا بابا رحمۃ اللہ علیہ)
8۔ تصوف کی اصطلاحات
9۔ ترجمہ وتشریح رسالہ ہفت بند (درمدحت مولائے کائنات منظوم 320 اشعار)
10۔ شرح کلامِ منظوم علی شاہِ حیدر اماما کبیرا
11۔ العروۃ الوثقیٰ فی شان ابی القاسم المعروف بہ سیرت رسول ہاشمی و مطلبی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)
12۔ استقامت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور عصر حاضر
13۔ عظمت محافظ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (سیدنا ابوطالب علیہ السلام) (غیر مطبوعہ)
14۔ مختار ثقفی کون؟ (غیر مطبوعہ)
15۔ عظمت واسلوب نِعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (غیر مطبوعہ)
16۔ عصمتِ مخدومہ کائنات سلام اللہ علیہا (غیر مطبوعہ)
17۔ الدعاء بعد الصلوٰۃ الجنازۃ (قبل الدفن) (غیر مطبوعہ)
18۔ سادات وآلِ بنوہاشم پر زکوٰۃ وصدقات کا حکم (غیر مطبوعہ)
19۔ شہیدِ دشتِ دیار کربلا (پیدائش سے شہادت تک) (غیر مطبوعہ)
20۔ سیدنا زید بن علی علیہ السلام (غیر مطبوعہ)
21۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تناظر میں معاشی انصاف (غیر مطبوعہ)
22۔ تقلید کی شرعی حیثیت (مقلد وغیر مقلد کی اقتداء کا حکم) (غیر مطبوعہ)
23۔ صدقات واجبہ ونافلہ کا حکم شرعی (غیر مطبوعہ)
24۔ استحکامِ پاکستان اور تحفظِ ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (غیر مطبوعہ)
25۔ عقیدۂ تحفظ ختمِ نبوت وناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (غیر مطبوعہ)
26۔ اسلام کی بنیاد (غیر مطبوعہ)
27۔ ترجمہ وتشریح نہایۃ السول (غیر مطبوعہ)

28۔ ذرہ ریگ کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب (غیر مطبوعہ)

29۔ ایصالِ ثواب (ختم یا رسم) (غیر مطبوعہ)

راقم الحروف کا سید عابد حسین بخاری صاحب سے 10-11-2010 سے جو تعلق اور سلسلہ قائم ہوا تا حال بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے اللہ پاک ہمارے تعلق کو صدا سلامت رکھے۔ بیشمار دن اور راتیں قبلہ بخاری صاحب کے ساتھ کسی ایک الگ عنوان پر بات چیت کرتے ہوئی گزاری ہیں۔

اللہ پاک نے اتنی چھوٹی سی عمر میں انہیں جو علم دین میں معرفت اور مہارت نصیب فرمائی وہ بہت کم علماء کو میسر ہے۔

راہ حق کا متلاشی

پروفیسر طاہر شفیق میر

(ایم اے انگلش)

یارب بمحمد و علی و زهرا
یارب بحسین و حسن و آلِ عباء
کز لطف برار حاجتم بر دو سرا
بے منتِ خلق یا علی الاعلیٰ
یارب درِ خلق تکیه گاه هم نکنی
محتاجِ گدا و بادشاه هم نکنی
روح سیه هم سفید کردی ز کرم
باروح سپید روح سیاه هم نه نکنی
یارب برسالتِ رسول الثقلین
وز بحرِ غذا کنندۂ بدر و حنین
عصیانِ مرا تو حصه کن در عرصات
نیمِ بحسن بخش و نیمِ بحسین

الصلوۃ علیك منی و السلام یارسول
لیس لی حسن العمل کیف النجاتی یارسول

ما اقول کیف حالی حیث نا یختالی
انت تعلم مامتی وما سیاتی یارسول
(صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

بیمارِ کربلاء سیدنا امام زین العابدین علیہ السلام کا فرمان

اِتَّقُوا الْكِذْبَ الصَّغِيْرَ مِنْهُ وَالْكَبِيْرَ فِيْ كُلِّ جِدٍّ وَهَزْلٍ۔

ترجمہ: جھوٹ سے ڈرو (بچو) چاہے جھوٹ چھوٹا ہو یا بڑا، سنجیدہ ہو یا مذاق میں۔

عشق قاتل سے مقتول سے ہمدردی بھی
یہ بتا کس سے محبت کی جزا مانگے گا
سجدہ خالق کو بھی ابلیس سے یارانہ بھی
حشر میں کس سے عقیدت کا صلہ مانگے گا

سلام لسیدہ اُمّ کلثوم از سیدنا امام حسین علیہ السلام

فَقَامَ عَلٰی بَابِ الْفُسَاطِ وَنَادٰی یَااُخْتِیْ زَیْنَبْ وَیَااُخْتِیْ کُلْثُوْمِ وَیَاسَکِیْنَۃَ عَلَیْکُنْ مِنِّیْ السَّلَامُ خَلِیْفَتِیْ عَلَیْکُمْ اللہ۔

ترجمہ: پس دروازہ خیمہ پر کھڑے ہو کر سیدنا امام حسین (علیہ السلام) نے آواز دی اے میری بہن زینب، اُمِّ کلثوم اور سکینہ تمہیں میرا آخری سلام ہو کہ اب میں رُخصت ہو رہا ہوں اور تمہیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ؕ ۔

قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ؕ ۔

ترجمہ: آپ فرمادی جیئے میں نہیں مانگتا اس (دعوتِ حق) پر کوئی اجرت سوائے قرابت کی محبت کے۔

آلُ النَّبِيِّ ذَرِيْعَتِيْ
وَهُمُوْا اِلَيْهِ وَسِيْلَتِيْ
أَرْجُوْا بِهِمْ أُعطى غَدًا
بِيَدِيْ الْيَمِيْنِ صَحِيْفَتِيْ

نام کتاب: {......☆......} نکاح ام کلثوم بنت فاطمہ علیہا السلام (روایت و درایت کی روشنی میں)

تالیف: {......☆......} سید عابد حسین بخاری (سیرت نگار)

نظرِ ثانی: {......☆......} صاحبزادہ پیر سید انعام الحسنین زنجانی

ترتیب وتزئین: {......☆......} علامہ صاحبزادہ پیر سید مصباح الحسن گیلانی

پروف ریڈنگ: {......☆......} علامہ صاحبزادہ پیر سید اسد حسین شاہ کاظمی

کیا بات رضا اس چمنستانِ کرم کی
زہراء ہے کلی جس میں حسین و حسن پھول

میں وہ سرکش ہوں جو آتا نہیں زیرِ دام
میں نہیں کرتا کسی سلطانِ دنیا کو سلام
ہاں اگر نام حسین ابن علی کا آ جائے
میں غلام ابن غلام ابن غلام ابن غلام

الانتساب:

اسلام کے دامن میں بس اس کے سوا کیا ہے
اک ضربِ یداللّٰہی ، اک سجدۂ شبّیری

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "اَوۡصٰی مَنۡ اٰمَنَ بِیۡ وَصَدَّقَنِیۡ مِنۡ جَمِیۡعِ النَّاسِ بِوِلَایَۃِ عَلِیِّ ابۡنِ اَبِیۡ طَالِبٍ"۔

ترجمہ: لوگوں میں سے جو شخص مجھ پر ایمان لایااور جس نے میری تصدیق کی میں اسے علی ابن ابی طالب سے محبت کی نصیحت کرتا ہوں۔

درِّ دریائے کرامت، گوہرِ یکتائے سلامت، دیباچۂ عنوانِ محبت،سرنامۂ دیوانِ مودت،عندلیب گلستانِ فصاحت،طوطی شکرستانِ ملاحت،چشم و چراغِ عاشقاں،شمعِ جمعِ عارفاں،امامِ مظفر،شجاعِ غضنفر، والدِ شبیروشبر،قاسمِ طوبیٰ وسقر،انزاعِ البطین ،اشرف المکین ،اشجع المتین ،عالم الامین ،عارف المبین ،ناصر المعین ،سید المؤمنین ،امام المتقین ،یعسوب المسلمین،دائرہ وفا،گوہرِ معدنِ صفا،سلطان الاولیاء،برہان الاتقیاء،امام المشارقِ والمغارب،اسداللہ الغالب،مطلوب کلّ طالب،دفَّاع المشکلات والنوائب،مظہر العجائب والغرائب ،سیدنا علی ابن ابی طالب علیہما السلام کے نام معنون کرتا ہوں جن کی نگاہِ عنایت سے مجھ جیسے ہزاروں گم گشتۂ راہوں کو ہدایت کا نور نصیب ہوا۔

علی سے بغض بھی ہے اور حج کی خواہش بھی
عبادتوں کا بھی کوئی اصول ہوتا ہے
علی کی جائے ولادت سے انحراف تو کر ؟
میں دیکھوں حج تیرا کیسے قبول ہوتا ہے

نذرانۂ عقیدت:

البتول التی لم ترقط تحض سما باالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، البتول وقال انھا لیست کنساء الآدمین، (الحدیث)

چادرِ تطہیر کی مالکہ، مجسمۂ عفت و عصمت، آئینۂ کمالات نبوت، پروردۂ آغوشِ نبوت ،ملکۂ فردوسِ بریں ، خاتونِ جنت وقیامت ،سیدہ ،طیبہ ،طاہرہ ، عابدہ ، زاہدہ، زاکیہ، راضیہ ، مرضیہ ،صالحہ ، راکعہ، ساجدہ، نیّرہ،قاسمہ، انورہ،ناصرہ، اکرمہ، اعظمہ ،کاملہ، اکملہ ،صادقہ ،اصدقہ ،عالمہ،فاضلہ، راحمہ،شافعہ نورِ شمس الضحیٰ ،عذرا خیر النساء ،حافظہ حامدہ، عاقلہ اطہرہ ،وارثہ پارسا،سیدۃ النساء العالمین سیدۃ النساء اہل الجنۃ ام ابیہا کریمۃ الطرفین، ام شہیدین، حرم علی المرتضیٰ ،بضعۃ المصطفیٰ

جنابِ سیدہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا

کی بارگاہِ اقدس میں بصد خلوص و عقیدت احترام پیش کر کے یومِ حشر شفاعت و عطا کا امیدوار ہوں ۔

مادرِ آں مرکزِ پُرکارِ عشق
مادرِ آں قافلہ سالارِ عشق

سپردم بتو مایہ ئے خیش را
توُ دانی حسابے کم و بیش را

بصد عزت واحترام ہدیۂ عقیدت:

سیدہ، طیبہ، طاہرہ، فاتحۂ کرب و بلا، پرودہ آغوشِ ولایت، لختِ جگر پارۂ سیدۃ النساء العالمین، اخت راکبین دوشِ نبوت، بنتِ مولائے کائنات و بابِ مدینۃ العلم، عکسِ ہیبتِ حیدرکرّار، امین امانتِ عفتِ ظہرہ، سیدہ امِّ کلثوم سلام اللہ علیہا وعلیٰ ابیہا

نورِ عصمت کی ہی تنویر ہیں اُمِّ کلثوم
گوہرِ معدنِ تطہیر ہیں امِّ کلثوم
اپنی نانی کی ہیں تصویر تو زینب لیکن
اپنی دادی کی تو تصویر ہیں اُمِّ کلثوم
خود تلاوت جسے کرتی ہے لسانِ عصمت
دستِ خالق کی وہ تحریر ہیں امِّ کلثوم
اُن کی چادر کا بھی ہے دین خدا پر احساں
اس لیے دین کی توقیر ہیں امِّ کلثوم
جیسے گویا تھیں کبھی بنتِ اسد کعبے میں
اب اسی لہجے کی تقریر ہیں اُمِّ کلثوم
لفظ تو کہتی ہیں یہ بھی ابو طالب کی طرح
ادب میں عشق کی تاثیر ہیں امِّ کلثوم
ہر دعا کہتی ہے اے آمنہ! جنابِ حق میں
اے خدا ضامن تاثیر ہیں امِّ کلثوم

الاہداء:

راقم اپنی اس پوری کاوش کو اپنے جدِّ امجد، وارثِ علومِ مرتضویہ، واقفِ اسرارِ ربانی، محبوبِ سبحانی،قطبُ الاقطاب،غوث زماں،سلطان الاولیاء،غوث الثقلین،سیدالسادات، سید جلال الدین حیدر سرخ پوش بخاری الحسنی والحسینی قدس سرّہ العزیز کے اسمِ گرامی سے منسوب کرتا ہوں ، جن کی باطنی توجہات ہمیشہ شامل حال رہتی ہیں ، جن کی فصاحت وبلاغت اور کمالاتِ علمیہ کے سامنے فصحاء وبلغاء انگشت بدنداں رہ جاتے تھے اور اقطاب واولیاء جن کے آستانِ فیض رساں پر کاسۂ گدائی لیے حاضر ہوتے ہیں اور علم وعرفان کی خیرات پا کر آسمان معرفت کے درخشندہ ستارے بنتے ہیں۔

میں اپنی اس محنت کو اپنے والدین کریمین کے نام کرتا ہوں جن کی محنت ومحبت اور ہمدردی کی بدولت یہ تحقیقی رسالہ لکھنے میں کامیابی نصیب ہوئی ،یقینایہ میرے والدین کی دعاؤں کا ثمر ہے۔

اللہ تعالیٰ میرے والدین کو عمرِ خضری عطاء فرمائے۔

(آمین یارب العالمین)

فانوس بن کر جس کی حفاظت خدا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

اسبابِ تالیف

قارئین کرام! کتابِ ہٰذا کے اسبابِ تالیف کا تذکرہ کرنے سے قبل کتاب کے مندرجات اور اُس کے چند متعلقہ اہم امور کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ چوں کہ یہ کتاب خالصتاً علمی، تحقیقی موضوع سے تعلق رکھتی ہے، اِس لیے آپ کو اِس میں بعض مسائل، حوالہ جات اور قواعد کا تکرار نظر آئے گا۔ اگر چہ بادیٔ النظر میں یہ بات معیوب نظر آتی ہے لیکن جو تحقیقی ذہن کے مالک ہوتے ہیں ان پر مخفی نہیں ہے کہ جب ایک کثیر الجہات مسئلہ پر قلم اُٹھایا جاتا ہے تو اُس کی جہاتِ مختلفہ کی وضاحت کرنا لازمی امر ہوتا ہے اس لیے کہ اُن جہات کا آپس میں علاقہ لازم وملزوم ہوتا ہے۔ اِسی لیے کسی ایک جہت کی وضاحت میں دُوسری جہت کا ذکر بھی آجاتا ہے۔ لیکن اگر باریک بینی سے کام لیا جائے تو ہر مقام پر تکرارِ مسائل کے ساتھ کوئی نہ کوئی نیا نکتہ اور مسئلہ کا کوئی نہ کوئی نیا رُخ ضرور نظر آئے گا۔

تحقیق وتدقیق کی اعلیٰ ترین بلندیوں کو چھونے والی اس کتاب کا موضوع مسئلہ نکاحِ امّ کلثوم سلام اللہ علیہا کی حقیقت کو ظاہر کررہا ہے جس کے بارے میں حقیقت کو کانٹوں کی لڑیوں سے نکال کر قلم کی زینت بنایا گیا ہے۔

اس پُرفتن دور کے اندر جب فقیر نے فتنۂ خارجیت وناصبیت کو تیزی کے ساتھ پھیلتے ہوئے اور سادات کے خلاف اپنی آوازوں کو بلند کرتے ہوئے محسوس کیا تو تب اس سیدہ امِّ کلثوم پر اُٹھنے والے اشکالات کے جوابات کی کمی محسوس کی اِن تمام تر حالات اور من گھڑت باتوں کو دیکھتے ہوئے میرے دل کے حالات نے مجھے اس بات پر مجبور کردیا کہ میں بھی حقیقت سے پردہ اُٹھا کر اپنا نام اہلبیت کے خریداروں میں لکھواسکوں۔ تب میں نے اللہ کی مدد اور نگاہِ پنجتن پاک سے قلم کو اُٹھایا جس کا نتیجہ تمہارے ہاتھوں میں ہے۔

کیا خوب کہا ہے قفیل نے کہ:

یہ بات عیاں ہے دنیا میں ہم پھول بھی ہیں تلوار بھی
یا بزمِ جہاں مہکائیں گے یا خون میں نہا کر دم لیں گے
سوچا ہے قفیلؔ اب کچھ بھی ہو ہر حال میں حق بیاں کریں گے
عزت سے جیئیں تو جی لیں گے ورنہ جامِ شہادت پی لیں گے

اس حقیقت کو سامنے لانا اتنا ہی مشکل تھا جتنا فلسطینیوں کا اسرائیل کے سامنے اُٹھ کر نعرۂ تکبیر بلند کرنا، جس طرح یزید (پلید) کے سامنے گردن کو راہِ حق میں جھکانا اور تلوار کی نوک پر سجدہ خداوندی بجالانا تھا۔

المختصر یوں کہ فقیر کو عالم دین، یا مصنّف ہونے یا فقیہ العصر ہونے کا دعویٰ تو نہیں لیکن میری کوشش صرف اور صرف یہ ہے کہ نکاحِ امِّ کلثوم کی حقیقت ایسے انداز میں قارئین کے سامنے پیش کروں کہ جس سے ہر پڑھنے والے کو آسانی سے بیان کردہ مفاہیم اور مطالب سمجھ آسکیں۔

کتاب شروع کرنے سے پہلے تو مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ کائناتِ ارضی پر خادمین اہلبیت کی کمی ہے جس کی وجہ سے ایسے مسائل جنم لے رہے ہیں اور پھر کہیں بھی اگر مجھے کوئی خادمِ اہلبیت نظر آتا تو یوں لگتا تھا جیسے اِن بیچاروں کو کسی نے سخت ڈرادھمکا کر رکھا ہوا ہے تب تو میں بھی اپنے آپ کو اکیلا ہی سمجھتا تھا بالآخر نتیجہ یہ نکلا کہ:

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

اب یوں لگتا ہے کہ:

ہر طرف خادمین اہلبیت موجود ہیں لیکن خارجیت کے ظلم کی انتہا ہے مخالفین چاروں طرف سے کیچڑ اچھالنے میں مصروف ہیں۔ خیر یہی کافی ہے کہ:

عزت سے جیئیں تو جی لیں گے
ورنہ جامِ شہادت پی لیں گے

مسئلہ مذکورہ (سیدہ امِّ کلثوم کا نکاح جنابِ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ) ایک موضوع اور من گھڑت ہے، تاہم اس مکمل بحث کو سمجھنے کے لیے اِس رسالہ میں بہت سی عربی عبارات بطورِ حوالہ وسند نقل کرنا ضروری تھیں جن کو ذکر کیا گیا ہے شاید اُن کے تراجم میں آپ کو کوئی خاص شگفتی وسلالت نظر نہ آئے ۔لیکن پوری تحقیق کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے تاکہ حقیقت سامنے آجائے۔

باوجود اس کے ماتن نے جس اسلوب میں کوئی عبارت تحریر کی ہوتی ہے اُسی اسلوب میں اُس کا ترجمہ مشکل ہوتا ہے فقہ اور بعض دیگر علوم کی مخصوص علمی اصطلاحات کی وجہ سے بعض مقامات پر تحریر کا قدرے بوجھل ہو جانا بھی قدرتی امر ہوتا ہے، مگر ایسے مقامات کو بہ آسانی سمجھ لینا اُن حضرات پر زیادہ دشوار نہیں ہوتا جو براہِ راست اِس دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس اظہارِ عجز کے ساتھ کتابِ ہذا کی عبارت میں جہاں جہاں فقیر کا سَمندِ قلم غیر ارادی طور پر آپ کو شعر و ادب اور انشاء پردازی کی ہلکی پھلکی جولانیاں دکھاتا دکھائی دے تو یہ ناچیز کے اِس دنیا سے کچھ نہ کچھ تعلق کا نتیجہ تصور کریں۔

اور اگر اِس طویل تحریر میں بندہ کی طرف سے کوئی لفظیا معنوی یا کمپوزر کی جانب سے سہو واقع ہوا ہو تو اُسے بشری نسیان اور خطا پر محمول فرماتے ہوئے معذور سمجھیں۔

معزز قارئین! سیدہ امِّ کلثوم سلام اللہ علیہا (جو کہ **سیدۃ ، طیبہ ، طاہرہ، زاہدہ، زاکیہ ، راضیہ، مرضیہ، سیدہ فاطمہ** سلام اللہ علیہا **کی قطعۃ الکبداورمولیٰ کائنات ،فاتح خیبر، دامادِ رسول ،مشکل کشا ، ابوالحسنین سیدنا علی المرتضٰی کرّم اللّٰہ وجہہ الکریم** کی نور

نظر ہیں) جیسی معصومہ کو بھی ان نام نہاد مصنفین نے معافی نہیں دی ۔بڑی بڑی من گھڑت دلیلیں پیش کر کے اپنی باتوں کو منوانے کی کوشش کی جارہی ہے عجیب بات ہے کہ ان مصنفین کو شرم وحیا بھی نہیں آئی ۔

عرصہ دراز تک راقم کا اس مسئلہ پر تصرف رہا کہ کہیں سے اہلِ بیت کے غلام بیدار ہوں گے، لیکن کوئی نظر نہ آیا جو بھی لکھتا ہے تو بے چارے خارجیت سے ڈر کے مارے قلم کو کھینچ کھینچ کر اپنی مختصر سی حاضری لگاتے ہیں جبکہ حق ادا کرنے والوں میں صرف چند ایک شخصیات ہیں ہر ایک کا نام لینا سطور کو طول دینا ہی ہے جو کے بے معنی ہے ۔

اس کتاب میں مذکورہ دلائل سے یہ روزِ روشن کی طرح ثابت ہو جاتا ہے کہ سیدہ ،طیبہ، معصومہ امِّ کلثوم بنتِ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے نکاح والی روایتیں من گھڑت اور بے بنیاد ہیں ۔جن کا نہ روایتاً حقیقت سے کوئی تعلق ہے اور نہ ہی درایتاً یہ روایتیں سچی ہیں ۔

فقیر نے اُن روایات کو بھی بنظرِ عمیق دیکھا اور راویوں کو بھی تحقیقاً پڑھا مختصر حالات بھی دیکھے جیسا کہ کسی حدیث کو نقل کرنے کا طریقہ ہے اُن کی حجت کے بارے میں دیگر محدثین کی رائے بھی پڑھی مکمل تحقیق کے بعد فقیر اِس نتیجہ پر پہنچا کہ سیدہ امِّ کلثوم سلام اللہ علیہا کا نکاح نہ ہی جنابِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا اور نہ ہی حضرت عمر نے ایسا کوئی قدم اُٹھایا ہے ۔

جبکہ مذکورہ مسئلہ عرصۂ دراز سے امتِ مسلمہ کے سامنے توڑ پھوڑ کر پیش کیا جارہا تھا اور ان جھوٹی روایات کو بنیاد بنا کر سادات کے نام کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی کوششیں کی جارہی تھیں ۔

دسمبر 2012 لاہور کی ایک بڑی عظیم دینی درسگاہ سے ماہنامہ بھی شائع ہوا ہے جس میں سیدہ امِّ کلثوم سلام اللہ علیہا کے نام سے مضمون شائع ہوا ہے ۔مجھے بڑی حیرانگی ہوئی کہ اِس نفسا نفسی کے دور میں ایسے مسائل کو کھولنے کی کیا ضرورت پڑھ گئی ہے، یوں چیلنج کیا جارہا ہے اور ہر کتاب میں اس مسئلہ کو زیر بحث لانے کی کوشش کی جارہی ہے

جب کہ حقیقت کچھ اور ہے دورانِ گفتگو ہر دل عزیز، میرے مشفق، مہرباں قبلہ نجابت علی تارڑ صاحب نے راقم کو اِس بات پر آمادہ کیا کہ حق سچ کو سامنے لایا جائے۔

تاہم مجلس برخاست ہونے سے قبل راقم کے ساتھ موجود جملہ ساتھیوں نے مصمم ارادہ کرلیا کہ جو بھی حقیقت ہوگی اُس کو واضح کیا جائے گا۔

اس نظریہ کے ساتھ کہ اگر سیدہ معصومہ کے اِس فرضی نکاح کے ثبوت میں قوی دلائل موجود ہوئے تو ان ہی کو ذکر کیا جائے گا اگر تو اِس مسئلہ پر من گھڑت روایات موجود ہوں گی تو اُسی حقیقت کو بیان کیا جائے گا۔

بس اسی ضرورت کے پیشِ نظر فقیر نے یہ مختصر سی حاضری لگوانے کی کوشش کی ہے بحمداللہ تعالیٰ جو آج آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے۔

بنیادی طور پر اِس کتاب کا سببِ تالیف بعض غیر ذمہ دار لوگوں کی تعصب پر مبنی وہ کتابیں ہیں جن کی زد میں یہ (امیر المؤمنین جناب حضرت عمر، سیدنا علی المرتضیٰ، سیدہ امِّ کلثوم رضی اللہ عنہم) ذواتِ مقدسہ آتی ہیں اِن حضرات میں سے کسی ایک پر بھی اِن مصنفین کی کتب میں درج عبارات کا تعلق حقیقت سے نہیں جبکہ وہ تمام تر عبارات مع اعتراضات واشکالات مصنفین کے

اِس نکاح پر منعقد ہونے کے ثبوت میں پائے جارہے ہیں جس کا نہ ہی سنّیت سے کوئی تعلق ہے اور نہ ہی عقائد سے کوئی تعلق ہے بلکہ سراسر ناانصافی اور ظلم ہے۔

پھر ایک اور عجیب بات یہ بھی ہے کہ جس نے بھی اس مسئلہ کی حقیقت کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے اس پر رافضیت کا فتویٰ لگا کر کھلے عام یہ انکار کر دیا جاتا ہے۔

میرا طرزِ تکلّم الزامات کے شکنجوں میں سہی
خونِ حیدر نے مجھے یہ ذوق دیا ہے

اس تحقیقی موضوع کو سمجھنے کے لیے حدیث کی ان اقسام کو سمجھنا نہایت ضروری امر

ہے جس پر تفصیلاً اِس کتاب میں بحث موجود ہے اِن کی وضاحت کچھ اس طرح سے ہے

۱۔ ازروئے روایت ۲۔ ازروئے درایت

جن کی تفصیل آئندہ اوراق میں درج ہے۔اس کتاب کا موضوع نکاحِ امِّ کلثوم بنتِ فاطمہ الزہراء علیہا السلام ہے۔بقول اُن مصنفین کے جو حضرت عمر کے ساتھ سیدہ کے نکاح کے منعقد ہونے پر دلیلیں پیش کرتے ہیں آیا اُن کی دلیلیں صحیح ہیں یا نہیں؟ اِس موضوع پر علماء میں تین طبقات موجود ہیں جن کے الگ الگ دلائل ہیں جس کی وضاحت یوں ہے کہ:

۱۔ پہلا طبقہ وہ کہ جس نے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضور نورِ مجسم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے تعلق جوڑنے کے لیے یہ نکاح کیا۔اور اِسپر اس گروہ نے دلائل پیش کیئے۔

۲۔ دوسرا طقبہ وہ ہے جس نے اِس نکاح کے منعقد ہونے کا اقرار تو کردیا لیکن دونوں کی جناب میں شدید گستاخی کے الفاظ قائم کردیئے۔(جس کی وضاحت بھی اِس میں موجود ہے)

۳۔ تیسرا طبقہ وہ ہے جس نے کہا ہے کہ یہ نکاح امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے نہیں ہوا اور نہ ہی سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ایسا کوئی قدم اُٹھایا ہے کہ جس کی وجہ سے یہ کہا جائے کہ انہوں نے یہ نکاح کیا ہے۔(اِس کی مکمل وضاحت بھی ہماری اِس کتاب میں موجود ہے)۔

اب ہم نے اِن طبقات کو بنظرِ عمیق دیکھا تاکہ حقیقت معلوم ہو سکے کون صحیح ہے اور کون تحقیق سے تھوڑا ہٹ کر گفتگو کر رہا ہے۔

بہرحال اِس مسئلہ پر بڑی بڑی عظیم ہستیوں نے اپنی اپنی قلم کو حرکت میں رکھا ہے میں اُن ہستیوں پر وہ الفاظ نہیں استعمال کر رہا کہ جس سے اُن کی عزت یا اُن کی شان

میں کوئی گستاخی واقع ہو بلکہ اتنا کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ تحقیق کا حق ہر کسی کو حاصل ہے۔

اُن لوگ میں کچھ بزرگ ہستیاں بھی موجود ہیں اُن کی جناب میں کسی ایسی بات کو ذکر کرنا مناسب نہیں جس سے اُن کی توہین لازم آئے، بلکہ اُن کے ایسے الفاظ کو عدمِ توجہی کہنا غلط نہیں ہوگا۔

ہاں مجھ سے کہیں بڑھ کر اُن حضرات کا مطالعہ ہے، تحقیق ہے لیکن فقیر کی تحقیق میں یہی الفاظ ہیں جو آپ کے ہاتھوں میں موجود ہیں۔

پھر بھی میرا یہی پیغام ہے آج کے بعد جو بھی قلم کو حرکت دے وہ اِس حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے حرکت دے کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک نقطہ آپ کو محرم سے مجرم بنا دے۔

بہت کوشش کے باوجود اس کو مختصر کیا جا رہا ہے تا کہ ہر ایک فرد تک اس کی رسائی ممکن ہو سکے۔اس کتاب میں چار ابواب قائم کیئے گئے ہیں اور تمام ابواب میں موضوع کی مناسبت سے الگ الگ حصے قائم کیئے ہیں جن کی تفصیل کچھ اِس طرح سے ہے کہ:

پہلے باب کے حصہ اول میں علمِ حدیث درایت و روایت (اصولِ حدیث) کو بیان کیا گیا ہے۔

حصہ دوم میں احادیث پر مختصراً تکمیلی انداز سے بحث کرنے کے بعد اصل مقصد کی وضاحت کی گئی ہے۔

اسی حصہ میں سیدہ امِّ کلثوم بنتِ فاطمہ علیہا السلام پر لگائے گئے الزامات کو بھی سامنے رکھ کر فیصلہ کرنے کی سعی کی گئی ہے جس پر قارئین سے توجہ کی درخواست ہے۔

باب نمبر ایک کے حصہ سوم میں عرفِ عام میں شادی کے کچھ مراحل ذکر کیئے گئے ہیں یعنی رشتہ کا طلب کرنا، منگنی کرنا، دن مقرر کرنا، پھر رخصتی اِن کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے مختصراً تفصیل موجود ہے ذرا غور کریں۔

اِن مراحل کو ذکر کرنے کے بعد امّ کلثوم کی تفصیلی وضاحت بھی بیان کیگئی ہے جس کے لیے مختلف کتب سے مختلف روایات اکٹھی کی گئی ہیں تاہم فیصلہ آپ کی عقل پر۔۔

بابِ اول کی تکمیل پر باب دوم کا آغاز کیا گیا ہے جس کی تفصیل یوں ہے کہ:

بابِ دوم کے حصہ اول میں حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی ذواتِ مقدسہ پر مذکورہ روایات کی وجہ سے جو الزامات لگ رہے ہیں اُن پر بحث کی گئی ہے اور پھر ان الزامات کی اصل حقیقت سے پردہ اُٹھایا گیا ہے۔

باب دوم کے حصہ دوم میں مختصر سیرتِ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو ذکر کیا جارہا ہے تاکہ موازنہ کیا جاسکے۔

جبکہ باب دوم کے حصہ سوم میں صرف مولائے کائنات سے رشتہ طلب کرنے کے متعلق جو باتیں بنائی گئی ہیں اُن کو بیان کیا گیا ہے اور پھر حقیقت کے پیشِ نظر مولیٰ کائنات کے ساتھ حضرت عمر کے تعلقات کو بیان کیا گیا ہے تاکہ اس مسئلہ سے جنم لینے والے سوالات کی چھان بین کی جاسکے۔

بابِ دوم کی تکمیل کے بعد بابِ سوم کا آغاز کچھ یوں ہے کہ:

بابِ سوم کے حصہ اول میں امّ کلثوم بنتِ ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا کے بارے میں روایات اور اُس سے پیدا ہونے والی قباحتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔جبکہ اسی باب میں نکاحِ امّ کلثوم بنتِ ابی بکر صدیق وامّ کلثوم بنتِ فاطمہ رضی اللہ عنہم کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔تاہم فیصلہ کن گفتگو اگلے باب میں موجود ہے۔

تیسرے باب کے دوسرے حصہ میں سیدہ امّ کلثوم پر لگائے جانے والے الزامات کا ٹھوس جواب دیا گیا ہے۔جبکہ اسی حصہ میں اولادِ عمر کا تذکرہ بھی موجود ہے

باب نمبر تین کے تیسرے حصے میں امّ کلثوم کے بارے میں وضاحت کی جائے گی کہ جس امّ کلثوم کا نکاح جناب حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ہوا ہے وہ کون ہے؟

پھر اولادِ امِّ کلثوم پر سیر حاصل گفتگو کی جائے گی کہ یہ اولاد کہاں گئی۔

بالآخر حصہ سوم میں اُس حقیقت کو بھی سامنے کیا گیا کہ امِّ کلثوم زوجہ عمر ہے کون؟ جبکہ ہم اس بات کے انکاری نہیں کہ ام کلثوم نامی کوئی عورت ان کی بیوی نہیں تھی۔

بالآخر حصہ سوم میں اُس حقیقت کو بھی سامنے رکھا گیا ہے کہ امِّ کلثوم زوجہ جنابِ حضرت عمر ہے کون؟

تیسرے باب کی تکمیل کے بعد اس کتاب کا آخری اور فیصلہ کن نتیجہ بابِ چہارم میں ذکر کیا گیا ہے۔

بابِ چہارم کے حصہ اول میں سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی اولاد کے بارے میں مختصراً ذکر کیا گیا ہے جبکہ جنابِ حضرت عمر کی جس اولاد کو امِّ کلثوم بنت فاطمہ علیہا السلام کے طرف منسوب کیا گیا ہے اُس کی مکمل وضاحت بھی اسی باب میں موجود ہے۔

بابِ چہارم کے حصہ دوم میں نکاحِ امِّ کلثوم کا تاریخی پس منظر بیان کیا گیا ہے پھر اِس کے بعد اِن روایات کو ذکر کرنے والے راویوں کا تعارف بیان کیا گیا ہے تاکہ معاملہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

جبکہ اِسی حصہ میں اصل مقصد کو بھی بیان کیا گیا ہے جس کی مکمل تفصیل بابِ چہارم کے حصہ دوم میں زینتِ قرطاس ہے۔

کتاب ہٰذا کو پڑھ کر اگر قارئین میں سے کسی کو تسلی نہ ہو تو خادم نے تسلی کے لیے اپنا پتہ بمع رابطہ نمبر درج کر دیا ہے، ہمہ وقت خادم حاضر ہے۔

راہِ حق کا متلاشی

سید عابد حسین بخاری

(سیرت نگار)

اظہارِ تشکر

بے حد مشکور و ممنون ہوں اپنے جملہ دوستوں کا جنہوں نے یہ کتاب لکھنے میں میری مدد فرمائی۔ بالخصوص میرے برادر اصغر ڈاکٹر سید مزمل حسین بخاری جو ہمہ وقت میرے لیے دعا گو رہتے ہیں۔

مالک کائنات بطفیل نعل پاکِ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو مزید ترقیاں نصیب فرمائے اور دن دگنی رات چوگنی منازل کو آسان فرمائے۔

میں بے حد مشکور و ممنون ہوں فخر السادات حضرت علامہ مولانا پیر سید مصباح الحسن گیلانی زیدہ مجدہ کا جو ہمیشہ میری حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔

بعد ازاں بے حد مشکور و ممنوں ہوں پیرِ طریقت رہبر شریعت حضرت علامہ مولانا پیر سید اسد حسین شاہ صاحب کاظمی زیدہ مجدہ فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور (سجادہ نشین آستانہ عالیہ (پنتھل) پلندری ضلع سدھنوتی) کا جنہوں نے انتہائی مصروفیت کے باوجود اپنا قیمتی وقت نکال کر الطافِ کریمانہ اور اخلاقِ رحیمانہ کا ثبوت فراہم کرتے ہوئے لمحہ بہ لمحہ میرے ساتھ معاونت فرمائی۔۔۔

ضرورت کے مطابق مجھے اِس مسئلہ پر کتب بھی فراہم کرتے رہے اللہ تعالیٰ قبلہ پیر صاحب کے علم، عمر اور عمل میں مزید برکتیں عطا فرمائے۔

قبلہ پیر صاحب کا فقیر کے بارے میں وہ جملہ سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہے جو ہمہ وقت میرے لیے فرمایا کرتے تھے جو بارگاہِ ایزدی میں قبولیت کا درجہ رکھتا ہے قبلہ پیر صاحب ہمیشہ فقیر کے بارے میں ایک جملہ ارشاد فرمایا کرتے ہیں کہ مصنفِ کتب کثیرہ۔۔۔یقیناً آلِ نبی اولادِ علی کی زبان سے نکلا ہوا جملہ قبولیت کے درجے پر ہے ان کی دعاوں کا نتیجہ ہے کہ فقیر کا ذوق صرف اور صرف کتب کی تحریر ہی ہے۔

بے حد مشکور و ممنون ہوں علامہ قبلہ پیر سید کفایت حسین بخاری صاحب کا جنہوں نے اس پر چند تعریفی الفاظ تحریر فرما کر اس کے حسن کو دو بالا کیا ہے۔

یقیناً ان حضرات کی محبتوں کی بدولت راقم یہ تحقیقی رسالہ تحریر کرنے میں کامیاب ہوا۔فقیر کی ان کاوشوں کا سارا سہرا ان کے سر سجتا ہے۔

راہ حق کا متلاشی

سید عابد حسین بخاری

(سیرت نگار)

تاثرات

فاضل جلیل، عالم نبیل، حضرت علامہ مولانا سید کفایت حسین بخاری زید مجدہ
فاضل جامعہ رضویہ ضیاء العلوم

الحمد للہ ذی المجد والعلیٰ ، صاحب الجود والسقاء وعلیٰ آلہِ الطیبین الطاھرین اولی الصدق والصفی ، الذی یصورنا فی الارحام کیف یشاء ۔ اما بعد:

کتاب ہٰذا کو پڑھنے کا شرف نصیب ہوا جتنا دیکھا جیسے دیکھا خوب پایا۔علامہ قبلہ بخاری شاہ صاحب نے جس طرح روایت و درایت کے اصولوں کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے سند و متن کے لحاظ سے نکاحِ امِّ کلثوم کی حقیقت کو امتِ مسلمہ کے سامنے آشکار کیا جس کو یقینا صاحبانِ علم و دانش ہی کر سکتے ہیں، جبکہ اہل بیت اطہار کی محبت ہی نے آپ کو اتنا عظیم کام کرنے پر مجبور کیا۔مخالفین ومعاندین اہلبیت کے منہ میں وہ دھول ٹھونس دی جس کا تا صبح قیامت رد نہیں کیا جا سکتا۔

اِس مسئلہ کی حقیقت کو بیان کر کے قبلہ بخاری شاہ صاحب نے عظیم جرأتِ ایمانی کا ثبوت دیا ہے جو کہ خارجیت کے اِس پرفتن دور میں بہت مشکل کام ہے۔بعد از ال مسئلہ (نکاحِ امِّ کلثوم) پر سیر حاصل بحث فرما کر اپنوں اور بیگانوں کی طرف سے بڑی شدومد سے کیئے گئے اعتراضات کی بیخ کنی کی سعیٔ بلیغ فرمائی جو نام نہاد داعیانِ حق کی صورت میں عظمت اہل بیت پر مسلسل شب خون مارنے میں مصروف ہیں۔پھر علمی اور تحقیقی تجزیہ فرما کر موجودہ و آئندہ نسلوں کے قلوب و اذہان میں سازش وانبار کے تحت جنم لینے والے قلق و اضطراب کا خوب ازالہ فرمایا۔

یہ ایک ایسا نازک باب ہے جس پر کام کرنے سے پہلے اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر

پیش کیا جاتا ہے کیونکہ بہت سخت دور ہے جس میں اہلبیت کی فکری اورنظریاتی یک جہتی کو درہم برہم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے ۔آئے دن اِس مسئلہ کو غلط اوربغیر تحقیق کے بیان کیا جارہاہے جوکہ انتہائی افسوک ناک عمل ہے ، جبکہ ایک مشہور کہاوت ہےکہ:

"چونے کی بوری سے آٹا نہیں نکلتا"

فقیر کامشاہدہ کتابِ ہٰذا کے تمام مقامات کو پڑھ کر یہ ہے کہ یہ کتابِ مستطاب **نکاحِ ام کلثوم**" (روایت ودرایت کی روشنی میں) انشاء اللہ بفضل خدااِس طوفانِ بدتمیزی کے سامنے سدِّ سکندری کا کردارادا کرے گی۔

آج کرہ ارضی کو امن وامان کا مرکز بنانے کے لئے مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عطا کردہ منشور سے زیادہ مؤثر اورجامع ضابطہ کہیں اوردستیاب نہیں ۔

راہِ حق وانقلات کاادنیٰ سپاہی

علامہ مولاناحافظ القاری

سید کفایت حسین بخاری مہروی

امام وخطیب

مسجد عبدالجبار آمین بحریہ ٹاؤن راولپنڈی

فاضل جامعہ رضویہ ضیاءالعلوم راوالپنڈی

فاضل تنظیم المدارس پاکستان

باب نمبر 1

حصہ اول

علمِ حدیث درایت و روایت

(اصولِ حدیث)

حدیث

"کُلُّ مَا اُضِیْفَ اِلَی النَّبِیِّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم مِنْ قَوْلٍ اَوْ فِعْلٍ اَوْ تَقْرِیْرٍ"۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قول ،فعل ،اور تقریر (تقریر یہ ہے کہ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موجودگی میں کوئی کام کیا گیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس سے منع نہ کیا بلکہ خاموشی اختیار فرمائی تو اُس حدیث کو تقریری کہا جاتا ہے) کو حدیث کہا جاتا ہے ۔(مشکوٰۃ شریف از شاہ عبدالحق دہلوی)

بعض محدثین کے نزدیک صحابی اور تابعی کے قول فعل اور تقریر کو بھی حدیث کہتے ہیں ۔اور علمِ حدیث کی دو قسمیں ہیں ۔

علمِ حدیث روایۃ علمِ حدیث درایۃ

روایت و درایت چہ معنی دارد:

ہمارے ہاں جدید معاشرتی اصطلاح میں روایت و درایت کو دراصل " اسناد و متن " کے دوسرے نام کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے اور بعض حضرات اس فکر کو بڑے شدومد سے پروان چڑھانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ "**روایت**" سے مراد سند کی تحقیق اور "**درایت**" سے مراد متن کی تحقیق ......۔

ان کا کہنا ہے کہ محدثین کے وضع کردہ اصولِ حدیث اپنے دائرۂ کار یعنی تحقیق سند میں تو کافی شافی ہیں لیکن تحقیق متن پر انہوں نے کوئی خاص توجہ مبذول نہیں کی ،بلکہ اس باب میں ان کی کاوش نہ ہونے کے برابر ہے۔

لہٰذا اب تحقیق متن کے چند مسلمہ اصول وضع کر دینے ضروری ہیں جو علمِ حدیث میں پائی جانے والی تحقیق متن کی اس کمزوری کو ختم کر دیں۔

ہمارے خیال میں ان حضرات کا قائم کردہ مقدمہ اوراس سے اخذ شدہ نتیجہ دونوں ہی ناقابل تسلیم ہیں نہ تو یہ بات درست ہے کہ روایت سے مراد سند کی تحقیق اور درایت سے مراد متن کی تحقیق ہوتی ہے اور نہ ہی یہ دعویٰ مبنی برصواب ہے چونکہ محدثین نے اصولِ متن وضع کرنے کی طرف کوئی خاطر خواہ توجہ نہیں فرمائی۔

لہٰذا اس باب میں داد و تحقیق دینا چاہیے۔ہمارے اس دعویٰ کی ایک معقول وجہ یہ ہے کہ محدثین کے روایت و درایت کو سند و متن کی تحقیق کے لیے الگ الگ اصطلاح کے طور پر قطعاً استعمال نہیں کیا جاتا تھا۔کیونکہ اصطلاحِ روایت محدثین کرام کے ہاں سند و متن دونوں کے مجموعے کا نام ہے۔

چنانچہ محدثین کرام جب فرماتے ہیں کہ "**ہذا حدیث صحیح**" یا یہ روایت صحیح ہے تو ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اس خبر کو سند و متن دونوں سے پرکھنے کے بعد اس کی نسبت الی الرسول ثابت قرار پائی ہے۔یہی وجہ ہے کہ متقدمین> آئمہ حدیث کے ہاں روایت کی تعریف میں درایت کا مفہوم شامل ہوتا ہے اوراب جب وہ کسی حدیث یا روایت پر صحت یا ضعف کا حکم لگاتے ہیں تو وہ سند و متن ہر دو اعتبار سے ہوتا ہے۔متقدمین آئمہ حدیث نے تحقیق روایت کے لیے جو کتب تصنیف فرمائیں ہیں انہیں اصول الروایہ ہی کے نام سے پیش کیا جاتا ہے۔

چنانچہ علامہ خطیب کی کتاب کا نام الکفایۃ فی الروایۃ بنا بریں محدثین کے مقرر کردہ اصول حدیث اس قدر جامع تھے کہ ان کے میعار پر پورا اترنے والی ہر حدیث سند متن یا بالفاظ دگر روایت و درایت ہر دو اعتبار سے قابل اعتماد ہوتی تھی۔

اب ہمارے زمانہ میں چونکہ روایت و درایت کو مختلف معانی میں استعمال کیا جارہا ہے۔جس سے غلط مبحث پیدا ہوا چاہتا ہے لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اس اشکال کی پوری پوری وضاحت کردی جائے کہ روایت و درایت سے مراد کیا ہے؟ اس کا اسناد و متن

کے ساتھ تعلق کیا ہے؟

محدثین کرام کے وضع کردہ اصولِ حدیث کی نوعیت کیا ہے؟

درایت کے غلط استعمال سے خرابی کیا پیدا ہوتی ہے؟

اور یہ کہ مختلف علوم میں درایت کن معانی میں مستعمل ہے؟

آئندہ صفحات میں انہیں سوالات کے تسلی بخش جوابات فراہم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

روایت کا معنیٰ ومفہوم:

یہ بات تو معلوم ہے کہ انسان کے مشاہدہ کا دائرہ انتہائی محدود ہے۔لہٰذا مشاہدہ کے ذریعہ سے حاصل کیا جانے والا علم بھی مشاہدے کے دائرہ کار کے بقدر محدود ہی ہوگا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ انسان اپنے فطری رجحانات کے پیشِ نظر وسعتِ علمی کی راہیں تلاش کرنے میں سرگرداں رہتا ہے۔

لہٰذا اس کے لیے ضروری ہے کہ:

وہ حوادث جو اس کی پیدائش سے قبل رونما ہو چکے ہیں یا وہ واقعات جو اس کی زندگی اور شعور کی حالت میں وقوع پذیر ہوئے مگر بعض وجوہات کی وجہ سے اس تک رسائی حاصل نہ کرسکا تو یہ ان کی تلاش میں لگا رہتا تھا۔

چنانچہ انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان میں دوسرے لوگوں کی خبر پر اعتماد کرے اور دوسرے لوگ جو اس واقعہ کے عینی شاہدین تھے ان پر بھی لازم ہے کہ ان کی روئیداد کو بیان کریں۔انتقالِ علم کی صدیوں سے یہی صورت معروف رہی ہے۔ ہماری اسلامی تاریخ میں بھی علوم شریعہ کے اخذ و اکتساب کا مدار اسی ذریعہ پر ہے جسے محدثین کرام کی فنی زبان میں روایت کا نام دیا جاتا ہے۔

لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس مقام پر روایت کے لغوی و اصطلاحی معنیٰ کو

وضاحت کے ساتھ بیان کریں۔

روایت کی لغوی تعریف:

ذیل میں ہم لفظ روایت کی علمائے لغت اور اصحابِ حدیث سے بیان کردہ لغوی و اصطلاحی تعریف بیان کر رہے ہیں اس کے بعد حاصل معنی سے ایک مشترکہ اور جامع تعریف ذکر کریں گے جو مذکورہ تمام تعریفات کا جامع خلاصہ ہوگی۔

لفظِ روایت **روٰی یروی** سے مصدر ہے جس کا معنیٰ ہے سیراب کرنا چونکہ روایت کے ذریعے پہلے آنے والا اپنے بعد میں آنے والے ہر شخص کو سرمایہ نبوت سے سیراب کرتا ہے اس لیے اسے روایت کہا جاتا ہے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمانِ عالیشان ہے کہ:

"مثل مابعثنی اللہ بہ من الھدی والعلم کمثل الغیث الکثیر اصاب ارضا"۔ (صحیح بخاری ص۷۹)

ترجمہ: جس ہدایت اور علم کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے اس کی مثال اس کثیر بارش کی سی ہے جس نے زمین کو سیراب کیا ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) فرماتے ہیں کہ:

الحدیث فیہ بیان قبول اھل العلم ھدایتہ باحد وجھین الروایۃ صریحا والروایۃ دلالۃ بان استبطوا وخبروا بالمستنبطات۔

شاہ ولی اللہ دھلوی حجۃ اللہ البالغۃ، نور محمد اصح کتب کراچی، ج۱ ص۴۰۸

اہل علم نے نبی کی ہدایت کو دو طریقوں میں سے کسی ایک طریقے سے قبول کرلیا یا صریح روایت کے ذریعے یا دلالت روایت کے ذریعہ سے، بایں طور کہ انہوں نے مسائل کا استنباط کیا اور لوگوں کو باخبر کیا۔

روایت کا اصطلاحی معنی:

امام جلال الدین السیوطی (م ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں کہ:

★۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال، افعال، تقریرات اور صفات کے حوالے سے جو کچھ نقل کیا جائے اور راجح قول پر جو چیز صحابہ کرام یا تابعین کی تقریر بھی اس طریق پر منسوب ہو اس پر علم روایت الحدیث کا اطلاق ہوتا ہے۔

تدریب الراوی ص۲

محمد عجاج الخطیب علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ:

★۔ اصطلاحِ حدیث میں سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بطورِ شریعت صادر ہونے والے تمام اقوال، افعال، تقریرات اور صفاتِ خَلقیہ وخُلقیہ کی نقل کو روایت سنت یا نقلِ سنت کہا جاتا ہے۔

منہج النقد فی علوم الحدیث ص۳۱

اور پھر علم حدیث میں روایت کی تعریف بیان کرتے ہوئے ابن الاکفانی علیہ الرحمہ (م ۷۴۹ھ) لکھتے ہیں کہ:

"علم الحديث الخاص بالرواية علم يشتمل على اقوال النبي وافعاله وروايتها وضبطها وتحرير الفاظها"۔

اصول الحدیث علومہ ومصطلحہ ص۷

ترجمہ: علمِ حدیث جو کہ خصوصاً روایت کے ساتھ ہو اس سے مراد وہ علم ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال، افعال اور ان کی روایت یا ضبط اور ان کے الفاظ کی تحریر پر مشتمل ہے۔

جامع تعریف:

مذکورہ تعریفات سے واضح ہو گیا ہے کہ سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نقل کو روایت کا نام

دیا گیا ہے اور اس علم کو علمِ روایت حدیث یا علمِ روایتِ سنت کہا جاتا ہے اگر ہم مذکورہ بالا تمام لغوی و اصطلاحی تعریفات کو جمع کریں تو روایت کی ایک جامع مانع تعریف یہ ہوگی کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام افعال، اقوال اور تقریرات کو ضبط صدور کتاب میں لانے کے بعد صحابہ کرام کی وہ روایت کہ جس وہ شخص جو پہلے والا ہو بعد میں آنے والے ہر شخص کو علوم و اسرارِ نبوت سے فیض یاب کرتا ہے اسے روایت کہتے ہیں۔

چنانچہ نور الدین عتر بھی روایت کی اسی جامع تعریف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"فلما لحق رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالرفيق الاعلىٰ حدث عنه الصحابة بما وعنه صدورهم الحافظة ورووه للناس بغاية الحرص والعناية فصار الحديث علما يروى وينقل، ووجه بذالك علم الحديث رواية"۔

منهج النقد في علوم الحديث ص ۳۱

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خالق حقیقی سے جا ملے تو صحابہ کرام اپنی شنیدہ باتیں نہایت شوق و اہتمام سے روایت کرنے لگے۔ اس طرح حدیث ایسا علم بن گیا جس کی روایت چلنے لگی۔ اس طرح علم حدیث روایات کی صورت میں محفوظ ہوگیا۔

درایت کا معنی و مفہوم

دین اسلام اللہ کی ابدی ہدایت کا نام ہے جو کتاب وسنت کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دین و شریعت سے متعلق جو کچھ منسوب ہو اس کو حدیث کہتے ہیں اس نسبت کی صحت کو جانچنے کے لیے اہلِ علم نے ایک معیار مقرر کیا ہے جس کا نام درایتی معیار ہے۔

لہٰذا امت کے آخری پیدا ہونے والے شخص تک اس دین کا بتمام وکمال پہنچ جانا ایک لازمی ولابدی امر ہے۔ علمائے امت نے اس فریضہ بارِ گراں کو آئندہ نسلوں تک منتقل کرنے کے لیے نقل و روایت کا طریقہ اختیار فرمایا ہے لیکن یہ نقل برائے نقل یا روایت برائے روایت ہی نہ تھی بلکہ روایت کے انہی اصولوں میں وہ میزان اور ترازو بھی پایا جاتا تھا جس پر نقل و روایت کی ہر اعتبار سے مکمل تحقیق ہو جاتی تھی اور حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی پہلو، خواہ اس کا تعلق تحقیق سند سے ہو یا تحقیق متن سے، تشنہ کام نہیں رہتا تھا۔

روایت کی تحقیق کے لیے جو فن متقدمین نے اختیار کیا اس میں "**درایت**" کا مفہوم از خود شامل تھا یہی وجہ ہے کہ متقدمین کے ہاں "**درایت**" کسی الگ فن کا نام نہیں۔

چنانچہ عبد الوہاب عبد اللطیف فرماتے ہیں کہ:

"علمِ درایتِ حدیث کے علم کو ہی علمِ اصولِ الحدیث، بھی کہا جاتا ہے"۔

المختصر فی علم رجال الاثر ص۸

متاخرین نے علوم کی وسعت کے پیشِ نظر جب ہر فن کی اصطلاحات کو نکھار کر پیش کیا تو فنِّ حدیث میں روایت کو درایت سے الگ کر دیا۔ آج کل ہمارے دور میں درایت کو چونکہ ایک اصطلاح کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔

لہٰذا مناسب ہے کہ ہم اس کے لغوی اور اصطلاحی مفاہیم کو بیان کریں۔

درایت کا لغوی مفہوم:

دری یدری درایة ، دریانا ، دریا، دریة کے معنیٰ ''معرفت'' کے ہیں۔ یہاں مقصود (علم حدیث میں) روایت کی صحت یا ضعف کی معرفت کا حصول ہے۔

★۔ ذیل میں ہم درایت کا لغوی معنیٰ بیان کرنے کے لیے علمائے لغت کے اقوال نقل کر رہے ہیں۔ بعض کے ہاں اس کا معنیٰ ''**علم**'' ہے۔ یعنی یہ علم کے مترادف کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور بعض علمائے لغت اسے عین علم کے مترادف کے طور پر تو استعمال نہیں کرتے بلکہ وہ اس سے ایسا فہم مراد لیتے ہیں جو علم کے مقابلہ میں ناقص ہوتا ہے یا ایسا علم جس میں شک لاحق ہوتا ہے۔

درایت کا اصطلاحی معنیٰ مفہوم:

علامہ جلال الدین سیوطی نے درایت کی اصطلاحی تعریف یوں بیان کی ہے کہ:

"علم الحدیث درایة علم بقوانین یعرف بها احوال السند والمتن"۔

درایتی علمِ حدیث ان قوانین کے جاننے کو کہتے ہیں کہ جن کے ذریعے سے سند و متن کے احوال کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

ہم یہ بات گذشتہ صفحات پر بیان کر چکے ہیں کہ متقدمین کے ہاں درایت کو الگ سے کسی اصطلاح کے طور پر قطعاً استعمال نہیں کیا جاتا بلکہ تحقیق روایت کے سلسلہ میں محدثین کرام کے مقرر کردہ اصولِ حدیث ہی ایک ایسی کسوٹی تھی جن پر اگر کوئی روایت قابل اعتماد قرار پاتی اور ساتھ ساتھ وہ تحقیق کے جمیع معیارات پر بھی پورا اترتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ:

تحقیق روایت کے مستقل اصول یا اصطلاح کے طور پر، اور بس جیسا کہ مذکورہ لغوی تعریفات میں درایت کا معنیٰ فہمِ ناقص یا علمِ کامل ہی مستعمل ہوا ہے لیکن متأخرین نے لفظِ درایت کو ایک اصطلاحی معنیٰ پہنا دیا ہے اور اس کا استعمال صرف علومِ حدیث میں متن حدیث کی تحقیق کرنا شروع کر دیا ہے۔

لہٰذا اب حدیث کی نقد و جرح کو نئے استعمالات میں لانا درایت سمجھا گیا ہے۔

المختصر ہمارے خیال میں لفظ درایت کا کوئی ایسا مستقل استعمال متقدمین کے ہاں مفقود تھا جو ماہرین فن کی اصطلاح کے طور پر معروف ہو جائے۔

لہٰذا درایت کسی خاص علم کی کوئی ایسی اصطلاح نہیں ہے جس کی تسلی بخش دو ٹوک انداز میں ایسی جامع تعریف ہو سکے جو خاص اسی فن یا علم سے تعلق رکھتی ہو۔

یہی وجہ ہے کہ اس اصطلاح کے تعیُّن میں عدم وضوح کی وجہ سے بعض حضرات نے اس کے استعمال میں یک طرفہ کاوش کا مظاہرہ کیا ہے جس سے خلط مبحث پیدا ہوا ہے۔

روایت اور درایت حدیث میں فرق:

اس سلسلہ میں علامہ تقی امینی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب " حدیث کا درایتی میعار " میں بحث درایت کی ابتداء ہی میں سب سے پہلی بات جسے واضح فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ روایت سے مراد حدیث کی نقل و خبر ہے جبکہ درایت سے مراد اس کی نسبتِ رسول و نسبت صحابہ کی صحت کو جانچنا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دین و شریعت سے متعلق جو کچھ منسوب ہوا اس کو حدیث کہتے ہیں اس نسبت کی صحت کو جانچنے کے لیے اہل علم نے ایک میعار مقرر کیا ہے جس کا نام درایتی میعار ہے۔

(یہی طریقہ یہی اصول اقوال وافعالِ صحابہ کے لیے بھی وضع کیا گیا ہے)۔

★۔ علم روایۃ الحدیث اور درایۃ الحدیث میں فرق اور باہمی تعلق کے حوالے سے نورالدین عتر فرماتے ہیں کہ:

روایۃ الحدیث درایۃ یؤصل الی معرفۃ المقبول من المردود بشکل عام ای بوضع قواعد عامۃ فاما علم روایۃ الحدیث فانہ یبحث فی ھٰذا الحدیث المعین الذی تریدہ فیبین تطبیق تلك القواعدانہ مقبول اومردود ، ویقبط روایتہ وشرحہ، فھواذا یبحث بحثاجزئیا تطبیقاً ، فالفرق بینھم کالفرق بین النحو وبین الاعراب وکالفرق بین اصول الفقہ وبین الفقہ۔

★۔ ڈاکٹر صبحی صالح فرماتے ہیں:

روایتِ حدیث کا علم ان تمام احادیث کی نقل و درایت پر حاوی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جانب منسوب ہوں، خواہ وہ احادیث قولی ہوں یا فعلی ہوں یا تقریری ہوں یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کسی صفت پر مبنی ہوں۔ مختار قول کے مطابق اس میں اقوالِ صحابہ بھی شامل ہیں۔جبکہ درایت حدیث کی تعریف میں حافظ ابن حجر (م ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں کہ ایسے مباحث ومسائل کا مجموعہ جس سے راوی اورمروی (حدیث) کا حال قبولیت یا عدمِ قبولیت کے لحاظ سے معلوم کیا جائے، درایت الحدیث کہلاتا ہے۔

مختصر خلاصہ یہ ہے کہ محدثین نے درایت سے مراد حدیث کی جانچ پرکھ (نقدِ حدیث) لی ہے۔اور سند ومتن ہر دو سے متعلق مباحث نقد کے نکتۂ نگاہ سے واضح کیئے ہیں اس حوالے سے جو اقوال اس لیے نقل کیئے جاتے ہیں کہ جس طرح ایک ماہر جوہری ہیرے کی جودت سے غلط اور صحیح کا امتیاز کرلیتا ہے۔

یا ایک ماہرِ فن سند کے بغیر بھی موضوع اور صحیح حدیث کی پہچان رکھ لے۔ تو اس کی حیثیت صرف یہیں تک محدود ہے کہ ان علامات کی بنا پر سند کی طرف دوبارہ رجوع کیا جائے۔ جس طرح ایک ماہر جج مقدمہ میں اپنے فہم کے مطابق کوئی جھول محسوس کرتے ہوئے گواہوں کے بیانات کا نئے سرے سے جائزہ لے یا مقدمہ کی تفصیل کو دوبارہ غور سے دیکھے (جسے عدلیہ کی اصطلاح میں اپیل یا نظرِ ثانی کہا جاتا ہے) تا کہ حقیقت تک پہنچا جا سکے۔ اسی طرح متن میں کوئی جھول محسوس کرتے ہوئے دوبارہ سند کی طرف غور کیا جائے اور اگر گواہوں پر انسانی استطاعت کی حد تک جرح کرنے کے باوجود معاملہ جوں کا توں رہے اور جج گواہان کو نظر انداز کر کے صرف اپنے فہم کی بنیاد پر فیصلہ حقائق کے خلاف سنا دے تو یہ انصاف نہ ہوگا۔

اس بات سے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات کو بھی مستثنیٰ قرار نہیں دیا۔ جیسا کہ لعان والے ایک واقعہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ:

"لو رجمت احدا بغیر بینۃ رجمت ھذہ"۔

اگر مجھے گواہ کے بغیر سزا کا اختیار ہوتا تو میں اس عورت کو رجم کرتا۔

علامہ شبلی نعمانی کا درایت پر نظریہ:

علامہ شبلی نعمانی (م ۱۳۳۲ھ) سیرۃ النعمان میں لکھتے ہیں کہ:

جو لوگ علم حدیث کی درس و تدریس میں مشغول تھے ان میں دو فرقے قائم ہو گئے ایک وہ جن کا کام صرف حدیثوں اور روایتوں کا جمع کرنا تھا۔ وہ حدیث سے صرف **من حیث الروایۃ** بحث کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کو ناسخ و منسوخ سے بھی کچھ سروکار نہ تھا۔ دوسرا فرقہ حدیثوں کو استنباطِ احکام اور استخراجِ مسائل کے لحاظ سے دیکھتا تھا۔

سیرۃ النعمان ص ۱۶۱

مولانا تقی امینی کو مغالطہ:

مولانا تقی امینی کو بھی یہ مغالطہ ہوا ہے کہ درایت کی اصطلاح کے دو جز ہیں۔

نقدِ حدیث (حدیث کی صحت وضعف کی پہچان)

فہمِ حدیث (الفاظ حدیث سے اجتہاد واستنباط)

نیز یہ بھی لکھتے ہیں کہ:

محدثین حدیث کی تحقیق سند کے علاوہ الفاظ ومعانی اور مفہوم پر بھی نقد کرتے تھے لیکن انہوں نے جمع حدیث اور خارجی نقد وتحقیق میں جس قدر شاندار کارنامے انجام دیئے ہیں داخلی نقد وتحقیق میں اس کا ثبوت نہیں ملتا۔

حدیث کا درایتی معیار ص۱۸۶۔۱۸۷

اسی طرح فقہاءِ کرام نے داخلی نقد وتحقیق پر جس قدر شاندار کارنامہ سرانجام دیا ہے خارجی نقد وتحقیق میں اس کا ثبوت نہیں ملتا۔

فتح القدیر ج۱، ص۳۱۷

اس معاملے کا اہم پہلو یہ ہے کہ نقدِ حدیث اصلاً درایت کا اصطلاحی مفہوم ہے اور فقہی درایت کا تعلق نقدِ حدیث سے نہیں ملتا بلکہ شرعی احکام کے استنباط سے ہے البتہ فہمِ حدیث سے اگر محمل واقعہ میں فہمِ واقعہ کی غلطی مراد ہو جسے اصطلاح میں استدراکات کا نام دیا جاتا ہے تو یہ بہرحال فن حدیث یا درایتِ حدیث کا ہی موضوع ہے۔

درایت کے اس لغوی اور اصطلاحی مفہوم کے خلط ملط ہونے سے محدثین کرام اور فقہاءِ کرام کے درمیان اختلاف کی ایک نئی بحث جنم لینے لگی ہے کہ اِس مقام میں کون برتر ہے؟ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح فلسفہ اور انجینئرنگ کا آپس میں کوئی مقابلہ نہیں ہوتا اسی طرح محدثین کرام اور فقہاءِ کرام کے کام کی نوعیت بھی بالکل مختلف ہے۔ اس

لیے اختلاف کی کوئی معنوی حقیقت نہیں ہے۔

خلاصہ کلام:

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ خود ساختہ درایت کے جن اصولوں کی بناء پر لوگوں نے بہت سی درست روایات کا انکار اور کئی ایسی من گھڑت روایات جن کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ان کو مستند قرار دے کر حدیث میں تشکیک پیدا کر کے اپنی من مانی تاویلات کرنے کی کوشش کی ہے ہماری کاوش کے ذریعے اُن کا مکمل خاتمہ اِن حقائق کو سامنے رکھ کر کیا جا سکے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کو سمجھنا ہر عالم دین کے لیے از حد ضروری ہے۔

درایتِ اجتہادی

درایتِ اجتہادی استنباط واستخراجِ احکام کا دوسرا نام ہے جس کا تعلق سراسر ایک مجتہد کے ساتھ ہوتا ہے ۔ جب مختلف دلائل کو ملا کر کسی ایک حکم کا استنباط کیا جائے یا اقتضائے حال کے پیشِ نظر کسی بات کا استخراج کیا جائے اور مجتہد انتہائی غور وخوض کے بعد کسی ایک نتیجہ پر پہنچ کر مطمئن ہو رہا ہو یعنی ایسا نتیجہ جو ظاہری الفاظ یا ظاہری کلام کے باطن میں پوشیدہ ہو تو اس کو درایتِ اجتہادی کہتے ہیں ۔

درایتِ اجتہادی پر ابنِ منظور علیہ الرحمہ کا قول:

ابن منظور (م ۷۱۱ھ) فرماتے ہیں کہ:

"الاجتهاد والتجاهد، بذل الوسع والمجهود والمراد به ردّ القضية التى تعرض للحاكم من طريق القياس لى الكتاب والسنة ولم يرد الرأى الذى راءه من قبل نفسه من غير حمل على الكتاب اوالسنة"۔

اجتہاد و جہاد کا معنی مقدور بھر ہمت وطاقت کو صرف کرنا ہے کسی بیش آمدہ مسئلہ میں حاکم کے اجتہاد کرنے سے مراد یہ ہوتا ہے کہ وہ قیاس کے طریق سے کتاب وسنت کی طرف رجوع کرے اور اس رائے کو اہمیت نہ دے جو اس نے کتاب وسنت کا جائزہ لیے بغیر خود قائم کی ہو۔

طاشِ کبری زادہ کا درایتِ اجتہادی پر نظریہ:

طاشِ کبری زادہ (م ۹۶۸ھ) درایتِ اجتہادی کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"هو علم باحث عن المعنى المفهوم من الفاظ الحديث ومن المراد منها مبينا على قواعد العربية وضوابط الشريعة ومطابقا

لاحوال الشیئ"۔(ابجد العلوم ص۴۳۶)

یہ ایسا علم ہے جس میں معنی ومفہوم میں غور خوض کیا جاتا ہے جو الفاظ حدیث اور مراد حدیث سے سمجھ آرہا ہو جس کی بنیاد قواعد عربیہ، ضوابطِ شرعیہ اور مطابقت احوال پر ہوتی ہے۔

علامہ آمدی کا درایتِ اجتہادی پر جامع قول:

علامہ آمدی (م ۶۳۱ھ) لکھتے ہیں کہ:

"العلم بالاحکام الشرعیة العلمیة المکتسبة من ادلتها التفضیلیة"۔

عبدالحمید بن محمد: لطائف الاشارات الطبعة الاخیرہ (۱۹۵۰ء) ص۸۔

چنانچہ واضح ہوا کہ فقہ میں درایت سے مراد اجتہاد واستنباط ہے جس کے ذریعہ شرعی احکام معلوم کیئے جاتے ہیں۔

یاد رہے کہ درایت کی اصطلاح کا تعلق جب محدثین کرام سے ہوگا تو اس کو درایتِ حدیثی کہیں گے اور جب اس کا تعلق فقہاء کرام کی طرف ہو تو اس کو درایتِ اجتہادی کہیں گے۔لیکن یہاں ایک باریک نکتہ ذہن نشین کرلینا ضروی ہے کہ:

جب محدثین سند ومتن پر درایتی اعتبار سے بحث کرتے ہیں تو اس سے ان کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ الفاظِ حدیث کی سند کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا ان کے اصحاب تک پہنچنا واقعاتی طور پر ثابت ہے یا کہ بعض موضوع روایات نے جھوٹ کو ان برگزیدہ ہستیوں کی طرف منسوب کردیا ہے۔محدثین کا کام تحقیق روایت ہے جبکہ مجتہدین کا کام استنباطِ روایت ہے۔گویا مجتہدین کا کام اثباتِ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد شروع ہوتا ہے جس سے ان کا مقصد موجودہ مرویات سے استنباط کرنا ہوتا ہے۔

درایتِ تاریخی

کائنات میں انسانی حیات کو لاحق ہونے والے حوادث و وقائع کا محض شہرت کی بناء پر تسلسل و تواتر کے ساتھ نسل در نسل منتقل ہونا تاریخ کہلاتا ہے۔ تاریخ دراصل ان آثار و نقش کی ایک زبانی سند اور دستاویز کا نام ہے جس کو بعد میں آنے والے بعض افراد نے آئندہ نسلوں تک منتقل کرنے کے لیے تدوین کی صورت میں ایک جگہ جمع کر دیا اور اس بات کا قطعاً خیال نہ کیا کہ یہ دستاویز حقائق کے کتنے قریب ہیں اور ان کی سند کہاں تک صحیح ہے، جن کے بارے کچھ سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ:

۱۔ ان واقعات کی روایتی اور اسنادی حیثیت کیا ہے؟

۲۔ مزید برآں واقعہ کا منسوب الیہ تک تعلق کس حد تک درست اور کس حد تک غلط ہے؟

۳۔ کیا یہ روئیداد اس دور کے خصائص کے ساتھ میل بھی کھاتی ہے یا نہیں؟

۴۔ طبیعتِ انسانی پر یہ روایات کس حد تک گراں گزرتی ہیں؟

۵۔ عقلی قرائن اور دلائل کے ساتھ ان کو کیا نسبت ہے؟

اس پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ تاریخِ انسانی کے اکثر و بیشتر واقعات ہوائی اور افواہ کے قبیل سے ہوتے ہیں جنہیں سامعین کی سماعت قوتِ گویائی دیتی ہے اور وہ اپنے نطق و زبان سے ان واقعات کو بیان کر کے دوسروں کے کانوں میں رس گھولتے ہیں۔

لیکن اسلامی تاریخ کا اسلوب اس قدر سے مختلف ہے کیونکہ اس تاریخ کے ابتدائی ایامِ حیاتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حیاتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تعلق رکھتے ہیں۔

ان کی جانچ کا ذریعہ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے۔

اور یہ بات ممکن نہیں ہے کہ اسلامی قلم کی رو میں کوئی انتہائی واقعہ رونما ہوا ہو مؤرخین

اسے بیان کر دیں لیکن محدثین نے اس کی طرف چنداں التفات نہ کی ہو۔ ہاں بعد کے زمانوں میں مدون کی جانے والی تاریخی روایات کے پرکھنے کا معیار عقلی قرائن، فطری طبائع اور عصری خصائص ہو سکتے ہیں جن کی بنیاد پر تاریخی روایات و واقعات کو قبول یا رد کیا جا سکتا ہے اسی کا نام درایتِ تاریخی ہے۔

علامہ شبلی نعمانی کا درایۃ تاریخی پر قول:

علامہ شبلی نعمانی (م ۱۳۳۲ھ) اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ:

درایت سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی واقعہ بیان کیا جائے تو اس پر غور کیا جائے کہ وہ طبیعت انسانی کے اقتضاء دور کی خصوصیتیں، منسوب الیہ کے حالات اور دیگر قرائن عقلی کے ساتھ کیا نسبت رکھتا ہے۔ اگر اس معیار پر پورا نہیں اترتا تو اس کی صحت بھی مشتبہ ہوگی۔ اس قسم کے قواعد حدیث کی تحقیق و تنقید میں بھی استعمال کیئے جاتے ہیں اور انہیں کا نام اصولِ درایت ہے۔ (سیرۃ النعمان ص ۱۹۰)

درایت کا یہ معیار کسی تاریخی واقعہ کو پرکھنے کے لیے تو مفید ہے کیونکہ تاریخ افواہوں اور مشہور واقعات ہی سے جنم لیتی ہے۔ اور اسناد کی کلی تحقیق موجود نہ ہونے کی صورت میں تاریخ کو پرکھنے کے یہی ذرائع ہمارے پاس ہیں لیکن حدیث کی صحت و ضعف کے لیے یہ اصول کافی نہیں۔

اگرچہ مسلمانوں نے اسلامی تاریخ (سیرت) کو بھی انہی اصولوں پر پرکھنے کی کوشش کی ہے لیکن اس کے باوجود سیرت کی معتبر ترین کتاب سیرت ابن اسحٰق کا مؤلف جرح و تعدیل کے اعتبار سے مدلس ہے تو باقی سیرت کی کتابوں کے درجہ کا خود اندازہ کر لی جیئے۔ اس کے بالمقام سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور احکاماتِ شریعت کو محفوظ کرنا بھی تاریخ ہی کی ایک قسم ہے لیکن اس میں جس قسم کی احتیاط کی گئی ہے سیرت کی

کتب میں وہ معیار قطعی مفقود ہے کیونکہ تاریخ **رطب ویابس** کا مجموعہ اور احادیث تحقیق کا اعلیٰ ترین معیار۔۔۔

اس پر علامہ شبلی نعمانی مزید جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

اسی بناء پر مجموعی حیثیت سے سیرت کا ذخیرہ کتبِ حدیث کا ہم پلہ نہیں۔ البتہ ان میں سے تحقیق وتنقید کے معیار پر جو اتر جائے وہ حجت اور استناد کے قابل ہے۔

سیرۃ النبی ج۱، ص۴۶

سیرت کی کتابوں کی کم پائیگی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تحقیق اور تنقید کی ضرورت احادیثِ احکام کے ساتھ مخصوص کردی گئی ہے یعنی وہ روایتیں تنقید کی زیادہ محتاج ہیں جن سے شرعی احکام ثابت ہوتے ہیں باقی جو روایتیں سیرت وغیرہ سے متعلق ہیں ان میں احتیاط کی ضرورت ہی نہیں سمجھی جاتی حالانکہ اس کی اشد ضرورت ہے جس کی وجہ سے بہت سارے غلط مسائل جنم لیتے ہیں اور اِس بے احتیاطی کی وجہ سے بہت سارے مسائل جنم لے چکے ہیں جن کا مقابلہ کرنا مشکل سے مشکل تر ہوتا جارہا ہے۔

جبکہ علامہ شبلی نعمانی کی بیان کردہ اس تاریخی درایت کی تعریف سے یہ بات آپ سے آپ ثابت ہوجاتی ہے کہ ہمارے ہاں جس درایت کو تحقیق حدیث میں عقلی مدار باور کروایا جارہا ہے اس کا تعلق سراسر تاریخی واقعات سے ہے نہ کہ حدیثی روایات سے۔

جن لوگوں نے تاریخ کے اس درایتی معیار کو حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا درایتی معیار قرار دیا ہے وہ علمی اعتبار سے سخت قسم کے اختلاط اور مغالطہ کا شکار ہیں۔

واضح رہے کہ مغالطہ یا اختلاط علم کی بیماری کا نام ہے جس کا علاج مختلف علوم میں استعمال ہونے والی اصطلاحات کے نکھار میں ہے۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ سند سے قطع نظر نقدِ متن برائے متن صرف ان متوّن کی مجبوری ہے جن میں اسماء الرجال اور اسانید کا اہتمام نہ کیا گیا ہو۔ ورنہ نقدِ خبر کا اصل معیار یہی ہے کہ خبر لانے والے کی تحقیق کی جائے،

جس سے از خود خبر کی صداقت و کذب معلوم ہو جائے گا۔اور تاریخی مرویات کی چونکہ سند نہیں ہوتی اسی لیے تحقیق واقعہ کا اسلوب یہاں اسنادی کی بجائے محض عقلی ہے۔

علمِ حدیث درایۃ کا موضوع:

علمِ حدیث درایۃ کا موضوع راوی اور مروی عنہ ہیں۔

اقسامِ حدیث باعتبارِ صحت وضعف

صحت وضعف کے لحاظ سے حدیث کی دو قسمیں ہیں۔ مقبول ، غیر مقبول

مقبول: مقبول سے مراد وہ احادیث ہیں جن میں صدق کا پہلو راجح اور غالب ہو۔

حدیثِ مقبول کا حکم:

اس کا حکم یہ ہے کہ یہ شریعت میں حجت ہیں اور ان پر عمل واجب ہے۔

غیر مقبول: غیر مقبول سے مراد وہ روایات ہیں جن میں صدق کا پہلو غالب نہ ہو۔

حدیثِ غیر مقبول کا حکم:

اس کا حکم یہ ہے کہ یہ حجت نہیں ہوتیں اور نہ ہی ان پر عمل واجب ہوتا۔

اب چونکہ ہمارا موضوع یہی غیر مقبول (موضوع) یعنی مردود روایت کے متعلق ہے اس لیے آئندہ سطور میں اسی کے متعلق بالاختصار ذکر کیا جائے گا۔

ضعیف حدیث کی تعریف

لغوی اعتبار سے لفظِ ضعیف قوی اور طاقتور کے بالمقابل استعمال ہوتا ہے جو حسی اور معنوی دونوں کیفیتوں کو شامل ہوتا ہے لیکن یہاں صرف معنوی ضعف ہی مراد ہے اصطلاحی طور پر ضعیف حدیث کی تعریف اہلِ علم نے ان الفاظ میں کی ہے کہ:

"كل حديث لم يجتمع فيه صفات الحديث الصحيح ولا صفات الحديث الحسن"۔

ہر وہ حدیث جس میں نہ تو صحیح حدیث کی صفات موجود ہوں اور نہ ہی حسن حدیث کی صفات موجود ہوں۔

تدریب الراوی للسیوطی ج۱، ص۱۷۹۔ شرح مسلم للنووی ج۱، ص۱۹۔ مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص۱۹۹۔ قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث ص۱۰۸

صحیح حدیث کی صفات یہ ہیں کہ جس کے تمام راوی عادل وضابط ہوں اور وہ اپنے ہی جیسے عادل وضابط راویوں سے نقل کریں اور یہ کیفیت سند کے شروع سے آخر تک قائم رہے نیز اس میں کوئی شذوذ یا مخفی علت بھی نہ ہو۔

حسن حدیث کی صفات یہ ہیں کہ ایسی حدیث کہ جس کے راوی عادل مگر حافظے کے اعتبار سے صحیح حدیث کے راویوں سے کچھ کم درجے کے ہوں اور سند آخر تک متصل ہو اور وہ شاذ یا معلول بھی نہ ہو۔

صحیح حدیث کی ایک قسم صحیح لغیرہٖ ہے جو درحقیقت مذکورہ حسن حدیث ہی ہوتی ہے مگر وہ مزید اس جیسی یا اس سے قوی تر اسانید کے ذریعے بھی منقول ہوتی ہے۔

اسی طرح حسن حدیث کی ایک قسم حسن لغیرہٖ بھی ہے جو اصل میں ضعیف روایت ہی ہوتی ہے مگر ایک تو وہ کئی سندوں سے ثابت ہوتی ہے اور دوسرے یہ کہ اس کے ضعف

کا باعث راوی کا فسق یا کذب نہیں ہوتا۔

مختصر لفظوں میں حسن لغیرہٖ وہ ضعیف حدیث ہے جو مزید ایک یا زیادہ سندوں سے ثابت ہو اور یہ دوسری سند بھی اسی جیسی یا اس سے قوی تر ہو۔

نیز اس حدیث کے ضعف کا سبب اس کے راوی کے حفظ کی خرابی یا سند میں انقطاع یا اس کے راویوں کی جہالت سے متعلق ہو۔

مذکورہ بالا صحیح اور حسن حدیث کے متعلق کچھ تفصیل نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قارئین کے سامنے یہ بات واضح ہو جائے کہ کون کون سی صفات و شرائط موجود ہوں تو حدیث صحیح یا حسن درجہ ہوتی ہے۔۔۔

اور کون سی صفات موجود نہ ہوں تو حدیث ضعیف و مردود ہوتی ہے۔۔۔

ضعیف حدیث کی اقسام

ضعیف حدیث کو اہلِ علم نے صحیح حدیث کی مختلف شرائط مفقود ہونے کے اعتبار سے مختلف انواع و اقسام میں تقسیم کیا ہے جن کا اجمالاً ذکر حسب ذیل ہے:

★۔ اگر سند متصل نہ ہو تو ضعیف حدیث کو چار انواع میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

۱۔ معلق: وہ حدیث جس کی سند کی ابتداء سے ایک یا زیادہ راوی اکٹھے ہی حذف کر دیئے گئے ہوں۔

۲۔ مرسل: وہ حدیث جس کی سند کے آخر سے تابعی کے بعد والا راوی ساقط ہو۔

۳۔ معضل: ضعیف حدیث کی وہ قسم جس کی سند کے درمیان سے اکٹھے دو یا دو سے زیادہ راویوں کو چھوڑ دیا جائے۔

۴۔ منقطع: وہ حدیث جس کی سند کسی بھی وجہ سے متصل نہ ہو۔

۵۔ مدلس: وہ حدیث جس میں کسی راوی نے سند کے عیب کو چھپا کر اس کی تحسین کو ظاہر کیا ہو۔

★۔ اگر راوی عادل نہ ہوں تو ضعیف حدیث کو تین انواع میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

۱۔ موضوع: وہ جھوٹی من گھڑت اور خود ساختہ بات جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کیا گیا ہو۔

۲۔ متروک: وہ حدیث جس کے کسی راوی پر جھوٹ کی تہمت کا طعن ہو۔

۳۔ منکر: وہ حدیث جس کے کسی راوی میں فاش اغلاط یا انتہائی غفلت یا فسق کا ظہور رہو۔

★۔ اگر راوی کا حافظہ صحیح نہ ہو تو ضعیف حدیث کو چار انواع میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

۱۔ مدرج: وہ حدیث جس کی سند کا سیاق بدل دیا گیا ہو یا بغیر کسی وضاحت کے اس کے متن میں کوئی اضافی بات داخل کر دی گئی ہو۔

۲۔ مقلوب: وہ حدیث جس کی سند یا متن کے ایک لفظ کو دوسرے لفظ کے ساتھ بدل دیا گیا ہو یا ان میں تقدیم و تاخیر کر دی گئی ہو۔

۳۔ مضطرب: وہ حدیث مختلف اسالیب و اسانید سے مروی ہو جبکہ وہ قوت میں بھی مساوی ہوں۔

۴۔ مصحف: وہ حدیث جس میں ثقہ راویوں کے بیان کردہ الفاظ کے برعکس ایسے الفاظ بیان کیے گئے ہوں جو لفظی یا معنوی طور پر مختلف ہوں۔

★۔ اگر کوئی ثقہ راوی اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت کرے تو ضعیف حدیث کی ایک ہی قسم بنائی جاتی ہے:

ا۔ شاذ: وہ حدیث ہے جسے کوئی مقبول راوی اپنے سے زیادہ افضل و اولیٰ راوی کی مخالفت میں بیان کرے۔

★۔ اگر حدیث میں کوئی خفیہ علت موجود ہو تو بھی ضعیف حدیث کی ایک ہی قسم بنائی جاتی ہے۔

ا۔ معلَّل: وہ حدیث جس میں کوئی ایسی مخفی علت پائی جائے جو اس کے صحیح ہونے پر اثر انداز ہوتی ہو جبکہ ظاہری طور پر وہ صحیح سالم معلوم ہوتی ہو۔

۞ ۞ ۞ ۞ ۞

ضعیف حدیث کی سب سے قبیح قسم

ضعیف حدیث کی اقسام میں سے سب سے بری اور قبیح قسم "موضوع" ہے۔

موضوع حدیث کی تعریف:

★۔ ضعیف حدیث کی وہ قسم ہے جس کی سند میں کوئی ایسا راوی ہو جس سے وضع فی الحدیث ثابت ہو (یعنی من گھڑت خبر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف منسوب کرے)۔

موضوع حدیث کا حکم:

★۔ موضوع حقیقت میں حدیث ہی نہیں ،علماء امت کا اتفاق ہے کہ موضوع حدیث بالکل مردود وغیر مقبول ہے۔

بعض اہلِ علم نے تو اسے ایک مستقل قسم قرار دیا ہے اور اسے ضعیف حدیث کی اقسام میں شمار ہی نہیں کیا۔اہل علم کا اتفاق ہے کہ جان بوجھ کر موضوع روایت کو اس کی حقیقت ذکر کیے بغیر ہی بیان کر دینا حرام ہے کیونکہ ایک صحیح حدیث میں حضور نبی اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان موجود ہے کہ:

"من كذب على متعمدا فليتبوأ مقعده من النار"۔

بخاری شریف کتاب العلم باب اثم من كذب على النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مسلم شریف مقدمہ باب تغليظ الكذب على رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم مسند امام احمد بن حنبل رقم حدیث ۱۸۷۸۴ ابن ابی شیبا ج۸ ص ۱۷۶۲۔بنِ حبان

جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانا دوزخ بنالے۔

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان بھی موجود ہے کہ:

"من حدث عنی بحديث يرى انه كذب فهو احد الكاذبين"

مسلم شریف مقدمہ باب وجوب الروایۃ عن الثقات وترک الکذابین والتحذیر من الکذب علی رسول اللہ ﷺ۔ ترمذی شریف کتاب العلم باب ماجاء فیمن روی حدیثا وھویری انہ کذب۔ ابنِ ماجہ مقدمہ باب من حدث عن رسول اللہ ﷺ

حدیثا وھویری انہ کذب۔ احمد بن حنبل ۲۰۲۴۲۔ ابنِ حبان ۲۹۔ ابنِ ابی شیبہ ج۸ص۵۹۵

ترجمہ: جس نے مجھ سے کوئی حدیث بیان کی اور وہ جانتا بھی ہے کہ یہ جھوٹ ہے تو وہ جھوٹوں میں سے ایک ہے۔

ایک اور حدیث میں یہ لفظ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"لا تکذبوا علی فانہ من یکذب علی یلج النار"۔

مسلم شریف ج۱ مقدمہ باب تغلیظ الکذب علی رسول اللہ ﷺ۔ بخاری شریف کتاب العلم باب اثم من کذب علی النبی ﷺ۔ ترمذی شریف ۲۶۶۰ کتاب العلم باب ماجاء فی تعظیم الکذب علی رسول اللہ ﷺ۔ ابنِ ماجہ ۳۱ مقدمہ باب التغلیظ علی رسول اللہ ﷺ۔ ابو یعلی ۶۱۳

مجھ پر جھوٹ نہ باندھو کیونکہ جو مجھ پر جھوٹ باندھتا ہے وہ آگ میں داخل ہوگا۔

اِن تمام تر حقائق کو مدِّ نظر رکھ کر یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جھوٹی بات کو منسوب کرنا جاہلیت ہے اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے شیخین کی طرف کسی بات کو منسوب کر دینا جس کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو وہ بھی جاہلیت ہے۔ اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ شیخین کی شان میں کسی طرح سے بھی گستاخی اکابرین اہلِ سنت کے نزدیک ایمان کے خاتمہ کا سبب ہے۔

احادیث گھڑنے کے اسباب

جن اسباب ووجوہ کی بنا پر احادیث گھڑی گئیں ان میں سے چند ایک کا بالاختصار ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔

تقرب الی اللہ کی نیت:

احادیث گھڑنے والا اپنی دانست میں لوگوں کو نیکی اور خیر کی ترغیب دینے کا حریص ہوتا ہے، یا انہیں منکرات سے روکنا چاہتا ہے اور کچھ باتیں بنا کر احادیث کی صورت میں بیان کرتا ہے۔ایسے لوگ بالعموم بظاہر زاہد اور صوفی نظر آتے ہیں جبکہ یہ سب سے بدترین (احادیث گھڑنے والے) لوگ ہوتے ہیں۔کیونکہ لوگ ان کے ظاہری زہد وتقویٰ کے باعث ان کی باتوں کو بہت جلد قبول کر لیتے ہیں۔

اپنے مذہب کی تائید وتقویت:

سیاسی ومذہبی فرقوں کے ظہور کے بعد مثلاً خوارج ونواصب وغیرہ ہر گروہ کے لوگوں نے اپنے مذہب کی تائید وتقویت کے لیے احادیث وضع کیں۔

دین اسلام پر عیب لگانا:

زندیق لوگ جب اسلام میں کسی اور طرح علی الاعلان رخنہ اندازی سے عاجز رہے تو خفیہ طور پر انہوں نے یہ راہ اپنالی اور پھر بہت ہی مکروہ اور ناپسندیدہ باتیں احادیث وروایات کی شکل میں لوگوں کے اندر پھیلا دیں پھر ان ہی کی بنیاد پر اسلام کو بدنام کرنے لگے۔مثلاً محمد بن سعید شامی ایک معروف زندیق تھا۔اس کے ان مکروہ افعال کی بنا پر ہی اسے سولی پر لٹکایا گیا اور پھر وہ المصلوب کہلایا۔

حکام وقت سے قریب ہونا:

بعض کمزور ایمان والے لوگ حکام وقت کی خواہشات کی مناسبت سے کچھ روایات اپنی طرف سے بنا کر سامنے بیان کرتے ہیں اور انہیں خوش کر کے ان کے ہاں اپنا مرتبہ بڑھانے کی کوشش کرتے تھے جیسا کہ غیاث بن ابراہیم نخعی کوفی۔

روایات کے بیان کو وسیلۂ رزق بنالینا:

بعض نام نہاد واعظ اور قصہ گو لوگ عوام میں بے سر و پا روایات بیان کرتے جن میں عجیب سا تجسس ہوتا اور اس طرح وہ چاہتے کہ لوگ ان کی محفلوں میں بیٹھیں اور نذرانے پیش کرتے رہیں۔ ابوسعید المدائنی کا نام بھی اسی صف میں شامل ہے۔ جیسا کہ دورِ حاضر میں بعض مخصوص ٹولے کا ذریعہ معاش بن چکا ہے۔

شہرتِ طلبی:

بعض لوگ ایسی ایسی عجیب وغریب روایات بیان کرتے ہیں کہ یہ کسی اور کے پاس نہیں ہیں یا وہ سندیں تبدیل کر دیتے تا کہ لوگ ان کی طرف راغب اور مائل ہوں اور انہیں شہرت ملے ان کا نام ہر ایک کی زبان پر جاری ہو۔

ضعیف (موضوع) روایات کو ذکر کرنے کا حکم

ضعیف حدیث کو اس انداز میں بیان کیا جاسکتا ہے کہ اس کے ضعف کو بھی ساتھ ہی بیان کر دیا جائے تاکہ سامعین یا قارئین کو علم ہو جائے کہ یہ بات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب تو کی گئی ہے مگر ثابت نہیں۔

اور ضعیف احادیث کی ایک قسم موضوع بھی ہے جس کو اگر بغیر بیان کیے ہی آگے نقل کر دیا گیا تو یقینا ایک طرف یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر افترا ہو گا اور دوسری طرف لوگوں کو گمراہ کرنے کا ذریعہ ہو گا جو کہ قطعاً جائز نہیں جیسا کہ گزشتہ عنوانات میں ذکر کیا گیا ہے۔

واضح رہے کہ موضوع روایات کو آگے بیان کرنے والا دو حالتوں سے خالی نہیں ہو گا۔

یا تو اسے حدیث کے موضوع ہونے کا علم ہے۔

یا تو اسے حدیث کو موضوع ہونے کا علم نہیں ہے۔

اگر اسے حدیث کے موضوع ہونے کا علم تھا اور اس نے پھر بھی اسے اس کا موضوع ہونا واضح کیے بغیر آگے بیان کر دیا تو لازماً اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیان کردہ یہ وعید صادق آئے گی کہ:

> جس نے مجھ سے کوئی حدیث بیان کی اور وہ جانتا بھی ہے کہ یہ جھوٹ ہے تو وہ خود جھوٹوں میں سے ایک ہے۔

ترمذی شریف رقم الحدیث ۲۶۶۲

اور اگر اسے حدیث کے موضوع ہونے کا علم ہی نہیں تھا تو پھر بھی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کی وجہ سے گنہگار ضرور ہو گا کہ:

"کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع"۔

مسلم شریف، مقدمہ ۔ ابوداؤد کتاب الادب باب فی التشدید فی الکذب ۔ ابن ابی شیبہ ج۸،ص۱۵۹۵ ۔ ابنِ حبان ۔ مستدرک للحاکم ج۱ص۳۸۱

آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ جو سنے اسے آگے بیان کر دے۔

اس حدیث پر امام مسلم نے ایک مکمل عنوان قائم کیا ہے کہ:

"باب النھی عن الحدیث بکل ماسمع ہر وہ بات جسے انسان سنے (بلاتحقیق) اسے آگے بیان کرنا منع ہے۔

ثابت ہوا کہ جو شخص کسی حدیث کی حالت کا علم نہ رکھتا ہو اسے چاہیے کہ بلاتحقیق اسے آگے بیان نہ کرے۔ نیز جب عام معاملات کے لیے شریعت میں تحقیق کا حکم دیا گیا ہے اور عدالت و دیانت کا اعتبار کیا گیا ہے تو ایسے اہم معاملے (جس سے حضور نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گھرانے کی توہین ہوتی ہو) میں تحقیق کی اشد ضرورت ہے۔ بغیر تحقیق کے ایسے معاملے کی خبر پھیلا دینا ظلم و جبر ہے۔

ضعیف حدیث پر عمل کا حکم

ضعیف حدیث پر عمل کے سلسلے میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے۔ جمہور اہلِ علم کی رائے یہ ہے کہ فضائل اعمال میں ان پر عمل مستحب ہے مگر اس کے لیے تین شرطیں ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے:

۱۔ اس کا ضعف شدید نہ ہو۔

۲۔ وہ حدیث کسی معمول بہ اور ثابت شدہ اصل کے ضمن میں آتی ہو۔

۳۔ عمل کرتے ہوئے اس کے سنت ہونے کا اعتقاد نہ رکھا جائے بلکہ احتیاط کی نیت سے عمل کیا جائے۔

تاہم امت کے کبار محققین علماء و محدثین کا موقف یہی ہے کہ موضوع از قسم ضعیف پر نہ تو احکام میں عمل جائز ہے اور نہ ہی فضائل میں۔ ان اہلِ علم میں امام یحییٰ بن معین، امام بخاری، امام مسلم، امام ابن العربی، ابن حزم، ابو شمامہ مقدسی علامہ شوکانی، خطیب بغدادی قابل ذکر ہیں۔ جبکہ اگر اِس کا ضعف شدید نہ ہو تو فضائل میں عمل کرنا جائز ہے۔

موضوع احادیث کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تنبیہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"یکون فی آخرالزمان دجّالون کذّابون یأتونکم من الاحادیث بمالم تسمعواانتم ولاآبائکم ، فایاکم وایاھم لا یضلونکم ولایفتنونکم"۔

مسلم باب النھی عن الروایۃ عن الضعفاء والاحتیاط فی تحملھا۔ طحطاوی فی مشکل الآثار ۲۹۵۴

ترجمہ: آخری زمانہ میں دجال اورکذاب ہوں گے وہ تمہارے سامنے ایسی ایسی احادیث پیش کریں گے جو نہ کبھی تم نے سنی ہوں گی اور نہ ہی تمہارے آباؤاجداد نے۔ لہٰذا اپنے آپ کو ان سے بچائے رکھنا (کہیں ایسا نہ ہو کہ) وہ تمہیں گمراہ کر دیں اور فتنے میں ڈال دیں۔

دورِ حاضر میں ایسے دجال اور کذاب تیزی سے بڑھتے چلے جارہے ہیں جبکہ امت کے بیشتر لوگ ان کے چنگل میں پھنس چکے ہیں اور اپنے آپ کو کامل مسلمان سمجھتے ہیں۔ اللہ کی پناہ ایسے لوگوں کے شر سے ہمیں محفوظ فرمائے۔

ضعیف حدیث کے افراد کی روایات کا حکم

جب حدیث کی سند میں کوئی طعن یا جرح پائی جائے تو وہ حدیث باعتبارِ سند مطعون اور مجروح ہو جاتی ہے۔ سطورِ سابقہ میں اس کی چند اقسام بیان کی گئی ہیں۔۔۔

مثلاً مضطرب۔۔۔۔منقطع۔۔۔۔معلول،۔۔۔۔منکر،۔۔۔۔متروک،۔۔۔۔مبہم وغیرہ طعن کی یہ تمام اقسام حدیثِ ضعیف میں داخل ہیں۔

البتہ ان کے مراتب میں فرق ہوتا ہے اور حدیثِ متروک یعنی جس کا راوی متہم بالکذب ہو باقی تمام اقسام کی بہ نسبت زیادہ ضعف کی حامل ہوتی ہے۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ:

ایک حدیث کی سند میں متعدد وجوہِ طعن ہوں مثلاً وہ حدیث معلول بھی ہو، منکر بھی ہو اور متروک بھی ہو لیکن وجوہِ طعن کے جمع ہونے کے باوجود وہ حدیث ضعیف ہی رہے گی۔ البتہ جس قدر وجوہِ طعن زیادہ ہوں گے اس کا ضعف اتنا ہی بڑھتا جائے گا۔

بتلانا یہ مقصود ہے کہ:

سند میں طعن اور جرح کی زیادتی اس کے وضع اور بطلان کو مستلزم نہیں ہوتی۔

حدیث کو صرف اس وقت موضوع قرار دیا جائے گا جب اس کی سند میں کوئی وضاع راوی آجائے۔

طعنِ راوی کے اسباب

طعنِ راوی کا مفہوم:

طعن راوی سے مراد روای کے عیب ہیں۔

مختصراً کسی راوی پر طعن دس وجوہات سے کیا جاتا ہے جن میں سے پانچ کا تعلق عدالت سے اور پانچ کا تعلق ضبط سے ہوتا ہے۔

۱۔ راوی کے بارے میں جھوٹا ہونے کا طعن ہو، ایسی حدیث کو موضوع کہتے ہیں۔

۲۔ راوی پر عمداً جھوٹی روایت کرنے کی تہمت ہو، ایسی حدیث متروک کہلاتی ہے۔

۳۔ راوی روایت کرنے میں فحش غلطی کرتا ہو، ایسی حدیث کو بھی منکر کہتے ہیں۔

۴۔ راوی سے بکثرت غفلت ونسیان صادر ہوتا ہو تو اس حدیث کو بھی منکر کہتے ہیں۔

۵۔ راوی سے قولاً یا فعلاً فسق ثابت ہوتا ہو تو اس حدیث کو بھی منکر کہتے ہیں۔

۶۔ راوی ثقہ لوگوں کی مخالفت کرتا ہو تو اس حدیث کو بعض صورتوں میں مدرج اور بعض میں مضطرب اور بعض میں مصحف کہتے ہیں۔

۷۔ راوی کا عادل ہونا مجہول ہو یعنی اس کے عدل اور جرح کی پہچان نہ ہو تو ایسی حدیث کو مبہم کہتے ہیں۔

۸۔ راوی کا حافظہ خراب ہو۔

۹۔ راوی بدعتی ہو۔

۱۰۔ راوی بطورِ وہم روایت کرے اس حدیث کو معلّل کہتے ہیں۔

سند اور متن کی تعریف و احکام کا فرق

سند کی تعریف:

حدیث کے راویوں کے سلسلے کو سند کہا جاتا ہے۔

متن کی تعریف:

جہاں سے سند ختم ہو جائے اُس کے اگلے حصہ کو متن کہا جاتا ہے۔

سند اور متن میں احکام کا فرق:

راوی کی مجروحیت اور وجوہِ طعن کا تعلق سند سے ہوتا ہے ۔متن حدیث کا حکم دوسرے قرائن کے اعتبار سے کیا جاتا ہے یہ ممکن ہے کہ کسی صحیح حدیث کو ایک وضاع راوی بیان کرے ۔پس اس سند کے اعتبار سے تو اس حدیث کو موضوع کہا جائے گا۔

لیکن فی نفسہٖ وہ حدیث موضوع نہیں کہلائے گی البتہ جب کسی حدیث کی سند میں کوئی وضاع راوی ہو اور اس حدیث کا متن کسی طریقہ سے ثابت نہ ہو تو وہ حدیث مطلقاً موضوع کہلائے گی۔

اس کی مثال یہ ہے کہ علامہ شمس الدین ذہبی"**میزان الاعتدال**" میں بیان فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے عن ابراھیم بن موسیٰ المروزی عن مالک عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما (حدیث) "طلب العلم فریضۃ" کو موضوع فرمایا ہے علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس سند کے اعتبار سے موضوع ہے ورنہ نفسِ حدیث دیگر طرقِ ضعیفہ سے ثابت ہے۔

اسی طرح تمہید میں حافظ ابن البر نے حدیث"الصلوٰۃ بسواک خیر من سبعین صلوٰۃ" کو باطل کہا ہے لیکن علامہ سخاوی فرماتے ہیں کہ:

یہ حکم بھی اس خاص سند کے اعتبار سے ہے۔

اسی طرح حدیثِ ضعیف میں بھی ضعیف کا حکم باعتبارِ سند ہوتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی صحیح حدیث کو ایک ضعیف راوی بیان کرے اسی سند کے اعتبار سے وہ حدیث ضعیف کہلائے گی لیکن متن حدیث کا یہ حکم نہیں ہوگا۔

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ:

ان روایات الروی الضعیف یکون فی الصحیح ، والضعیف والباطل فیکتبونہا ثم یمیز اھل الحفظ والاتقان بعض ذلك من بعض وذلك سھل علیھم معروف عندھم وبھٰذا احتج السفیان الثوری حین نھی عن الروایة عن الکلبی فقیل لهٗ انت تروی عنه فقال "انا اعرف صدقة من کذبه"۔

(شرح صحیح مسلم للنووی ج ا ص ۲۱ مطبوعہ کراچی)

ضعیف راوی کی روایات میں صحیح ،ضعیف اور باطل ہر قسم کی احادیث موجود ہیں۔ محدثین ان تمام روایات کو لکھ لیتے ہیں پھر اہل علم اُن کو تمیز دیتے ہیں۔اور یہ اُن کے لیے آسان ہے اسی دلیل سے سفیان ثوری نے اس وقت استدلال کیا ہے جب ان سے کلبی کی روایات قبول کرنے پر اعتراض کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ میں اس کے صدق وکذب میں تمیز کر لیتا ہوں۔

وغیر ذلك فلا یعمل فیھا الا بالحدیث الصحیح والحسن الا ان یکون فی احتیاط شئ کما اذا ورد حدیث ضعیف بکراھیة بعض البیوع اوالانکحة۔(شرح صحیح مسلم للنووی ج ا ص ۲۱)

اور طلاق وغیرہ میں حدیث صحیح یا حسن کے سوا اور کسی پر عمل درست نہیں الا یہ کہ اس میں احتیاط ہو۔مثلاً بیع یا نکاح کی کراہت میں کوئی حدیث ضعیف وارد ہو۔

حدیث موضوع کا حکم

موضوع حقیقت میں حدیث ہی نہیں ہے علماء امت کا اتفاق ہے کہ موضوع حدیث بالکل من گھڑت مردود وغیر مقبول ہے۔ نیز اس سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا اور نہ ہی موضوع کو بغیر بیان وضع کے بیان کرنا جائز ہے۔ ایک حدیث متعدد ضعیف اسناد سے بیان کی جائے تو قوی ہو جاتی ہے لیکن اگر ایک حدیث متعدد موضوع اسانید سے بیان کی جائے تو وہ پھر بھی موضوع ہی رہتی ہے کیونکہ شر کے ساتھ شر مل جائے تو وہ پھر بھی شر ہی رہتا ہے۔

ثابت ہوا کہ حدیث موضوع پر کسی بھی طریقے سے عمل کرنا جائز نہیں۔

اسنادِ حدیث کی تحقیق کے اُصول

تحقیق سند کا آغاز ابتدائے اسلام سے ہی ہو گیا تھا۔ بطورِ خاص اس امر نے اس وقت شدت اختیار کی جب خلیفہ ثانی امیر المؤمنین جناب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شہادت ہوئی اور امیر المؤمنین جناب حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے۔

خلافتِ عثمانیہ میں عبداللہ بن سبا یہودی کا ظہور ہوا جس کا فتنہ بالآخر شہادتِ حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ پر منتج ہوا۔

یہی وہ پہلا شخص ہے جس نے دین و مذہب کے نام پر جھوٹے افکار و نظریات پیش کیے اور در پردہ اسلام کو مٹانے کی تحریک چلائی، حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلے میں سب سے پہلے اسی نے جھوٹ بولا۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر (م ۸۵۲ھ) نے امام شعبی (م ۱۰۳ھ) کے حوالے سے نقل فرمایا ہے۔

اس کے بعد لوگ انتشار و افتراق کا شکار ہو گئے۔ لوگوں کی ایک جماعت مولیٰ کائنات سیدنا علی المرتضیٰ کرّم اللہ وجہہ الکریم کے ساتھ اور ایک جماعت حضرت معاویہ کے ساتھ مل گئی۔ مسلمانوں کی باہمی جنگیں ہوئیں اور اتحادِ امت ہمیشہ کے لیے پارہ پارہ ہو گیا۔ اس فتنہ کا بنیادی سبب لوگوں کے متعارض سیاسی و مذہبی افکار و نظریات میں تعصب تھا اور اِسی بنا پر حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کذب بیانی کا آغاز ہوا۔

جب اہلِ علم اور محدثین نے یہ صورتِ حال دیکھی تو حدیث بیان کرنے والے راویوں کی تحقیق و تفتیش شروع کر دی اور روایات کی اسناد کے بارے میں پوچھنا شروع کر دیا۔

اسنادِ حدیث کی تحقیق پر امام ابنِ سیرین کا قول:

امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ:

"لم یکونوا یسألون عن الاسناد فلما وقعت الفتنة قالوا: سمُّونا رجالکم ، فینظر الی اهل السنة فیؤخذ حدیثهم وینظر الی اهل البدع فلا یؤخذ حدیثهم"۔

مقدمہ صحیح مسلم ص ۸۴

وہ (وقوع فتنہ سے قبل) اسناد کے متعلق سوال نہیں کرتے تھے لیکن جب فتنہ واقع ہوگیا تو انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اپنے آدمیوں کے نام ذکر کرو۔ پھر اہل سنت کو دیکھا جاتا اور ان کی حدیث قبول کر لی جاتی اور اہلِ بدعت کو دیکھا جاتا اور ان کی حدیث قبول نہ کی جاتی۔

امام ابن سیرین (م ۱۱۰ھ) کا یہی قول امام ابن ابی حاتم علیہ الرحمہ (م ۳۲۷ھ) نے بھی نقل فرمایا ہے۔

ابنِ ابی حاتم ، عبدالرحمن بن محمد الرازی: الجرح والتعدیل ، تحقیق عبدالرحمن المعلمی ، دائرۃ المعارف العثمانیہ ، حیدر آباد ، الطبعة الاولیٰ ۱۳۷۱ھ ج ۱، ص ۲۸

امام ابن سیرین کا ہی ایک دوسرا قول امام ذہبی نے یوں نقل فرمایا ہے کہ:

"لم یکونوا یسألون عن الاسناد حتّٰی وقعت الفتنة ، فلما وقعت نظروا من کان من اهل السنّة اخذوا حدیثه ومن کان من اهل البدعة ترکوا حدیثه"۔

وہ پہلے اسناد کے متعلق سوال نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ فتنہ واقع ہوا جب فتنہ واقع ہوا تو انہوں نے دیکھنا شروع کیا کہ کون اہل سنت میں سے ہے اور کون اہل بدعت میں

سے ہے؟ پھر وہ اہل سنت کی حدیث قبول کر لیتے اور اہلِ بدعت کی حدیث چھوڑ دیتے تھے۔

ابن تیمیہ (م ۷۲۸ ھ) نے لکھا ہے کہ:

"الاسناد من خصائص هذه الامة ومن خصائص الاسلام ثم هو فى الاسلام من خصائص اهل السنة"۔

علوم الحديث ومصطلحه، فصلِ اول، علم حديث رواية ودراية

اسناد اس امت کی ایک خصوصیت ہے یہ (پہلے) اسلام کی خصوصیت ہے اور پھر اسلام میں اہلِ السنۃ کی خصوصیت ہے۔

ایک دوسرے مقام پر پھر لکھا ہے کہ:

"علم الاسناد مما خص الله به امة محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وجعله سلما الى الدراية فاهل الكتاب لا اسناد لهم"۔

لسان العرب ج ۴، ص ۴۹۴

ترجمہ: اسناد و روایت کا علم ایسی خصوصیت ہے جو اللہ نے صرف امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عنایت فرمائی ہے اسے درایت کے لیے سیڑھی بنایا ہے اور اہل کتاب کے پاس کوئی اسناد نہیں۔

اسنادِ حدیث کی تحقیق اصولوں کو ہم چار مباحث کے تحت بیان کریں گے۔

- ★۔ راوی کا کردار (عدالت)
- ★۔ راوی کی صلاحیت (ضبط)
- ★۔ اتصالِ سند
- ★۔ سند کا علت وشذوذ سے خالی ہونا

راوی کا کردار (عدالت)۔

کسی بھی حدیث کے صحیح ہونے کے لیے محدثین کی مقرر کردہ اساسی شرائط میں سے ایک عدالت اور دوسری ضبط ہے۔ متقدم محدثین نے ان شرائط کی طرف اشارہ تو کیا تھا مگر ان کے نام متعین نہیں کیئے تھے جیسا کہ:

امام شعبہ بن حجاج (م ۱۶۰ھ) سے جب دریافت کیا گیا کہ کس شخص کی روایت کو ترک کر دینا چاہیے تو انہوں نے فرمایا کہ:

★۔ جب کوئی معروف لوگوں سے ایسی حدیث بیان کرے جسے لوگ نہ جانتے ہوں تو اس کی حدیث کو ترک کر دیا جائے۔

★۔ جس پر حدیث کے بارے میں کوئی تہمت لگی ہو اس کی حدیث ترک کر دی جائے۔

★۔ جب کوئی بکثرت غلطیاں کرے تو اس کی حدیث ترک کر دی جائے۔

★۔ جب کوئی ایسی حدیث روایت کرے جس کے غلط ہونے پر اتفاق ہو تو اس کی روایت ترک کر دی جائے۔

ان کے علاوہ جو لوگ ہوں ان کی روایت قبول کر لینی چاہیے۔

قاموس المحیط مادہ۔فا

امام ابن مہدی (م ۱۹۸ھ) نے لکھا ہے کہ تین آدمیوں سے حدیث نہ لی جائے:

★۔ جس پر جھوٹ کی تہمت ہو۔

★۔ ایسا بدعتی جو اپنی بدعت کی طرف دعوت دے۔

★۔ ایسا شخص جس پر وہم اور غلطی غالب ہو۔

درایتِ تفسیری از عبداللہ (روپڑی) پانچواں لطیفہ بحث اول

امام ابن مبارک (م ۱۸۱ھ) نے فرمایا چار آدمیوں سے حدیث نقل نہ کی جائے:

★۔ بہت زیادہ غلطیاں کرنے والا کہ رجوع نہ کرے۔

★۔ بہت زیادہ جھوٹ بولنے والا۔

★۔ بدعتی جو اپنی بدعت کی طرف بلائے۔

★۔ ایسا شخص جو حدیث حفظ نہ کرے مگر اپنے حافظے سے حدیث بیان کرے۔

امام مالک (م ۱۷۹ھ) نے فرمایا کہ چار طرح کے آدمیوں سے علم (حدیث) حاصل کرنا جائز نہیں۔

★۔ بے وقوف، جس کی بے وقوفی ظاہر ہو خواہ وہ بہت زیادہ روایت کرنے والا ہی کیوں نہ ہو۔

★۔ جھوٹا، جو عام گفتگو میں جھوٹ بولتا ہو اگرچہ اس پر حدیثِ نبوی میں جھوٹ بولنے کا اہتمام نہ بھی ہو۔

★۔ بدعتی، جو لوگوں کو اپنی بدعت کی طرف بلائے۔

★۔ ایسا شخص جو بڑا فضل والا اور عبادت گزار ہو مگر جو حدیث بیان کر رہا ہے اسے نہ جانتا ہو۔

المحدث الفاضل ص۴۰۳، الکفایہ ص۱۱۶

عدالت کی تعریف:

اصطلاحِ محدثین میں عدالت کا مفہوم یہ ہے کہ راوی مسلمان، بالغ، عاقل ہو۔ اسبابِ فسق سے محفوظ ہو اسلامی آداب و اخلاق کا پابند ہو اور ان کے برخلاف امور سے اجتناب کرنے والا ہو۔

تیسیر مصطلح الحدیث ص ۱۳۲

خطیب بغدادی (م ۴۶۳ ھ) نے عدالت کی تعریف یوں فرمائی ہے کہ:

"من عرف بأداء فرائضه ولزوم ما امر به، وتوقی ما نهی عنه، وتجنب الفواحش المسقطة وتحری الحق والواجب فی افعاله ومعاملته والتوقی فی لفظ بما یثلم الدین والمروۃ فمن کانت هذه حاله فهو الموصوف بانه عدل فی دینه ومعروف بالصدق حدیثه"۔ (الکفایہ، ص ۱۴۳)

(عادل راوی وہ ہے) جو فرائض و اوامر کی تعمیل کرنے والا ہو، ممنوع اُمور اور فواحش سے بچنے والا ہو، اپنے افعال و معاملات میں طالبِ حق ہو اور غیر شرعی، غیر اخلاقی کاموں سے اجتناب کرنے والا ہو، جس شخص میں یہ اوصاف موجود ہوں وہ مستحق ہے کہ اسے دین میں عادل اور روایت حدیث میں صادق قرار دیا جائے۔

حافظ ابن حجر (م ۸۵۲ ھ) نے اس کی تعریف یوں کی ہے کہ:

"والمراد بالعدل من له ملکة تحمله علی ملازمة التقوی والمروئة، والمراد بالتقوی اجتناب الاعمال السیئة من شرك أو فسق أو بدعة"۔

نزهة النظر شرح نخبة الفکر، ص ۵۵

عادل شخص وہ ہے جس میں ایسی قوت موجود ہو جو اسے تقویٰ و اخلاقیات اپنانے پر

آمادہ کرے اور تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ شرک، فسق اور بدعت جیسے بُرے اعمال سے اجتناب کرنا۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ محدثین کی نظر میں عدالتِ راوی سے مراد یہ ہے کہ راوی کو دینی امور میں استقامت نامہ حاصل ہو اور وہ اسبابِ فسق اور غیر اخلاقی اُمور سے مکمل طور پر بچنے والا ہو۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ:

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عادل راوی سے کبھی بھی کوئی غلطی نہ ہوئی ہو یا اس سے کوئی معمولی گناہ بھی سرزد نہ ہوا ہو، کیونکہ یہ تو ممکن ہی نہیں۔ بلاشبہ ساری اولادِ آدم سوائے انبیاء علیہم السلام کے خطا کار ہے لیکن ان خطا کاروں میں بہترین شخص وہ ہے جو فوراً توبہ کرلے۔ لہٰذا وہ راوی عادل ہی ہوگا جس میں معمولی سی غلطیاں موجود ہوں، کبھی گناہ ہو جائے تو وہ فوراً توبہ کرلے۔ کسی گناہ پر اصرار نہ کرے اور لوگوں میں اس کی اچھی شہرت غالب ہو۔ یہ وضاحت ائمہ محدثین نے بھی فرمائی ہے۔

راوی اور گواہ کی تعدیل میں فرق:

ائمہ محدثین نے راوی اور گواہ کی تعدیل میں فرق کیا ہے ان کا کہنا ہے کہ گواہ کی تعدیل کے سلسلہ میں دو آدمیوں کی شہادت ضروری ہے جب کہ راوی کی عدالت فردِ واحد کی شہادت سے بھی ثابت ہو جاتی ہے۔

چنانچہ حافظ ابن صلاح (م ۶۴۳ھ) نے نقل کیا ہے کہ:

"والصحیح الذی اختارہ الخطیب وغیرہ انہ یثبت ذی الروایۃ بواحد، لان العدد لم یشترط فی قبول الخبر، فلم یشترط فی جرح روایہ وتعدیلہ بخلاف الشہادۃ"۔

مقدمہ ابنِ صلاح، ص۹۸، ۹۹

صحیح مذہب وہ ہے جسے خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ) وغیرہ نے اختیار کیا ہے کہ روایت میں فردِ واحد کے ساتھ بھی (عدالت) ثابت ہو جاتی ہے کیونکہ قبولِ خبر کے سلسلے میں عدد مشروط نہیں، لہٰذا راوی کی جرح و تعدیل میں یہ شرط نہیں لگائی جائے گی برخلاف شہادت کے۔

صحیح مسلم کے مقدمہ کی شرح میں امام نووی (م ۶۷۶ھ) نے روایت اور شہادت میں فرق کی وضاحت کی ہے جن میں سے کچھ فروق حسب ذیل ہیں کہ:

★۔ شہادت میں مذکور ہونا شرط ہے، یہ شرط روایت میں نہیں۔

★۔ شہادت میں آزادی شرط ہے جبکہ روایت میں یہ شرط نہیں۔

★۔ شہادت میں تعدد شرط ہے جبکہ روایت میں یہ شرط نہیں۔

★۔ شہادت میں عدمِ قرابت اور عدمِ عداوت شرط ہے، جبکہ روایت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد آپ سے روایت کرتی ہے بلکہ ہر بچہ اپنے باپ سے روایت بیان کرتا ہے۔

★۔ شہادت میں واقعہ کو آنکھوں سے دیکھنا ضروری ہے جبکہ روایت میں نابینا شخص کی بھی معتبر ہے۔وغیرہ وغیرہ

عدالت ختم کرنے والے اُمور:

محدثین نے جن اُمور کی بناء پر رواۃ کی عدالت کو مجروح اور ان کی روایت کو مردود قرار دیا ہے وہ یہ ہیں کہ:

★۔ کفر	★۔ فسق	★۔ جہالت
★۔ کذب	★۔ اتہام بالکذب	★۔ بدعت

راوی کی صلاحیت (ضبط)

ضبط کی تعریف (لغوی مفہوم):

ضبط کا لغوی معنی ہے مضبوطی سے پکڑنا، گرفتار کرنا، درست کرنا، پختہ طور پر کسی چیز کو حفظ کرنا وغیرہ وغیرہ۔

اصطلاحی مفہوم:

محدثین کرام کی اصطلاح میں ضبط یہ ہے کہ راوی حدیث کو سنے، اس کے معانی خوب سمجھے اور اسے اس طرح حفظ کرلے کہ اسے کسی قسم کا کوئی شک باقی نہ رہے اور حدیث سننے سے آگے بیان کرتے تک اس کی یہی کیفیت رہے۔ بالفاظ دیگر ضبط دو چیزوں کا نام ہے۔ قوتِ حافظہ ، غوروفکراور دقتِ نظر

یہاں "غوروفکراور دقتِ نظر" سے مراد تحمل وضبط واقعہ میں راوی کی واقعہ فہمی کی نظر مراد ہے۔ یاد رہے کہ ضابطہ راوی بہت زیادہ غلطیاں نہیں کرتا، اس کی یاداشت خراب نہیں ہوتی، وہ غفلت کا شکار نہیں ہوتا، بہت زیادہ اوہام میں مبتلا نہیں ہوتا اور نہ ہی قابل اعتماد راویوں کی مخالفت کرتا ہے۔

اب ہو رہا ہے باطل بے نقاب

حدیث کی از روئے درایت اور روایت جو بھی وضاحت ہو گی اس کو سامنے رکھنے کی کوشش کی جائے گی۔

ہر وہ حدیث اور روایت صحیح نہیں ہوا کرتی جو کہ کتابوں کے اندر آجائے بلکہ حدیث وہ صحیح ہوتی ہے جو کہ روایۃ اور درایۃ دونوں طرح سے صحیح ہو۔ اگر ان دونوں طریقوں میں صحیح نہ ہو تو اسے صحیح نہیں کہا جائے گا۔ اسی لیے محدثین نے احادیث پر تنقید کے دو طریقے مقرر کیے ہیں۔۔۔۔۔

۱۔ روایت ۲۔ درایت

ان دونوں کی تعریفات گزر چکی ہیں روایت کے طریق سے تنقید راویوں کی ثقاہت اور ضعف کی بنا پر کی جاتی ہے یعنی یہ دیکھا جاتا ہے کہ راوی کس مرتبہ کا ہے۔ وہ ثقہ ہے یا نہیں، اس کا حافظہ کیسا تھا، اس کے ہم عصروں نے اس کے متعلق کن خیالات کا اظہار کیا ہے، اس کے عقائد کیسے تھے وغیرہ وغیرہ۔

درایت کے اعتبار سے بھی احادیث پر تنقید کی جاتی ہے۔ اس کے اصول بھی محدثین نے منضبط فرما دیئے ہیں۔ درایت کے اصول بہت ہیں لیکن بڑے بڑے اصول یہ ہیں کہ:

۱۔ جو حدیث نصِّ قرآنی کے خلاف ہو وہ صحیح نہیں۔
۲۔ جو حدیث کسی حدیثِ متواتر کے خلاف ہو وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔
۳۔ جو حدیث کسی مشہور تاریخی واقعہ کے خلاف ہو وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔
۴۔ جو حدیث عقلِ سلیم کے خلاف ہو وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔
۵۔ جو حدیث مشاہدات کے خلاف ہو وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔

۶۔ جو حدیث اجماعِ قطع کے خلاف ہو وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔

۷۔ جس حدیث میں ترکِ دنیا کی تاکید کی گئی ہو کہ انسان فطرۃً اس پر عمل نہ کر سکے وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔

۸۔ حدیث کا راوی کوئی ایسا مضمون بیان کرے جو اس کے عقیدہ کی تائید کرتا ہو وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔

۹۔ جس حدیث کا راوی خود اقرار کرے کہ اس نے یہ حدیث وضع کی ہے وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔

۱۰۔ جو حدیث حسیات کے خلاف ہو وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔

۱۱۔ جس حدیث کے الفاظ میں رکاکت (کمزوری) پائی جائے جو عربی قواعد سے گری ہوئی ہو وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔

۱۲۔ جس حدیث میں معنوی رکاکت پائی جائے جو نبوت کے وقار کے خلاف ہو وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔

۱۳۔ حدیث میں کوئی ایسا واقعہ بیان کیا گیا ہو جو اگر واقع میں واقعہ ہوتا تو راوی بہت لوگ ہوتے وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔

۱۴۔ حدیث مختلف طریقوں سے مروی ہو مگر نفسِ مضمون میں یکسانیت نہ ہو اور معنوں میں مغائرت پائی جائے وہ بھی صحیح نہیں ہو سکتی۔

۱۵۔ جس حدیث میں معمولی نیکی پر بہت زیادہ ثواب یا معمولی گناہ پر غیر معمولی عذاب کا بیان ہو وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔

اس سے ظاہر ہے کہ کسی روایت اور حدیث کے صحیح ہونے کے کچھ اصول ہیں۔

باب نمبر 1

حصہ دوم

احادیث پر نقد و جرح بمع تعریفات نفسِ مسئلہ کو سمجھنے کی خاطر تحریر پیش کرنے کے بعد یہاں سے اصل مقصد کی وضاحت شروع کی جارہی ہے تاکہ معاملہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

اسی حصہ میں سیدہ امِّ کلثوم پر لگائے گئے الزامات کو بھی سامنے رکھ کر فیصلہ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے صرف قارئین سے توجہ کی درخواست ہے۔

حصہ اول میں احادیث کی مکمل چھان بین کے بعد ان اصولوں کو مدّنظر رکھ کر اگر کسی روایت کو موضوع ہونے کا کہا جائے (یعنی کوئی روایت جو اِن تمام اصولوں میں سے کسی ایک کے خلاف بھی نہ ہو اس کو اگر ضعیف یا موضوع کہا جائے) تو اس کے اِس عمل کو بے وقوفی یا جاہلیت نہیں کہا جائے گا۔

اسی طرح اگر کوئی روایت درایتاً اور روایتاً صحیح نہ ہو اور اس کو بیان بھی کیا جاتا ہو اور حجت بھی قائم کی جاتی ہو اس کو صحیح نہیں مانا جاسکتا۔

اور پھر یہ عجب ستم ظریفی ہے کہ خارجیوں نے من گھڑت روایات کا سہارا لے کر مولائے کائنات، فاتح خیبر سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی لختِ جگر سیدہؑ کائنات، سیدہ، طیبہ، طاہرہ، زاہدہ، زاکیہ، راضیہ، مرضیہ، سیدہ خاتونِ جنت اُمّ ابیہا کریمۃ الطرفین، سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی نورِ نظر مظلومہؑ کربلا، جگر پارہؑ بضعۃ المصطفیٰ، اخت راکب دوشِ مصطفیٰ، لختِ جگر شہ حیدر کرار، معصومہ، مظلومہ، سیدہ اُمّ کلثوم سلام اللہ علیہا کے نکاح کے بارے میں جس طرح انہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ:

سیدہ کا نکاح حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا ہے۔ تاہم جناب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تقریباً ۵۷ سال کی عمر میں کیا جبکہ سیدہ ابھی معصومہ، اور نابالغہ بھی تھیں۔

حیراں ہوں کہ اِن لوگوں نے کیسے موضوع روایت کا سہارا لے کر یہ نکاح ثابت کیا ہے جن روایات کا کسی طریقے سے بھی صحیح ہونا ثابت نہیں ہے۔

ان تمام تر روایات کی مکمل جرح کے بعد راقم اس نتیجے پر پہنچا ہے حقیقت کو سامنے رکھنا نہایت ضروری امر ہے کیونکہ نہ ہی سیدہؑ اُمّ کلثوم کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا ہے اور نہ ہی انہوں نے خاندانِ نبوت سے ایسی کسی خواہش کا اظہار کیا ہے۔

بلکہ یہ تمام تر روایات جن میں یہ نکاح ثابت کیا گیا ہے ان کا تعلق یا تو خارجیت سے

ہے کہ وہ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیدزادیوں کے نکاح کے بارے میں عدمِ کفو پر جواز کا فتویٰ دے کر اس خاندان کی توہین میں دن رات کوشاں ہیں اور دوسری طرف جناب حضرت عمر کی طرف ایسی روایات کو منسوب کر کے اُن کی شان میں گستاخی کے دعوے دار بنے ہوئے ہیں تاہم راقم کے نزدیک ان دونوں کو ازسرِ نو اس مسئلہ کی مکمل چھان بین کر کے اپنے ایمان کا تحفظ کر لینا چاہیے۔

اس کے متعلق جتنی بھی روایات ہیں ان پر نہ روایتاً کوئی صحیح ہونے کا فتویٰ دے سکتا ہے اور نہ ہی درایتاً کوئی صحیح ہونے کا فتویٰ دے سکتا ہے۔ نہ ہی اس راوی کے متعلق اس کی صحت کا کوئی فتویٰ دے سکتا ہے۔

ہم مکمل اس کی وضاحت بمع دلائل پیش کریں گے جبکہ احادیث کی قسمیں ان کی تعریفات، ان کے احکام اور درایت، روایت کی جو وضاحت ہے اس کو بھی تحقیق کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے تا کہ اس مسئلہ کی گہرائی کو سمجھا جا سکے۔

اہل بیت اور خلفاءِ راشدین پر کیچڑ اچھالنے والوں کو مکمل طور پر حقیقت سے آگاہی مل سکے۔

اس کے ساتھ ساتھ سیدہ اُمّ کلثوم سلام اللہ علیہا کی تاریخ پیدائش اور ان کی مختصر حالاتِ زندگی جناب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مختصر حالاتِ زندگی اور تاریخ پیدائش مع حقیقت زیرِ قلم کرنے کی سعادت حاصل کروں گا تا کہ ان کے خلاف بھڑکتی ہوئی آگ بجھ سکے۔

ہم احادیث کی وضاحت کے بعد سب سے پہلے اس کتاب میں نکاحِ امِّ کلثوم سلام اللہ علیہا کے اثبات کے دلائل پیش کریں گے اور موازنہ کریں گے حقیقت کے ساتھ ان روایات کا کیا تعلق ہے، اور پھر اس کے بعد ان روایات پر اُٹھنے والے اعتراضات کی چھان بین کرنے کی کوشش کریں گے تاہم اگر معاملہ قارئین کی سمجھ میں نہ آئے تو پھر ہم اس کی مکمل وضاحت بھی ساتھ پیش کریں گے اور جوابات کی ترتیب ہم اس

طریقہ سے رکھیں گے جس طرح مخالفین کی طرف سے دلائل پیش کیئے گئے ہیں جو کہ سراسر اہلِ بیت کے خلاف ہیں۔

ہم بھی اِس طریقے پر جوابات کا سلسلہ بڑھائیں گے جس طرح مخالفین کی طرف سے ہمیشہ سے ان انداز میں دلیلیں پیش کی جاتی رہیں جس کو چار اقسام پر منقسم کیا گیا ہے کہ:

۱۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے مولائے کائنات شیرِ خدا کرّم اللہ وجہہ الکریم سے امّ کلثوم کا رشتہ مانگا تو انہوں نے سیدہ امِّ کلثوم کا ان سے نکاح کر دیا۔

۲۔ حضرت امِّ کلثوم کے ہاں حضرت عمر کے دو بچے زید اور رقیہ پیدا ہوئے جو اِس بات کا ثبوت ہیں کہ حضرتِ امِّ کلثوم کا حضرت عمر کے ساتھ نکاح ہوا تھا۔ حضرت امِّ کلثوم اور اُن کے بیٹے زید بن عمر کی وفات ایک ہی روز ہوئی تھی اور دونوں کا جنازہ بیک وقت پڑھا گیا تھا جو اس بات کا ثبوت ہے کہ حضرت امِّ کلثوم بنتِ علی کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ہوا تھا۔

۳۔ حضرت امِّ کلثوم نے بیوہ ہونے کے بعد حضرت جعفر کے بیٹے سے نکاح کیا تھا جو اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ پہلے حضرت عمر کے نکاح میں تھیں۔

۴۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو کسی نے کہا یہ چادر اُمِّ کلثوم کو دے دیں اِس سے ثابت ہوا کہ اُمِّ کلثوم سے اُن کا نکاح ہوا تھا۔

جبکہ کچھ عجیب انداز میں اِن کو بیان کیا جاتا ہے اور اِس پر دلیلیں بھی پیش کی جاتی ہیں تا کہ باتیں بڑھتی رہیں۔

اندازِ اول اور اس کی دلیل:

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے رشتہ مانگنا اور حضرت علی کا اُن کے ساتھ حضرت امِّ کلثوم کا نکاح کر دینا بلاشبہ متعدد کتابوں میں موجود ہے۔

مگر یہ روایات اِس قدر غیر معتبر، رکیک اور خلافِ واقعہ ہیں کہ انہیں کسی بھی صورت میں قبول نہیں کیا جاسکتا۔

اس سلسلے میں جتنے بھی مصنفین ہیں انہوں نے اپنی اپنی کتابوں میں عبارتیں اور روایتیں نقل کی ہیں ذرا آنکھیں کھول کر ان کا مطالعہ کریں تاکہ:

حقیقت آپ کی نظروں میں سما سکے۔ اس پر مصنفین کچھ اس طرح لکھ کر اپنی کتابوں کے اوراق بھرتے ہیں ذرا ملاحظہ کیجئے اور دیکھئے۔۔۔

عن ابی جعفر ان عمر بن الخطاب خطب الی علی بن ابی طالب ابنته امِّ کلثوم فقال علی انما حبست بناتی علی بنی جعفر فقال عمر انکحنیها یاعلی فواللہ ماعلی ظهر الارض رجل یرصد من حسن صحابتها ما ارصد فقال علی قد فعلت فجاء عمر الی مجلس المهاجرین بین القبر والمنبر وکانوا یجلسون ثم علی وعثمان والزبیر والطلحة وعبدالرحمن بن عوف فاذا کان الشئ یاتی عمر بن الخطاب من الافاق جاءهم فاخبرهم بذالك فاستشارهم فیه

فجاء عمر فقال زفئونی فزفنوہ وقالوا بمن؟

یاامیر المؤمنین قال یابنت علی بن ابی طالب ثم انشاء یخبرهم فقال ان النبی صلی اللہ علیه (وآله) وسلم قال کل سبب ونسب منقطع یوم القیامة الاسببی ونسبی و کنت قد صحبته فاحببت ان یکون هٰذا ایضاً"۔

کنزالعمال ج۱۳، ص۶۲۴، رقم الحدیث ۳۷۵۸۷ مطبوعه حلب طبع جدید۔ امِّ کلثوم بنت علی (طبقاتِ ابن سعد، ج۸، ص۴۶۳۔ ذخائر عقبیٰ ص۱۶۸۔ الاصابه فی تمیز الصحابه ج۴، ص۴۹۲۔ الاستیعاب، ج۴، ص۴۹۰۔

حضرت ابوجعفر سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی

المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کی صاحبزادی سیدہ امِّ کلثوم رضی اللہ عنہا کا عقد طلب کیا، حضرت علی نے کہا کہ میں نے اپنی بیٹیوں کو اولادِ جعفر کیلیے روک رکھا ہے۔

حضرت عمر نے پھر کہا کہ:

اے علی! مجھے یہ رشتہ دے دو، خدا کی قسم! روئے زمین پر مجھ جیسا کوئی شخص اس (امِّ کلثوم) سے حسنِ سلوک رکھنے والا نہیں۔

حضرت علی نے کہا اچھا تو میں نے نکاح کر دیا۔

اس کے بعد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مہاجرین کی مجلس کی طرف تشریف لائے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبرِ انور اور منبر شریف کی درمیانی جگہ قائم تھی۔ ان حضرات میں حضرت علی، عثمان، زبیر، طلحہ اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم بھی تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب بھی زمین کے کسی حصے سے کوئی خبر پہنچتی تو ان کے پاس اُسے لے کر حاضر ہوتے ان سے مشورہ کرتے اب عمر بن الخطاب آئے اور کہا مجھے مبارک باد دو۔

پوچھا گیا کس چیز کی مبارک دیں؟

فرمایا کہ علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی (کے ساتھ نکاح ہو جانے) کی۔

پھر پورا واقعہ سنانا شروع کر دیا اور یہ بھی فرمایا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت میں ہر نسب و حسب منقطع ہو جائے گا۔ لیکن میرا حسب و نسب وہاں بھی قائم رہے گا۔ مجھے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبتِ مبارکہ کا مرتبہ تو مل گیا ہے۔

اب میں چاہتا ہوں کہ آپ کے نسب سے بھی تعلق ہو جائے۔

مذکورہ روایت پر جنم لینے والے سوالات:

معزز قارئین: غور فرمائیں حضرت علی نے فرمایا کہ میں نے اپنی بیٹی کا رشتہ اپنے بھائی جعفر کے بیٹے کو دیا ہے باوجود اس کے جنابِ عمر فاروق نے اصرار کیا جبکہ صحیح مسلم کی روایت ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرو اور اپنے بھائی کے پیغامِ نکاح پر پیغامِ نکاح نہ بھیجو۔

کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اِس واضح فرمان کی موجودگی میں جنابِ حضرت عمر کا اصرار کرنا درست ہے؟؟؟؟؟۔۔۔۔۔

اِس روایت کے اگلے جملے پر غور فرمائیں (حضرت عمر کے رشتہ طلب کرنے پر) مولائے کائنات نے کہا کہ اچھا تو میں نے نکاح کر دیا۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شریعتِ محمدیہ میں نکاح کرنے کے لیے دو عاقل، بالغ، آزاد، مسلمان گواہوں کا موجود ہونا شرط ہے جبکہ اِس نکاح میں کون سے دو عاقل، بالغ، مسلمان، آزاد موجود تھے؟ اور شریعتِ محمدیہ میں اِس طریقہ پر کون سا نکاح منعقد ہوا؟؟؟۔۔۔

طبقاتِ ابنِ سعد کی روایت:

اب طبقاتِ ابن سعد سے بھی سنیں جو بالکل ہی محدثین کے نقل کردہ اصولوں کے خلاف ہے جس کو نہ ہی روایۃ تسلیم کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی درایۃ یہ باتیں معتبر سمجھی جاسکتیں ہے کیونکہ وضاحت گزر چکی یاد دہانی کے لیے گزشتہ اوراق کا مطالعہ کی جیئے۔:

اخبرنا وکیع بن الجراح عن ھشام بن سعد عن عطاء الخراسانی ان عمر مھر ام کلثوم بنت علی اربعین الفا قال محمد بن عمر وغیرہ لما خطب عمر بن الخطاب الی علی ابنتہ ام کلثوم قال یاامیرالمؤمنین انھا صبیۃ فقال انک واللہ مابک ذالک ولکن قد علمنا مابک فاصر علی بھا فصعت ثم امر ببردٍ فطواہ

فقال انطلقی بھذا الی امیر المؤمنین فقولی ارسلنی ابی یقرئك السلام ویقول ان رضیت البرد فامکنه وان سخطته فرده فلما اتت عمر قال بارك الله فیك وفی ابیك قد رضینا ،قال فرجعت الی ابیھا فقالت مانشر البرد ولانظر الا الی فزوجھا ایاه فولدت له غلاماً یقال له زید"۔

طبقاتِ ابن سعد ج۸، ص۴۶۳ ۔۴۶۴ ۔ امِّ کلثوم بنتِ علی ۔ ذخائر عقبیٰ ص۱۷۰۔

تاریخ خمیس ج۲، ص۱۸۵

ترجمہ: عطاء الخراسانی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدہ امِّ کلثوم بنتِ علی المرتضیٰ کا حق مہر چالیس ہزار درہم مقرر فرمایا۔

محمد بن عمر وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر بن الخطاب نے حضرت علی المرتضیٰ سے امِّ کلثوم کا رشتہ طلب کیا تو انہوں نے کہا اے امیر المؤمنین! وہ ابھی بچی ہے بخدا وہ آپ کے کام کی نہیں اور ہمیں آپ کا ارادہ بخوبی معلوم ہے۔

اس کے بعد علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُسے تیار کرنے کا حکم دیا۔اور آپ نے ایک چادر لپیٹ کر دی اور فرمایا کہ بیٹی یہ امیر المؤمنین عمر بن الخطاب کے پاس لے جاؤ۔جا کر کہنا مجھے ابا جان نے بھیجا ہے۔وہ سلام کہتے تھے اور ساتھ ہی کہا تھا کہ اگر آپ کو چادر پسند آجائے تو رکھ لیں ورنہ واپس کردیں۔

جب حضرت عمر نے انہیں دیکھا تو کہا کہ اللہ تمہیں اور تمہارے والد میں برکت ڈالے ہم راضی ہو گئے ہیں۔

راوی بیان کرتا ہے کہ اتنی گفتگو کے بعد سیدہ امِّ کلثوم اپنے والد کے پاس آئیں اور بیان کرنے لگیں کہ عمر بن الخطاب نے نہ تو چادر کھولی اور نہ اسے دیکھا اگر دیکھا تو صرف مجھے ہی دیکھا اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰ نے امِّ کلثوم کا نکاح حضرت عمر سے کردیا اِن سے زید نامی ایک لڑکا پیدا ہوا۔

مذکورہ روایت پر جنم لینے والے سوالات:

معزز قارئین: غور فرمائیں بڑی ہی عاجزی کے ساتھ جنابِ حضرت عمر کو مولیٰ کائنات نے جواب دیا کہ حضور (انہا صبیۃ) وہ ابھی بچی ہے آپ کے کام کی نہیں اور ہمیں آپ کا ارادہ بخوبی معلوم ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جنابِ حضرت عمر کو کہا گیا کہ وہ ابھی بچی ہے آپ کے کام کی نہیں پھر کیسےحضرت عمر نے ان کے ساتھ نکاح کرلیا جبکہ نکاح کے لیے بالغ ہونا شرط ہے اور پھر نکاح کے لیے رضامندی شرط ہے یہاں یہ دونوں باتیں نہیں پائی جا رہی۔ثابت یہ ہوتا ہے کہ جنابِ حضرت عمر نے یہ ماننے سے انکار کر دیا کہ وہ ابھی بچی ہے کیونکہ یہی حضرت عمر ہیں جبکہ چالیس سال کی عمر میں انہوں نے تاجدارِ مدینہ سیدنا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اُن کی بیٹی کا رشتہ اپنے لیے طلب کیا تو وہاں سے بھی یہی جواب ملا تھا کہ انہاصبیۃ یہ ابھی بچی ہے وہاں جنابِ حضرت عمر نے یہ سمجھ لیا تھا کہ آپ مجھے یہ رشتہ نہیں دینا چاہتے۔جبکہ یہاں بھی یہی الفاظ دہرائے گئے ہیں لیکن جنابِ حضرت عمر کا یہاں رویہ کچھ اور ہے۔ایسا کیوں؟؟؟؟

پھر روایت کے اگلے حصہ میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ مولائے کائنات سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی معصوم سی بچی کو جنابِ حضرت عمر کے پاس پسند کروانے کے لیے بھیج دیا۔

ان روایات سے کچھ سوالات جنم لے رہے ہیں: (جو گستاخی کا موجب ہیں)

1۔ کیسے ایک غیرت مند آدمی اپنی بیٹی کو پسند کروانے کے لیے بھیج سکتا ہے؟

2۔ کیا مسلمان عورتوں کو غیر محرم کے پاس تنہائی کے عالم میں بھینا جائز ہے؟

3۔ کیا غیر محرم لڑکی کو چھونا جائز ہے؟

پھر روایت میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ سیدہ امِّ کلثوم اپنے والد کے کہنے پر چادر لے کر جنابِ حضرت عمر کے پاس گئیں اور حضرت عمر نے چادر کو نہیں دیکھا بلکہ سیدہ امِّ کلثوم کو ہی دیکھا۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا صرف دیکھنے سے نکاح ہو جاتا ہے؟

جبکہ نکاح کے لیے ناکح کی ضرورت ہوتی ہے اور پھر گواہوں کی ضرورت بھی ہوتی جبکہ یہاں نہ ناکح کا ذکر ہے اور نہ ہی گواہوں کا ذکر ہے کیا ناکح اور گواہوں کے بغیر نکاح منعقد ہو جاتا ہے؟

معزز قارئین! انصاف کریں اس روایت کی نہ تو سند متصل ہے اور نہ ہی یہ حقیقت ہے بلکہ یہ سب موضوع اور من گھڑت ہیں۔

کنز العمال کی روایت:

اب کنز العمال کی روایت کو ملاحظہ فرمائیں کہ:

★۔ "عن المستظل بن حصین ان عمر بن الخطاب خطب الی علی بن ابی طالب ابنته امِّ کلثوم فاعتل بصغرها ۔ فقال انی لم ارد الباء ولکنی سمعت رسول الله صلی الله علیه(وآلہٖ)وسلم یقول کل سبب ونسب منقطع یوم القیامة ماخلانسبی وسببی وکل ولدٍ فان عصبتهم لابیهم ماخلاولد فاطمة فانی انا ابوهم وعصبتهم "۔(ابو نعیم فی المعرفة له)۔

کنز العمال ج۱۳، ص۶۲۴ رقم الحدیث ۳۷۵۸۶ ۔ امِّ کلثوم بنت علی ذخائر عقبیٰ ص۱۶۹ مطبوعہ بیروت طبع جدید ۔ تاریخ خمیس ج۲، ص۲۸۵

ترجمہ: مستظل بن حصین سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے حضرت علی المرتضیٰ سے ان کی صاحبزادی امِّ کلثوم کا رشتہ طلب کیا۔ تو آپ نے اس کے کمسن ہونے کی علت بیان فرمائی اس پر عمر بن الخطاب بولے کہ میں اس نکاح سے نفسانی خواہشات کا ارادہ نہیں رکھتا۔

(نکاح اس لیے کر رہا ہوں کہ) میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سن رکھا ہے کہ کل قیامت کے دن ہر حسب ونسب منقطع ہوجائے گا صرف میرا حسب ونسب باقی رہے گا۔ ہر بچہ اپنے والد کی طرف منسوب ہوتا ہے اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالٰی عنہ کی اولاد کا معاملہ اور ہے ان کی تمام اولاد میری اولاد اور میں ان والد ہوں وہ میرے بچے ہیں۔

مذکورہ روایت پر جنم لینے والے سوالات:

معزز قارئین: مذکورہ روایت کا پہلے حصہ پر گذشتہ روایت میں وضاحت ہو چکی ہے جبکہ یہاں روایت کا اگلہ حصہ کہ جنابِ حضرت عمر نے یہ فرمایا مجھے نفسانی خواہش نہیں بلکہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تعلق قائم کرنا چاہتا ہوں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جنابِ حضرت عمر کا تعلق تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے ہی قائم ہے جو تعلق جنابِ حضرت عمر کی اپنی بیٹی حضرتِ حفصہ کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نکاح میں ہونے کی وجہ سے تھا یہ تعلق تو اِس سے بھی بڑھ کر ہے پھر جنابِ حضرت عمر کو اِس تعلق کی کیا ضرورت پڑھی ؟؟؟۔۔۔

اس روایت کی سند پر اگلے حصہ میں مکمل بحث کی جائے گی۔

ذخائر عقبی کی روایت

معزز قارئین! اور پھر ذخائر عقبی میں بھی ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ:

★۔ "اخرجه ابن السمان وعن واقد بن محمد بن عبدالله بن عمر بن بعض اهله قال خطب عمر بن الخطاب علی علی بن ابی طالب ابنته امِّ کلثوم وامها فاطمة بنت رسول الله صلی الله علیه (وآله) وسلم فقال لهٗ علی ان علی امراء حتی استأذنهم فاتی ولد فاطمة فذکر ذالك لهم فقالوا زوجه فدعا امِّ کلثوم وهی یومئذٍ صبیة فقال لها انطلقی الی امیر المؤمنین فقولی له ان ابی یقرئك السلام ویقول لك قد قضیت حاجتك التی فزق جنیها قیل یاامیر المؤمنین ما کنت ترید الیها انها صبیة صغیرة؟

قال انی سمعت رسول الله صلی الله علیه (وآله)

وسلم یقول "کل سبب ونسب ینقطع یوم القیامۃ الاسببی ونسبی "فاردت ان یکون بینی وبین رسول اللہ صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلم سبب وصھر ، خرجہ الاھو لابی وخرج ابن سمان معنا ولفظہ مختصر ان عمر قال لعلی انی احب ان یکون عندی عضو من اعضاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلم فقال لہ علی ماعندی الاامِ کلثوم وھی صغیرۃ فقال ان تعش تکبر فقال ان لھا امیرین معی قال نعم فرجع علی الی اھلہ وقعد عمر ینتظر مایرد علیہ فقال علی ادعو الحسن والحسین فجاء اخذلہ فقعدا بین یدیہ فحمد اللہ واثنیٰ علیہ ثم قال لھما ان عمر قد خطب الی اختکما فقلت لہ ان لھا معی امیرین وانی کرھت ان ازوجھا ایاہ حتی او امرکما فسکت الحسین وتکلم الحسن فحمد اللہ واثنی علیہ ثم قال یاابتاہ من بعد عمر صحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلم وتوفّی وھو عند راض ثم ولی الخلافۃ فعدل قال صدقت یابنی ولکن کرھت ان قطع امرا دون کما"۔

ذخائر عقبیٰ الفصل الثامن ذکر وفات امِ کلثوم ص ۱۷۰،۱۶۹، مطبوعہ بیروت ۔

تاریخ خمیس ج ۲ ص ۲۸۵ ذکرِ اولادِ علی

ترجمہ: عبداللہ بن عمر اپنے کسی گھر والے سے بیان کرتے ہیں کہ جب عمر بن الخطاب نے حضرت علی ابن ابی طالب (رضی اللہ عنہما) سے ام کلثوم بنتِ فاطمۃ الزہرا علیہا السلام کا رشتہ طلب کیا۔تو علی المرتضیٰ نے کہا کہ میں کچھ امراء سے مشورہ کیئے بغیر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس کے بعد سیدہ فاطمہ کے دونوں صاحبزادے بلوائے گئے۔ اُن سے ساری

باتیں کہہ دی گئیں وہ بولے کہ یہ شادی کر دی جیئے۔
حضرت علی المرتضیٰ نے امِّ کلثوم کو بلایا۔ وہ اس وقت بچی تھیں اور فرمایا کہ امیر المؤمنین عمر بن الخطاب (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کے پاس جاؤ اور کہنا میرے ابا جان آپ کو سلام کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمہاری حاجت مطلوبہ میں نے پوری کر دی ہے۔
یہ سن کر حضرت عمر نے امِّ کلثوم کو گلے لگا لیا اور کہا کہ میں نے امِّ کلثوم کا رشتہ مانگا تھا تو انہوں نے اُسے میرے نکاح میں دے دیا۔
پوچھا گیا امیر المؤمنین! وہ بچی تھیں تمہیں اس سے کیا مطلب تھا؟
جناب عمر نے کہا کہ میں نے چاہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حسب اور دامادی کا رشتہ قائم ہو جائے۔
یہ روایت بیان کی جو مختصر ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے علی المرتضیٰ سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ میرے پاس بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم کا کوئی ٹکڑا آ جائے۔ حضرت علی المرتضیٰ نے فرمایا کہ میرے پاس تو صرف امِّ کلثوم ہے اور وہ ابھی بچی ہے۔
اور فرمایا کہ اس کے دو وارث اور بھی ہیں عمر بن الخطاب انتظار میں بیٹھے رہے کہ کیا جواب ملتا ہے۔ حسن و حسین کو علی المرتضیٰ نے بلوایا وہ آئے اپنے سامنے بیٹھایا اللہ کی حمد و ثنا کے بعد ان سے فرمایا کہ عمر بن الخطاب نے تمہاری بہن کا رشتہ طلب کیا ہے میں نے انہیں کہا ہے کہ اس کے دو امیر اور بھی ہیں میں نے تم دونوں سے مشورہ کیئے بغیر نکاح کر دینا اچھا نہ سمجھا اب تم بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟
امام حسین تو خاموش رہے اور امام حسن بولے اللہ کی حمد و ثنا کے بعد کہا کہ ابا جان! حضرت عمر نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت پائی آپ دنیا سے پردہ

فرما گئے لیکن وہ عمر پر راضی ہی تھے۔ پھر عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت پر فائز ہوئے اور خوب انصاف کیا۔ یہ سن کر علی المرتضیٰ نے کہا کہ بیٹا تم نے سچ ہی کہا ہے لیکن میں تم دونوں کے بغیر اس کام کا فیصلہ کرنا اچھا نہ جانتا تھا۔

مذکورہ روایت پر جنم لینے والے سوالات:

معزز قارئین: غور کریں مذکورہ روایت کے دوسرے حصہ میں موجود الفاظ کہ جنابِ مولائے کائنات نے امِّ کلثوم کو بلایا جبکہ وہ اس وقت بچی تھیں اور فرمایا کہ امیر المؤمنین عمر بن الخطاب کے پاس جاؤ اور کہنا میرے ابا جان آپ کو سلام کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمہاری حاجت مطلوبہ میں نے پوری کر دی ہے۔

شریعتِ محمدیہ میں نکاح کے لیے عورت کی رضامندی لازمی ہے۔ جبکہ یہاں ایسی کوئی بات موجود نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ سیدہ امِّ کلثوم سے اُن کی مرضی پوچھی گئی ہو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو شریعتِ محمدیہ کے پاسبان تھے اور اس کی اشاعت کے ضامن تھے انہوں نے ایسا عمل کیوں کیا جس کی وجہ سے شریعتِ محمدیہ کا قانون ٹوٹ رہا ہے؟؟؟؟۔۔۔

اسی روایت کے اگلے حصہ میں موجود الفاظ کہ سیدہ کو حضرت عمر کے پاس بھیجا گیا اور انہوں نے بغیر نکاح کے سیدہ کو اپنے گلے سے لگا لیا۔

1۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پہلے ہی موجود ہے پھر بھی اگر اولاد سے رشتہ جوڑنا تھا تو سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے ہاں سیدہ زینب بھی موجود تھیں جن کا نکاح ابھی کسی سے نہیں ہوا تھا جبکہ سیدہ ام کلثوم کا عذر یہ تھا کہ وہ ابھی چار سال کی بچی تھیں۔

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ حضرت علی نے اپنی بیٹی کا نکاح حضرت عمر سے کر دیا ہے تو یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ انہوں نے اپنی بالغ بیٹی کا نکاح کیوں نہیں کروایا

سیدہ معصومہ جن کی عمر چار سال ہے ان کا نکاح کیسے کروا دیا؟
یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عمر سیدہ معصومہ ام کلثوم سے ہی کیوں نکاح کرنا چاہتے ہیں اس میں کیا راز پوشیدہ ہے؟

صواعقِ محرقہ کی عبارت:

اور پھر اسی طرح کی عبارت امام ابن حجر یوں نقل کرتے ہیں کہ:

★۔ "وفی روایة اخرجها البیهقی والدار قطنی بسندٍ رجاله من اکابرِ اهل بیت ان علیا عزل بناته لولد اخیه جعفر فلقیه عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما فقال لهٗ یا ابا الحسن انک حتیٰ ابنتک ام کلثوم بنتِ فاطمة بنتِ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه (وآلهٖ) وسلم فقال قد حبستهن لولد اخی جعفر فقال عمر انه واللّٰہ ماعلی وجه الارض من یرصد من حسن صحبتها ماارصد فانکحنی یا ابا الحسن فقال قد انکحتها فعاد عمر الی مجلسهٖ بالروضة مجلس المهاجرین والانصار فقال هنؤنی قالوا بمن یا امیر المؤمنین قال بام کلثوم بنت علی واخذ یحدث انه سمع رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یقول کل صهرا وسبب ونسب ینقطع القیامة الاصهری وسببی ونسبی وانهٗ کان لی صحبة فاجبت ان یکون لی محها سبب وبهٰذا الحدیث والمروی من طریق اهل بیت یزداد التعجب من انکار جماعة من جهلة اهل البیت فی ازمنتنا تزویج عمر بام کلثوم لکن لاعجب لان اولئک لم یخالطوا العلماء ومع ذالک استولی علی عقولهم جهلة الروافض فادخلوا فیها ذالک فقلد وهم فیه ومادروا انه عن الکاذب ومکابرة للحس اذمن مارس العلماء

وطالع کتب الاخیار والسن علم علی ضرورة ان علیا زوجها له وان انکار ذالک جهل وعناد ومکابرة للحس وخیال فی العقل وفساد فی الدین وفی روایة للبیهقی ان عمر لماقال فاحببت ان یکون لی من رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سبب ونسب قال علی للحسنین زوجا عمکما فقالاهی امراة من النساء تختار لنفسها فقام علی مغضباً فامسک الحسن ثوبه وفقال لاصبر علی هجرانک یاابتاه فزوجاه"۔ (صواعق المحرقہ ص ۱۵۶، ۱۵۷)

اکابر اہل سنت کی سند سے امام بیہقی اور دارِ قطنی نے روایت کی کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی صاجزادیوں کے لیے یہ طے کر لیا تھا۔ کہ انہیں اپنے بھائی جعفر کی اولاد کے لیے رشتہ میں دیں گے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر بن الخطاب اِن سے ملے اور کہا اے ابوالحسن! اپنی بیٹی امِّ کلثوم میرے نکاح میں دے دیں جو سیدہ خاتونِ جنت کی صاجزادی ہیں۔

علی المرتضیٰ نے فرمایا کہ میں نے اپنی بیٹیوں کو اپنے بھائی جعفر کے بیٹوں کے لیے زوجیت میں دینا طے کر لیا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر بولے خدا کی قسم! روئے زمین پر میرے بغیر کوئی دوسرا ایسا نہیں جو ان کے ساتھ حسنِ سلوک کر سکے لہٰذا آپ مجھ سے نکاح کر دیں۔

فرمایا اچھا چلو میں نے تمہارے ساتھ اس کا نکاح کر دیا ہے۔ اس کے بعد عمر بن الخطاب باغ میں بیٹھے انصار و مہاجرین کی طرف تشریف لائے اور فرمایا مجھے مبارک باد دو کہنے لگے کس چیز کی تہنیت دیں؟

فرمایا امِّ کلثوم بنت علی المرتضیٰ سے شادی کی۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے ایک حدیث بیان فرمائی وہ یہ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا ہے کہ قیامت

کے دن میرے حسب ونسب کے سوا تمام حسب ونسب منقطع ہو جائیں گے مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت تو حاصل ہے چاہتا ہوں کہ آپ کے ساتھ حسب ونسب کا بھی تعلق ہو جائے یہ حدیث پاک جو اہلِ بیت کے طریق سے مروی ہے یہ جہلاء کے تعجب کو اور بھی بڑھا دے گی۔ جو ہمارے دور میں اہل بیت رسول ہونے کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن سیدہ امِّ کلثوم کا حضرت عمر سے نکاح ہونے کا انکار کرتے ہیں لیکن یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ ان جاہلوں کا علماء سے میل جول نہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ان کے دل ودماغ پر جاہل رافضی سوار ہیں انہوں نے ان جاہلوں کے عقائد میں یہ بات بھی داخل کر دی اور یہ اُن کے پیچھے پیچھے چل پڑے اور انہیں یہ پتہ نہ چلا کہ یہ بات سراسر جھوٹ اور مکابرۃ الحس ہے۔

کیونکہ جو شخص علماء کرام سے میل جول رکھتا ہے اور اچھے دین دار لوگوں کی کتب کا مطالعہ کرتا ہو لازماً یہ جان لے گا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امِّ کلثوم کا نکاح عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا تھا اور اس کا انکار جہالت، عناد مکابرۃ الحس، عقل کا نقص اور دین کا فساد ہے۔

امام بیہقی نے روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت عمر بن الخطاب نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ میرا بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حسب ونسب قائم ہو جائے۔ تو علی المرتضیٰ نے حسنین کریمین سے کہا کہ تم اپنی بہن کی شادی اِن سے کر دو۔ وہ دونوں بولے ابا جان آپ مختار ہیں یہ سن کر علی المرتضیٰ غصہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے امام حسن نے آپ کا کپڑا پکڑ کر روک لیا اور عرض کرنے لگے آپ کی ناراضگی اور اُٹھ کر چلے جانا ہم سے برداشت نہیں ہوگا۔ اس کے بعد دونوں صاجزادوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امِّ کلثوم کی شادی کروادی۔

عجب رسم ہے چارہ گروں کی محفل میں:

کیا یہ کھلا تضاد نہیں ہے کہ زبردستی منوایا جا رہا ہے کہ سیدہ امِّ کلثوم بنت علی کا نکاح حضرت عمر سے ہوا ہے جو نہیں مانتا وہ جاہل ہے وہ بے دین ہے اس کے بے وقوف ہونے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے وہ فسادی ہے۔ یہ جتنی باتیں بھی ہیں ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

روایت میں اِن باتوں کا ذکر کرنا کیا معنیٰ رکھتا ہے؟؟؟۔۔۔

الشرف المؤبد کی روایت:

اس روایت کو غور سے مطالعہ کریں اور موازنہ کریں کہ:

★۔ "(ومن خصائصهم رضی اللّٰه عنهم) ان کل نسب و حسب ینقطع یوم القیامة الاسببه و نسبه صلی اللّٰه علیه واٰله وسلم کماورد ذالک فی الحدیث الصحیح وتقدم فی المقصد الاول وصح ان عمربن الخطاب رضی اللّٰه عنه خطب لنفسهٖ امِّ کلثومِ بنتِ فاطمة رضی اللّٰه عنهما من ابیها علی ابن ابی طالب کرّم اللّٰه وجهه فاعتل بصغرها و بانهٗ حابسها لولد اخیه جعفر فالح علیه عمر ثم سعد المنبر فقال ایهاالناس واللّٰه ماحملنی علی الالحاح علٰی علی فی ابنتهٖ الاانی سمعت النبی صلی اللّٰه علیه وآله وسلم یقول کل سبب ونسب وصهرٍ ینقطع یوم القیامة الاسببی ونسبی وصهری فامربهاعلی فزینت وبعث بهاالیه فلماراها قام واجلسهافی حجرهٖ فقبلها ودعالها فلما قامت اخذ بساقها وقال لهاقولی لابیک قد رضیت فلما جائت قال لهاماقال لک فذکرت له جمیعاً مافعلهٗ و ما قالهٗ فانکحها ایاه فولدت لهٗ زیداً اًامات رجلاً"۔ (الشرف المؤبدلالِ محمدص ۳۹ مصری)

ترجمہ: ان کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ ہر حسب ونسب اور صہر قیامت کے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نسب وحسب اور صہر کے سوا منقطع ہو جائے گا۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے اور مقصدِ اول میں گزر چکا ہے۔ اور یہ صحیح ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے لیے علی المرتضیٰ سے ان کی صاجنرادی امِّ کلثوم کا رشتہ طلب کیا۔ علی المرتضیٰ نے کہا کہ ابھی چھوٹی ہے اور ویسے بھی اسے اپنے بھائی جعفر کے بیٹے کو دینا چاہتا ہوں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت اصرار کیا۔

پھر منبر پر جلوہ فرما ہو کر کہا لوگو خدا کی قسم! مجھے علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کی بیٹی کے رشتہ پر اصرار اس بات نے کرایا ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنا ہے کہ ہر حسب ونسب اور صہر میرے سوا قیامت کو منقطع ہو جائے گا۔

حضرت علی المرتضیٰ نے امِّ کلثوم کو کہا کہ عمر بن الخطاب کے پاس جاؤ۔ عمر بن الخطاب انہیں دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے اور انہیں گود میں لے لیا۔ انہیں چوما اور ان کے لیے دعا کی۔

پھر جب کھڑی ہوئیں تو ان کی پنڈلی کو تھام لیا اور کہا اپنے ابا جان سے کہنا میں راضی ہوں۔ جب سیدہ واپس اپنے والدِ محترم کے پاس آئیں تو عمر بن خطاب کا پیغام پہنچایا اور تمام قصہ کہہ سنایا۔

اس پر علی المرتضیٰ نے ان کا نکاح کر دیا پھر ان سے زید نامی لڑکا پیدا ہوا جو جوانی میں فوت ہوا۔

مذکورہ روایت پر جنم لینے والے سوالات:

معزز قارئین! خدا کے لیے انصاف کرو۔
آنکھیں کھول کر ان روایات کو پڑھو۔
اور بالخصوص یہ روایت جو ذکر کی گئی ہے اس کو پڑھو اور جواب دو اس پر کچھ اشکالات پیدا ہوتے ہیں جن کے جواب طلب ہیں۔۔۔۔۔

1۔ اگر یہ حقیقت ہے تو پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرو۔تو پھر حضرت عمر نے یہ سن کر حضرت علی سے ان کی بیٹی کے رشتہ پر اصرار کیوں کیا؟

2۔ اگر یہ سچ ہے تو پھر معصوم بچی جس کی عمر بوقتِ نکاح پانچ یا سات سال ثابت ہے جو ابھی نکاح کے قابل بھی نہیں تو اُس سے نکاح کرنے کی ضرورت کیوں پڑ گئی؟ کیا جن کو آپ اُمتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سب سے زیادہ عادل کہتے ہیں اُن کے نزدیک ایسا عدل جائز ہے؟

3۔ کیا حضرت عمر کا عدل اور تقویٰ اِس مقام پر سب کچھ جائز قرار دے دیتا ہے؟اور اپنے نفس کی خواہش کے لیے انہوں نے عدل اور تقویٰ کو چھوڑ دیا؟ اور پھر اگر مان لیا جائے کہ انہوں نے نکاح کیا ہے اور نکاح ہو چکا ہے پانچ سال کی عمر میں تو آج کی جدید سائنس بھی اس کی تحقیق نہیں کرسکی ہے کہ سات سال کی عمر میں کوئی عورت حاملہ ہوسکتی ہے اور نہ ہی اس کو عقل تسلیم کرتی ہے۔کہیں سے کوئی بھی یہ ثابت کرکہ دکھادے کہ سات سال کی عمر میں بچی حاملہ ہوسکتی ہے تو پھر بھی کچھ کہا جاسکتا ہے۔بصورتِ دیگر خدا راہ آلِ رسول کی بے حرمتی نہ کریں۔

4۔ اگر یہ سچ ہے کہ سیدہ امِّ کلثوم بنتِ فاطمہ کا نکاح حضرت عمر سے ہوا ہے تو بقولِ

دیگر ان کی عمر ۱۳ سال بھی بتائی جاتی ہے تو پھر اس روایت کے مطابق اپنے دل پر ہاتھ رکھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سچا نبی مان کر فیصلہ کریں کہ جن کو ہم خلفاء راشدین کہتے ہیں اور وہ عشرہ مبشرہ میں بھی حدیث کے مطابق شامل ہیں اور پھر صاحب عدل وتقویٰ بھی اور جن کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نسبتِ خاص بھی حاصل ہے جن کو حدیث بابِ علمِ مدینہ بھی کہتی ہے، کیا ان کے نزدیک یہ جائز تھا کہ اپنی بالغ بیٹی کو غیر محرم کے پاس بھیجیں اور پھر کیا خلیفہ ثانی امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ جن کے بارے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے" انَّ الشیطن یفرّ من ظل عمر " کہ بے شک شیطان عمر کے سائے سے بھی بھاگتا ہے ۔ اتنی بڑی عظمت والی ہستی اور پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لختِ جگر کی نورِ نظر جن کو وقت سیدہ امِّ کلثوم کے نام سے جانتا ہے ،جن کی عمر مبارکہ اک روایت کے مطابق ۱۳ سال بھی بتائی جارہی ہے اس حال میں کہ وہ بالغ بھی ہیں ۔ایک طرف تو (سیدہ امِّ کلثوم کے والد) فاتح خیبر دروازہٗ علم نبوۃ بھی ہیں انہوں نے اپنی بالغ بیٹی کو غیر محرم کے پاس بھیجا۔اور پھر جن کے پاس بھیجا وہ صاحبِ عدل اور تقویٰ ہیں اور شان یہ ہے کہ شیطان ان کے سائے سے بھی دور بھاگتا ہے لیکن عجیب بات ہے کہ بالغ لڑکی کو بغیر نکاح کے اُٹھ کر اپنے سینے سے بھی لگایا، اور پھر دوسری روایت کے مطابق اپنی گود میں بٹھالیا، اور پھر اُن کو چوما بھی ہے، اس کے بعد جب وہ کھڑی ہوئی تو سیدہٗ امِّ کلثوم کی پنڈلی کو بھی ہاتھ لگایا اور پنڈلی کو تھام بھی لیا ہے ۔(پھر ایک روایت کے مطابق پنڈلی سے کپڑا بھی ہٹ گیا تھا)

اگر یہ واقعی حقیقت ہے تو پھر انصاف کے ساتھ بتائیں کہ یہ کس کے ساتھ دشمنی ہے اور کس کی شان میں گستاخی ہے، کس کا نام مٹانے کی کوشش کی جارہی ہے ۔

سجدہ خالق کو اور ابلیس سے یارانہ بھی
یہ بتا حشر میں کس سے محبت کی جزا مانگے گا

عجیب اندازِ محبت ہے ان لوگوں کے جنہوں نے ایسی روایات پیش کی ہیں جن کو نہ عقل تسلیم کرتی ہے اور نہ ہی ایمان قبول کرتا ہے۔لیکن پھر بھی وہ حجت پر حجت بنائے جارہے ہیں آخر یہ معاملہ کیا ہے؟ جبکہ ہم نے اِس روایت پر مکمل جرح پہلے حصہ میں ذکر کردی ہے اس کا پھر سے مطالعہ کریں۔

طبری کی نقل کردہ روایت اور انصاف کی اپیل:

پھر طبری نے اپنی تاریخ میں ایک مقام پر یوں بھی لکھا ہے کہ:

★۔ "وتزوج امِّ کلثوم بنت علی ابن ابی طالب وامھا فاطمہ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ (وآلہٖ) وسلم واصدقھا فیما قیل اربعین الفا فولدت لہ زیداً ورقیہ"۔

تاریخ طبری ج۵، ص۱۶

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدہ امِّ کلثوم بنتِ علی المرتضیٰ سے شادی کی ، سیدہ کی والدہ حضرت خاتونِ جنت فاطمۃ الزہرا بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں۔عمر بن الخطاب کے عقد میں جانے کے بعد امِّ کلثوم سے دو بچے زید اور رقیہ نامی پیدا ہوئے۔

طبری کی مذکورہ روایت پر جنم لینے والے سوالات:

ذرا غور فرمائیں کہ مذکورہ روایت میں ایک جملہ ہے کہ جب حضرت علی نے حضرت عمر کے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کردیا تو حضرت عمر نے مہاجرین کے پاس آکر مبارک باد طلب کی انہوں نے پوچھا کس بات کی مبارک دیں؟

اس پر حضرت عمر نے کہا حضرت علی نے میرے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کردی ہے جبکہ روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت علی مہاجرین کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے مگر کسی کو کانوں کان اِس شادی کی خبر بھی نہیں تھی۔

علاوہ ازیں اِن روایتوں میں ہے کہ حضرت امِّ کلثوم بچی تھیں اور انہی روایتوں میں حضرات حسنین کریمن سے یہ جملہ منسوب ہے کہ نکاح کا اختیار عورت کو ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ امِّ کلثوم بچی نہیں بلکہ بالغ خاتون تھیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر سیدہ بچی ہیں تو پھر شادی کے ایک سال بعد اُن کو بالغ ہونے سے پہلے اولاد کیسے ہوگئی؟؟؟۔۔۔

اور اگر بالغ ہیں تو امیر المؤمنین بابِ مدینۃ العلم نے اپنی بالغ جوان بیٹی کو غیر محرم کے پاس کیوں بھیجا کیا وہ اس کو جائز سمجھتے ہیں؟

اگر بالغ تھیں تو کیا عمر کے نزدیک غیر محرم عورت کو سینے سے لگانا جائز تھا؟

باب نمبر 1

حصہ سوم

جس طرح عرفِ عام میں رائج ہے کہ شادی کے کچھ مراحل ہوتے ہیں آنا جانا پھر رشتہ طلب کرنا، منگنی کرنا، دن مقرر کرنا، پھر رخصتی اِن کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے حصہ سوم میں شادی کے مراحل بیان کیئے گئے ہیں ذرا غور کریں۔

پھر اِن مراحل کو ذکر کرنے کے بعد امِّ کلثوم کی تفصیلی وضاحت بھی بیان کی جارہی ہے جس کے لیے مختلف کتب سے مختلف روایات نقل کی گئی ہیں انہیں پڑھ کر فیصلہ آپ کی عقل پر۔۔۔

شادی کے مراحل اور اس کی دلیل:

ہر خاندان میں رشتہ طلب کرنے کے لیے کچھ مرحلے ہوتے ہیں پہلے مرحلے میں آنا جانا پھر رشتہ طلب کرنا، پھر منگنی کرنا، پھر دن مقرر کرنا، پھر نکاح، پھر رخصتی جبکہ یہاں من گھڑت باتیں ایسے ہی مراحل میں موجود ہیں کہ:

ایسے ہی مرحلہ وار شادی کئی پھیروں میں تکمیل پذیر ہوئی۔

پہلے مرحلے پر حضرت عمر نے حضرت علی سے بیٹی کا رشتہ مانگا تو انہوں نے کہا میں نے اِسے اپنے بھائی کے بیٹے کے لیے روکا ہے مگر حضرت عمر نے اصرار کیا تو انہوں نے بیٹی کی شادی اُن سے کر دی اور وہ لوگوں سے مبارک باد طلب کرنے آگئے۔

مصنفین نے جس طرح اپنی کتابوں میں اس معاملہ کو چھیڑا ہے اس سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے دوسرے مرحلہ میں حضرت علی سے رشتہ مانگا تو حضرت علی نے کہا میری بیٹی ابھی بچی ہے اور وہ آپ کے کام کی نہیں ۔ہمیں آپ کا ارادہ بخوبی معلوم ہے۔

اِس مرحلہ میں حضرت عمر نے کہا (آپ کو میرا ارادہ بخوبی معلوم نہیں) میں جنسی خواہش پوری کرنے کے لیے نہیں بلکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ رشتہ جوڑنے کے لیے بیوی بنانا چاہتا ہوں۔

تیسرے مرحلہ پر حضرت علی نے اپنی بیٹی کو پسند کروانے کے لیے چادر دے کر حضرت عمر کے پاس بھیجا وہ واپس آئی تو اُس کا نکاح حضرت عمر کے ساتھ کر دیا۔(عجیب بات ہے نہ ناکح موجود ہے نہ گواہوں کا ذکر ہے، نہ مجلسِ نکاح منعقد ہوئی زبانی کلامی نکاح بھی ہوا اور رخصتی بھی)

چوتھے مرحلہ میں پھر یہی گفتگو جاری تھی کہ حضرت علی اپنی بیٹی کی کمسنی کا ذکر کر رہے

ہیں اِس پر حضرت عمر نے فرمایا کہمیں نفسانی خواہشات کے لیے نہیں بلکہ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق جوڑنے کے لیے یہ شادی کرنا چاہتا ہوں اس لیے کہ ہر بچہ والد کی طرف منسوب ہوتا ہے مگر اولادِ فاطمہ کا معاملہ اور ہے۔ (عجیب بات ہے جنابِ عمر کہہ بھی رہے ہیں کہ جنسی خواہش نہیں بلکہ تعلق جوڑنا چاہتا ہوں تو پھر اولاد اور وہ بھی نابالغ بچی سے کیسے پیدا ہوگئی)۔

پانچویں مرحلہ میں حضرت عمر نے حضرت علی سے اُن کی بیٹی کا رشتہ مانگا تو انہوں نے کہا میں اپنے بیٹوں سے مشورہ کرلوں، بیٹوں سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا ہمیں منظور ہے، جبکہ امِّ کلثوم اُس وقت بچی تھیں۔

حضرت علی نے انہیں (اپنی لختِ جگر سیدہ امِّ کلثوم کو) یہ پیغام دے کر حضرت عمر کے پاس بھیج دیا کہ ہم نے تمہاری مطلوبہ حاجت پوری کردی یہ سن کر حضرت عمر نے امِّ کلثوم کو گلے سے لگالیا اور لوگوں سے کہا میں نے علی سے اُس کی بیٹی کا رشتہ مانگا تھا اُنہوں نے اُسے میرے نکاح میں دے دیا ہے۔

جبکہ جنابِ عمر کی اِس گفتگو پر لوگوں نے کہا امیر المؤمنین وہ تو بچی ہے تمہیں اِس سے کیا مطلب تھا؟ جنابِ عمر نے فرمایا کہ میں نے اللہ کے رسول سے نسب جوڑا ہے۔ (عجیب بات ہے تعلق تو پہلے سے موجود تھا مگر اِس سے کیسا تعلق کیا کسی کی بیٹی سے شادی کرنے کے بعد تعلق قائم ہوجاتا ہے؟ جبکہ شریعتِ محمدیہ میں ایسا کوئی قانون موجود نہیں۔ اور پھر ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ کیا سیدنا حضرت عمر کو امِّ کلثوم نام سے ہی دلچسپی تھی کہ جنابِ عمر ان ہی کے ذریعے تعلق بنانا چاہتے ہیں جبکہ امِّ کلثوم بچی تھیں اور اُن سے بڑی بہن بھی موجود تھیں اُن کا نام کیوں نہیں لیا گیا؟؟؟؟۔۔۔)

چھٹے مرحلہ میں حضرت عمر نے حضرت علی سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ میرے پاس بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسم کا کوئی ٹکڑا آجائے۔

حضرت علی نے فرمایا کہ! میرے پاس اُمّ کلثوم ہے وہ ابھی بچی ہے پھر آپ نے اپنے بیٹوں سے مشورہ کیا امامِ حسین خاموش رہے امامِ حسن نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابی ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان پر خوش تھے آپ یہ شادی کر دیں، اور یہ بھی کہا کہ شادی کا اختیار عورت کو ہے۔

ساتویں مرحلہ میں حضرت علی نے سیدہ امّ کلثوم کے ساتھ حضرت عمر کا نکاح چار ہزار درہم حق مہر کے عوض کر دیا۔

جبکہ ایک روایت میں یہ بھی موجود ہے کہ یہی نکاح چالیس ہزار درہم کے عوض منعقد ہوا ہے۔

آٹھویں مرحلہ میں حضرت عقیل نے اِس شادی کی مخالفت کر دی۔

ان تمام مراحل پر آئندہ اوراق میں مکمل بحث کی جائے گی۔تاہم جن روایتوں سے اِس نکاح کو ثابت کیا جارہا ہے اُن میں چند مراحل اور بھی ہیں جن کو اختصار کے پیشِ نظر ذکر نہیں کیا جارہا۔

حضرت عمر کے اصرار پر حضرت علی نے اپنی بیٹی پسند کروانے کے لیے حضرت عمر کے پاس بھیج دی۔پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا راویوں کے نزدیک یہ کہنا کہ مجھے کوئی دنیاوی مقصد نہیں بلکہ صرف تعلق قائم کرنا چاہتا ہوں۔

جبکہ کوئی شخص اُن ملاؤں سے یہ پوچھے کہ اگر آپ کو من گھڑت روایت کے مطابق یہ معلوم ہوگیا ہے کہ جنابِ عمر کو کوئی دنیاوی لالچ نہیں تھی تو پھر اُس سے پہلے جنابِ عمر اُمِّ کلثوم بنت ابوبکر صدیق کا رشتہ مانگنے کیوں گئے؟؟؟؟

اگر شادی ہو چکی ہے تو پھر اِن روایات کو بیان کرنے کا کیا مقصد ہے؟ کہ:

ا۔ حضرت عمر نے دیکھتے ہی سب سے پہلے اسے سینے سے لگا لیا۔(ایسا کیوں ہوا؟)

۲۔ اُن کے بوسے لینے شروع کر دیئے۔ (ایسا کیوں ہوا؟)

۳۔ اُن کی پنڈلی کھول دی۔ (ایسا کیوں ہوا؟)

۴۔ تو پھر اگر یہی بات ہے تو سیدہ امِّ کلثوم چھوٹی سی بچی ہونے کے باوجود غضبناک ہوگئیں، اور ایسے جملے کہے جو عقلمند عورت ہی کہہ سکتی ہے۔
(ایسا کیوں ہوا؟)

۵۔ اگر مان لیا جائے کہ یہ شادی ہو چکی ہے اور امِّ کلثوم کا (من گھڑت) روایات کے مطابق نکاح ہو چکا ہے تو پھر اس کا کیا مطلب ہے کہ سیدہ نے کہا کہ تم امیر المؤمنین نہ ہوتے تو میں تمہاری ناک توڑ دیتی۔ (ایسا کیوں ہے؟)

۶۔ انہوں نے اپنے باپ سے حضرت عمر کی شکایت کی کہ آپ نے مجھے کس بُرے بوڑھے شخص کے پاس بھیج دیا تھا، ساتھ پورا واقعہ بھی دہرایا کہ اس شخص نے میرے ساتھ ایسا معاملہ کیا ہے۔ (ایسا کیوں؟ کیا یہ صحیح باتیں ہیں؟)

۷۔ حضرت علی نے ان کا نکاح امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی یہ تمام باتیں سننے کے باوجود بھی کر دیا۔ (کیا ایک باپ اپنی پیاری لاڈلی اور چہیتی بیٹی کو اتنا کچھ ہونے کے باوجود ایسے شخص کو دے دینا گوارا کرتا ہے؟ اور پھر کیا امیر المؤمنین جنابِ فاروق اعظم نے ایسا کیا ہوگا؟)

اِن تمام باتوں کا جواب کون دے گا؟ وہ جو ابھی اپنی بند کوٹھیوں (قبروں) میں جا کر آرام فرما رہے ہیں، وہاں سے کوئی جواب دیں گے کہ ہم نے یہ روایات گھڑلی تھیں کہ آلِ رسول کی حرمت کو داغا جائے، آلِ رسول کے ساتھ دشمنی رکھی جائے۔

اِن تمام روایات کے ہر ہر جملے دوسری روایات کے جملوں کی وضاحت بھی کر رہی ہیں اور تردید بھی کر رہے ہیں اور ہر روایت میں سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور مولائے

کائنات علی شیرِ خدا کرّم اللہ وجہہ الکریم کی توہین کا راستہ تلاش کر کے دیا جا رہا ہے تا کہ ایک نیا فرقہ جنم لے ورنہ ایسی کوئی بات موجود نہیں۔

غیر جانبدار تبصرہ:

غیر جانبدار تبصرہ اُس گفتگو کو کہتے ہیں کہ جس میں کسی ایک کی حمایت میں باتیں نہیں کی جاتیں بلکہ فریقین کو ایک ہی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

جبکہ یہاں حقیقت کو سامنے رکھ کر اپنے دل سے بغض صحابہ اور بغضِ اہل بیت نکال کر فیصلہ کرنا ہے کہ حقیقت کیا ہے۔ تو معلوم یہی ہوگا کہ سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ساتھ سیدہ امِّ کلثوم کے نکاح کے متعلق غیر ثقہ روایات کی کتابوں میں ہر گز کمی نہیں جو شخص بھی اِس موضوع پر قلم اُٹھاتا ہے وہ اِن مختلف عبارات میں معمولی یا غیر معمولی تصرف کرنے کے بعد نہائیت آسانی سے اپنی کتاب کو ضخیم بناتے ہوئے ہر دو عظیم ہستیوں پر کیچڑ اچھالتے ہوئے اپنے آپ کو محدث اور مفکر کہلوانے کی آرزو میں یہ بات ثابت کر دیتے ہیں کہ یہ نکاح ضرور ہوا تھا۔ اور ساتھ ساتھ فتویٰ بھی ٹھوک دیتے ہیں جو نہیں مانتا وہ خناس ہے وہ دیُّوس اور بد مذہب، بدعقیدہ ہے۔

اِن روایات کا نہ درایتاً حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق ہے اور نہ ہی روایتاً یہ سچی باتیں ہیں کیوں کہ اگر اِن راویوں کی حقیقت کو دیکھا جائے تو ہر طرف سے یہی جواب ملتا ہے کہ وہ متہم بالکذب ہیں یا وغیرہ وغیرہ۔۔۔

گذشتہ روایات پر تجزیہ:

ان تمام روایات کو سامنے رکھتے ہوئے تجزیہ کیا جائے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اِس سے بڑا تاریخی جھوٹ ممکن ہی نہیں اور لگتا یہی ہے کہ ملاؤں کی اِس یونیورسٹی میں سب نے داخلہ لے رکھا ہے۔ تاہم کوشش کی جائے گی کہ انہی کتابوں کی عبارات کی اصل

صورت سامنے لائی جائے جن سے مصنفین نے سیدہ امّ کلثوم کا فرضی نکاح ثابت کیا ہے۔ ان تمام حقائق پر غور کرنا شروع کریں۔

حاصل کلام:

اِس نام (امّ کلثوم) کی تفصیلی وضاحت کچھ یوں بھی ملتی ہے کہ:

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ستاون برس کی عمر میں اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے اُن کی نابالغ بہن حضرت امّ کلثوم بنتِ ابی بکر صدیق کا رشتہ طلب کیا امّ المؤمنین نے اپنی بہن امّ کلثوم بنتِ ابو بکر کو یہ بات بتائی تو انہوں نے کہا کہ میں اُن سے شادی نہیں کروں گی کیونکہ وہ خود بھی سخت زندگی گزارتے ہیں اور اپنی بیویوں پر بھی سختی کرتے ہیں۔

امّ المؤمنین نے ایک شخص سے اپنی پریشانی کا اظہار کیا کہ جناب عمر میری بہن امّ کلثوم کا رشتہ مانگتے ہیں مگر وہ نہیں مانتی۔ اُس شخص نے کہا میں حضرت عمر کو سمجھا دوں گا، پھر اُس شخص نے حضرت حضرت عمر سے کہا کہ ابو بکر کی بیٹی نازوں میں پلی ہوئی ہے جبکہ آپ سخت گیر انسان ہیں میں آپ کو ایک اور رشتہ بتاتا ہوں اور وہ رشتہ امّ کلثوم بنتِ علی کا ہے اس نکاح سے آپ کا رشتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مل جائے گا۔

جنابِ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اِس مشورہ پر عمل کرتے ہوئے حضرت علی سے کہا کہ اپنی بیٹی اُمّ کلثوم کا نکاح میرے ساتھ کر دیں حضرت علی نے کہا وہ نابالغ ہے۔ حضرت عمر نے کہا کہ یہ بات درست نہیں دراصل آپ مجھے رشتہ دینے سے انکار کر رہے ہیں حضرت علی نے کہا میں اُسے آپ کے پاس بھیج دیتا ہوں آپ خود دیکھ لیں اگر پسند ہو تو میں اُس کا نکاح آپ کے ساتھ کر دوں گا۔

امّ کلثوم بن سنور کر حضرت عمر کے پاس گئیں تو انہوں نے اپنی باہیں پھیلا کر اپنی

آغوش میں جکڑ لیا پھر اُن کے بوسے لینے شروع کر دیئے یہاں تک کہ اُن کی پنڈلی پکڑ کر برہنہ کر دی، حضرت امّ کلثوم نے اِن حرکات پر غضبناک ہوتے ہوئے کہا کہ اگر تو مومنوں کا امیر نہ ہوتا تو میں تیری ناک توڑ دیتی اور تیری آنکھیں پھوڑ دیتی۔

اِسی حالتِ غضب میں واپس آ کر اُنہوں نے اپنے باپ حضرت علی سے کہا کہ آپ نے مجھے کس بُرے بوڑھے کے پاس بھیج دیا تھا؟۔ اِس پر مولیٰ کائنات نے کہا بیٹی وہ تیرے شوہر ہیں تو اُن کی بیوی ہے۔ (نسب رسول ج ۲، ص ۸۶)

امِّ کلثوم تاریخِ طبری میں:

وخطب ام کلثوم بنت ابی بکر صدیق وھی صغیرة وارسل فیھا الی عائشة فقالت الامر الیك فقالت امِّ کلثوم ولاحاجة لی فیه فقالت لھا عائشة ترغبین عن امیر المؤمنین؟ قالت نعم انه خشین العیش شدید علی النساء فارسلت عائشة الی عمرو بن العاص فاخبرته فقال انا اکفیك فأتی عمر فقال ! یاامیر المؤمنین بلغنی خبر اعیذك بالله منه قال اناما ھو؟ قال خطبت ام کلثوم بنت ابی بکر قال: نعم افرغبت بی عنھا ام رغبت بھا عنی؟ قال: لاواحدة ولکنھا حدثة نشائت تحت کنف ام المؤمنین فی لین ورفق وفیك غلظة نحن نھابك وما نقدان نردك عن خلق من اخلاقك فکیف بھا ان خالفتك فی شئ فسطوت بھا کنت قد خلقت ابابکر فی ولدہٖ بغیر مایحق علیك قال فکیف بعائشة وقد کلمتھا؟ قال انالك بھا وادلك علی خیر منھا ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب تعلق منھا بسبب من رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه (وآلہٖ) وسلم قال (المدائنی) وخطب ام ابان بنتِ عتبة بن ربیعة فکرھته وقالت یغلق بابه ویمنع خیرہ ویدخل عابسا ویخرج عابسا"۔

تاریخ طبری فصل الامیر المؤمنین عمر باب ذکر اسماء ولدہ ونسائه ج۲، ص۲۷۰

ترجمہ: مدائنی کی روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق نے حضرت عائشہ سے امِّ کلثوم بنتِ ابی بکر کا رشتہ طلب کیا جبکہ امِّ کلثوم بنتِ ابی بکر اُس وقت کم سن بچی تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے امِّ کلثوم سے اس نکاح کے بارے میں دریافت کیا تو اُس نے کہا میں اُن کے ساتھ نکاح نہیں کروں گی۔ حضرت

عائشہ نے فرمایا کیا تو امیر المؤمنین کے ساتھ نکاح سے انکار کرتی ہے؟

اُس نے کہا! ہاں اُن کی اپنی طبیعت بڑی سخت ہے اور وہ عورتوں کے ساتھ بھی سخت مزاجی سے پیش آتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے عمرو بن العاص کو بلا کر یہ ماجرا بتایا کہ حضرت عمر نے میری بہن امِّ کلثوم کا رشتہ مانگا تھا مگر وہ انکار کرتی ہے۔

عمرو بن العاص نے کہا کہ:

مجھ پر چھوڑ دیں میں آپ کی کفایت کروں گا۔

پھر وہ حضرت عمر کے پاس آئے اور کہا کہ مجھے ایک ایسی خبر ملی ہے کہ جس سے میں آپ کے لیے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔

حضرت عمر نے کہا کہ وہ خبر کیا ہے؟ (عمرو بن العاص) نے کہا کہ آپ نے اُمِّ کلثوم بنت ابی بکر صدیق کا رشتہ طلب کیا ہے؟

حضرت عمر نے کہا ہاں کیا تم مجھے اس سے الگ رکھنا چاہتے ہو یا خود ہی تم اِس رشتہ کے طلبگار ہو؟

ابن العاص نے کہا! میں دونوں میں سے ایک کام بھی نہیں کرنا چاہتا۔

اصل بات یہ ہے کہ امِّ کلثوم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے زیرِ عاطفت نہایت آرام وراحت اور خوشحالی کی زندگی بسر کر رہی ہے جبکہ آپ کے مزاج کی شدت سے ہم لوگ بھی خوفزدہ ہیں اب جبکہ آپ کی کسی عادت کو بدلنا ہمارے بس میں بھی نہیں تو اُس بچی کا اُس وقت کیا حال ہوگا جب وہ کسی بات میں آپ سے اختلاف کرے گی اور آپ اُس پر غالب رہیں گے۔

اندریں صورت آپ حضرت ابوبکر صدیق کی اولاد کے ساتھ انصاف نہیں کر سکیں گے۔ اور اُن کا وہ حق ادا نہیں کر سکیں گے جو آپ پر ہے۔ حضرت عمر نے کہا کہ میں نے حضرت عائشہ سے رشتہ مانگ رکھا ہے اُسے کیا جواب دوں گا؟

ابن العاص نے کہا کہ یہ کام آپ مجھ پر چھوڑ دیں میں اُن سے بات کرلوں گا اور آپ کو اِس سے بہتر ایک اور رشتہ بتاتا ہوں۔ اور وہ امِّ کلثوم بنتِ فاطمہ کا ہے اِس کی وجہ سے آپ کا تعلق بھی قائم ہو جائے گا۔

مذکورہ روایت پر جنم لینے والے سوالات:

مذکورہ روایت کے پہلے حصہ میں جنابِ عمر حضرت ابوبکر صدیق کی بیٹی کا رشتہ مانگنے گئے اور امِّ کلثوم نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ جنابِ عمر بہت سخت رو ہیں میں اُن کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔

پھر جنابِ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عمرو بن العاص سے اِس بات کا اظہار کیا تو انہوں نے کہا کہ یہ کام مجھ پر چھوڑ دیں۔

اس کے بعد جنابِ عمرو بن عاص جنابِ حضرت عمر کے پاس آئے ان کو کہا کہ:

امِّ کلثوم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے زیرِ عاطفت نہایت آرام و راحت اور خوشحالی کی زندگی بسر کر رہی ہے جبکہ آپ کے مزاج کی شدت سے ہم لوگ بھی خوفزدہ ہیں اب جبکہ آپ کی کسی عادت کو بدلنا ہمارے بس میں بھی نہیں تو اُس بچی کا اُس وقت کیا حال ہوگا جب وہ کسی بات میں آپ سے اختلاف کرے گی اور آپ اُس پر غالب رہیں گے۔ اندریں صورت آپ حضرت ابوبکر صدیق کی اولاد کے ساتھ انصاف نہیں کرسکیں گے۔ اور اُن کا وہ حق ادا نہیں کرسکیں گے جو آپ پر ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جنابِ امیر المؤمنین نے امِّ کلثوم بنت ابی بکر صدیق کا رشتہ کیوں طلب کیا تھا کیا وہاں پر کون سا تعلق قائم کرنا چاہتے تھے؟؟؟ (العیاذ باللہ)

اور پھر جنابِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کہنے پر عمرو بن عاص نے جنابِ عمر سے کہا کہ امِّ کلثوم بنتِ ابی بکر صدیق ابھی بچی ہے آپ کو امِّ کلثوم نامی ایک اور لڑکی کا رشتہ

بتا تا ہوں اُس کے ساتھ شادی کر لیں۔

بعد از اں ابن العاص نے کہا وہ رشتہ علی ابن ابی طالب کی بیٹی ام کلثوم کا ہے اُس کی وجہ سے آپ کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کے ساتھ بھی قائم ہو جائے گا۔کیا امّ کلثوم بنتِ فاطمہ ابھی بچی نہیں تھیں؟

کیا امّ کلثوم بنتِ فاطمہ لاڈ پیار سے نہیں پلی تھیں؟

کہ جناب عمرو بن العاص نے امّ کلثوم بنت ابی بکر صدیق کو لاڈلی کہہ کر سیدہ امّ کلثوم بنت فاطمہ کی طرف موڑ دیا ایسا کرنے کی ضرورت کیا محسوس کی گئی جس کی وجہ سے یہ معاملہ پیش آیا؟

اس کے علاوہ ایک اور انکشاف بھی کیا جا رہا ہے جس کو تاریخِ طبری میں بیان کیا گیا ہے تسلی کے لیے ملاحظہ فرمائیں اور فیصلہ کریں کہ حقیقت کیا ہے۔

علامہ طبری کا ایک انکشاف:

طبری نے اپنی تاریخ میں ایک عبارت یوں بھی نقل کی ہے کہ:

> حضرت عمر نے امّ بان بنتِ ربیعہ کی طرف بھی پیغام نکاح بھیجا مگر اُس نے آپ کو ناپسند کرتے ہوئے کہا کہ وہ اپنا دروازہ بند رکھتے ہیں مال خرچ نہیں کرتے اور آتے جاتے ہر وقت منہ بنائے اور تیوری چڑھائے رکھتے ہیں۔

معزز قارئین! اب فیصلہ کریں کہ یہ تین رشتے جنابِ امیر المؤمنین کے لیے منسوب کر رکھے ہیں ان کے متعلق حقیقت کہاں تک صحیح ہے یہ آئندہ اوراق میں ذکر کر دی جائے گی جبکہ فیصلہ صرف آپ کے ذہن پر ہے۔

امِّ کلثوم ابنِ اثیر کے نزدیک کون:

اسی روایت کو معمولی لفظی تغیُّر کے ساتھ تاریخِ کامل میں ابن اثیر نے اس طرح سے لکھا ہے کہ:

"وخطب امِّ کلثوم ابنة ابی بکرن الصدیق الی عائشة فقالت اُمّ کلثوم لاحاجة لی فیه انه خشین العیش شدیدعلی النساء فارسلت عائشة الی عمروابن العاص فقال انا اکفیك فاتی عمر فقال:

بلغنی خبرا عیذك بالله منه قال ماھو؟

قال خطب ام کلثوم بنتِ ابی بکر قال: نعم افرغبت بی عنها امِّ رغبت بها عنی؟

قال : لاواحدة ولکنهاحدثة نسات تحت کنف امیرالمؤمنین فی لین ورفق، وفیك غلظة ونحن نهابك ومانقدان نردك عن خلق من اخلاقك فکیف بهاان خالفتك فی شئ فسطوت بها کنت قد خلقت ابابکر فی ولده بغیرمایحق علیك وقال فکیف بعائشة وقد کلّمتها؟

قال انالك بهاوادلك علی خیر منها امِّ کلثوم بنت علی ابن ابی طالب تعلق منها بسبب من رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وخطب امّ ابان بنت عتبة بن ربیعة فکرهته وقالت یغلق بابه ویمنع خیره، ویدخل عابساً ویخرج عابساً"۔

تاریخ الکامل ابنِ اثیر ج۳، ص۵۵

ترجمہ: اورحضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے امِّ کلثوم بنتِ ابی بکرصدیق رضی اللہ عنہا کا رشتہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا اسے مانگا تو اُمِّ کلثوم نے کہا مجھے ان کی

ضرورت نہیں وہ عورتوں پر سختی کرتے ہیں اور سخت زندگی بسر کرتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عمرو بن العاص کو بلا کر یہ ماجرا بتایا کہ حضرت عمر نے میری بہن امّ کلثوم کا رشتہ مانگا تھا مگر وہ انکار کرتی ہے۔

عمرو بن العاص نے کہا مجھ پر چھوڑ دیں میں آپ کی کفایت کروں گا پھر وہ حضرت عمر کے پاس آئے اور کہا مجھے ایک ایسی خبر ملی ہے جس سے میں آپ کے لیے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔

حضرت عمر نے کہا وہ خبر کیا ہے؟

عمرو بن العاص فرمایا کیا آپ نے اُمّ کلثوم بنت ابی بکر کا رشتہ طلب کیا ہے؟

حضرت عمر نے کہا ہاں کیا تم مجھے اُس سے الگ رکھنا چاہتے ہو یا خود ہی تم اس رشتہ کے طلبگار ہو؟

ابن العاص نے کہا میں دونوں میں سے ایک کام بھی نہیں کرنا چاہتا اصل بات یہ ہے کہ امّ کلثوم امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیق کے زیرِ عاطفت نہایت، آرام وراحت اور خوشحالی کی زندگی بسر کر رہی ہے جبکہ آپ کے مزاج کی شدت سے ہم لوگ بھی خوفزدہ ہیں اب جبکہ آپ کی کسی عادت کو بدلنا ہمارے بس میں بھی نہیں تو اُس بچی کا اُس وقت کیا حال ہوگا جب وہ کسی بات میں آپ سے اختلاف کرے گی اور آپ اُس پر غالب رہیں گے۔

اندریں صورت آپ حضرت ابو بکر صدیق کی اولاد کے ساتھ انصاف نہیں کرسکیں گے اور اُن کا وہ حق ادا نہیں کرسکیں گے جو آپ پر ہے۔

حضرت عمر نے کہا میں نے حضرت عائشہ سے رشتہ مانگا ہے اُسے کیا جواب دوں گا؟

ابن العاص نے کہا کہ یہ کام آپ مجھ پر چھوڑ دیں میں اُن سے بات کرلوں گا اور آپ کو اِس سے بہتر ایک اور رشتہ بتاتا ہوں۔

اِس کے بعد ابن العاص نے کہا کہ وہ رشتہ علی ابن ابی طالب کی بیٹی امّ کلثوم کا ہے اُس کی وجہ سے آپ کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ بھی قائم ہو جائے گا۔

حضرت عمر فاروق نے اُمّ ِ بان بنتِ ربیعہ کی طرف بھی پیغام بھیجا مگر اُس نے آپ کو ناپسند کرتے ہوئے کہا وہ اپنا دروازہ بند رکھتے ہیں مال خرچ نہیں کرتے اور آتے جاتے ہر وقت منہ بنائے اور تیوری چڑھائے رکھتے ہیں۔

یک نہ شد تو دوم شود:

بلتستان کی زبان بلتی میں ایک مشہور کہاوت ہے کہ:

بلی نہ بلی پھت بلی،

بلی نہ بلی پھت بلی والے کلیہ کے تحت امّ کلثوم بنتِ ابو بکر کے بعد امّ کلثوم بنتِ علی پر نظر جمادی جس کو تاریخ کی ثقہ کتاب البدایہ والنہایہ میں حافظ ابن کثیر نے یہ روایت اپنے ذوق کے مطابق اِس طرح بیان کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو بکر کی بیٹی امّ کلثوم کو بھی (جب کہ وہ چھوٹی تھیں) نکاح کا پیغام دیا تھا اور اِس بارے میں حضرت عائشہ نے مراسلت کی تو امّ کلثوم نے کہا مجھے ان کی ضرورت نہیں حضرت عائشہ نے کہا کیا تو امیر المؤمنین سے بے رغبتی کرتی ہے؟

اُس نے کہا ہاں وہ سخت زندگی گزارتے ہیں حضرت عائشہ نے جنابِ عمرو بن العاص کو پیغام بھیجا تو عمرو بن العاصنے حضرت عمر کو امّ کلثوم کے بارے میں روک دیا اور انہیں امّ کلثوم بنتِ علی ابن ابی طالب کے متعلق بتایا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بیٹی حضرت فاطمہ سے ہیں اور کہا اِس کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے قرابت کا رشتہ پیدا کریں۔ پس آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان سے نکاح کا پیغام دیا تو آپ نے امّ کلثوم کے ساتھ آپ کا نکاح کر دیا اور حضرت عمر نے حضرت امّ کلثوم کو چالیس ہزار درہم

مہر دیا اور ان سے آپ کے ہاں زید اور رقیہ پیدا ہوئے۔

البدایہ والنہایہ ج۷، ص۲۸۱

نکاحِ امِّ کلثوم تاریخ ابنِ خلدون میں:

تاریخ ابن خلدون میں اِس نکاح کو دیگر کتب تاریخ کے حوالہ سے اِس طرح ثابت کیا گیا ہے کہ:

اُمِّ کلثوم بنتِ علی ابن ابی طالب کے واقعہ تزویج کو بڑے معتمد و معتبر مؤرخین طبری ، ابن حبان، ابن قتیبہ اور ابن اثیر نے اپنی اپنی کتابوں میں تصریح کے ساتھ لکھا ہے کہ فاروق اعظم نے امِّ کلثوم بنتِ فاطمہ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح کیا اور وہ ان کی بیوی تھیں۔کتاب الثقاۃ میں ابن حبان ۱۷ھ کے واقعات میں یوں لکھتا ہے کہ:

"ثم تزوج عمر ام کلثوم بنت علی ابن ابی طالب وھی من فاطمہ ودخل بھا فی شھر ذی القعدہ"۔

ترجمہ: عمر نے ام کلثوم بنتِ علی ابن ابی طالب سے جو فاطمہ کے بطن سے تھیں عقد کیا اور ماہِ ذیقعدہ میں عروسی کی۔

اور پھر ابن اثیر تاریخ کامل میں یوں رقم طراز ہیں کہ:

"ثم تزوج ام کلثوم بنت علی ابن ابی طالب وامھا فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و اصدقھا اربعین الفاً"۔

ترجمہ: عمر نے ام کلثوم بنتِ علی ابن ابی طالب سے عقد کیا امِّ کلثوم کی ماں فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھیں اور چالیس ہزار مہر ادا کیا۔

ابن قتیبہ نے معارف میں ذکرِ اولادِ عمر میں لکھا ہے کہ:

"وفاطمۃ زید وامُّھا امِّ کلثوم بنت علی ابنِ ابی طالب من فاطمۃ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ (وآلہٖ) وسلم"۔

ترجمہ: اور فاطمہ و زید ان کی ماں امِّ کلثوم ہیں جو علی ابن ابی طالب کی بیٹی فاطمہ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بطن سے تھیں۔

اسد الغابہ فی احوال الصحابہ میں ابن اثیر نے تفصیل کے ساتھ واقعہ تزویج کو لکھا ہے اور طبری نے جا بجا اس کی تصریح کی ہے، بخاری شریف باب الجہاد میں بھی ضمناً اس کا بیان موجود ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر نے عورتوں کو چادریں تقسیم کیں ایک چادر بچ گئی اس کی نسبت تردد ہوا کہ کس کو دی جائے حاضرین میں سے ایک نے حضرت عمر کو مخاطب کر کے کہا امیر المؤمنین (اعط ھذا بنتِ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و آلہٖ وسلم التی عندک یریدون ام کلثوم) یعنی اے امیر المؤمنین یہ چادر بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیجئے جو آپ کے پاس ہیں۔ ان لوگوں نے اشارۃ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امّ کلثوم کو کہا تھا اس سے زیادہ اور کیا تصریح ہو سکتی ہے۔ ہاں حضرت عمر کی ایک بیوی امّ کلثوم نامی تھیں جن کی تصریح مؤرخین نے کر دی ہے ابن اثیر نے لکھا ہے کہ ان امّ کلثوم نے حضرت عمر کے ساتھ عقد کرنے سے انکار کر دیا تھا تب انہوں نے امّ کلثوم بنتِ فاطمہ کے لیے علی ابن ابی طالب سے درخواست کی اور جنابِ امیر نے حضرت عمر سے ان کا عقد کر دیا۔

مذکورہ روایات پر تبصرہ:

پیش کی جانے والی مذکورہ روایات جن کو دوسری طرف کے لوگوں نے اپنے مطلب کے لیے اہلِ بیت کے نام کو مٹانے کی خاطر پوری عبارات کو کاٹ کر پیش کیا کسی عبارت کو شروع سے کاٹ دیا کسی کا درمیانی حصہ الگ کر دیا، کسی کے آخری حروف کو الگ کر کے پیش کر دیا ایسے روایات کو توڑ پھوڑ کر پیش کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ملتا ظاہراً اپنا ایمان ضائع کرنے کی اچھی کاوش ہے کیونکہ مشہور کہاوت ہے کہ چونے کی

بوری سے آٹا نہیں نکلتا اور کسی نے کیا خوب کہا تھا کہ:

بجھا سکو تو دیا بجھا دو
دبا سکو تو صدا دبا دو
دیا بجھے گا تو سحر ہو گی
صدا دبے گی تو حشر ہو گا

چونے کی بوری سے آٹا نہیں نکلتا:

جس طرح مشہور کہاوت ہے کہ چونے کی بوری سے آٹا نہیں نکلتا اسی طرح عبارت کو توڑ پھوڑ کر پیش کر دینے سے حقیقت نہیں بن جاتی جبکہ حقیقت کچھ اور ہوتی ہے۔

عبارت کا مفہوم تب سمجھ آسکتا ہے جب پوری عبارت کو من وعن ذکر کیا جائے ورنہ یہی کہا جائے گا کہ یہ روایات پیش کرنے والے مطلب پرست لوگ ہیں کیونکہ جو بات ان کے مطلب کی آجائے اسے مکمل وضاحت سے الگ کر کے پیش کیا جاتا ہے۔

جو روایات انہوں نے مختلف کتب سے پیش کیں ان کو مکمل طور پر بیان نہیں کیا گیا اسی لیے اس کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے ہم نے اس رسالہ کو مرتب کیا ہے کہ:

ہم اس کی مکمل چھان بین کر سکیں سب سے پہلے الاصابہ کی پوری عبارت نقل کی جائے گی۔

الاصابہ فی تمیز الصحابہ کی مکمل عبارت:

الاصابہ کی پوری عبارت یوں ہے کہ:

"امِ کلثوم بنت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہما الهاشمیة امها فاطمة بنتِ النبی صلی اللہ علیه وآلهٖ وسلم ولد فی عهد النبی صلی اللہ علیه وآلهٖ وسلم قال ابی عمر ولدت قبل وفاة النبی صلی

اللہ علیہ وآلہٖ وسلم "۔

"وقال ابی عمر و قال ابن ابی عمر المقدسی حدثنی سفیان عن عمر وعن محمد بن علی ان عمر خطب الی علی ابنته ام کلثوم فذکر له صغرها فقیل له انه ردك فعاودوه فقال له علی ابعث بها الیك فان رضیت فهی امرأتك فارسل بها الیه فکشف عن ساقها ۔

فقالت معه:

لولا انك امیر المؤمنین لطمست عینیك

"وقال ابن وهب عن عبدالرحمن بن زید بن اسلم عن ابیه عن جدهٖ وتزوج عمر ام کلثوم علی مهر اربعین الفاً"۔

(الاصابہ فی تمیز الصحابہ ج۴، ص ۴۹۲)

ترجمہ: امِّ کلثوم بنتِ علی ابن ابی طالب ہاشمیہ ہیں آپ کی والدہ محترمہ سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صاجزادی ہیں آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ظاہری حیات مبارکہ میں پیدا ہوئیں ابو عمر نے کہا کہ آپ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال سے پہلے پیدا ہوئیں۔

ابن ابی عمر مقدسی کہتے ہیں کہ مجھ سے سفیان نے عمرو سے انہوں نے محمود بن علی سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حضرت امِّ کلثوم کا رشتہ مانگا تو حضرت علی نے انہیں کہا کہ وہ صغیر سن یعنی نابالغ ہے حضرت عمر نے کہا کہ آپ اُس کی شادی میرے ساتھ کر دیں، حضرت علی نے کہا کہ میں اُسے آپ کے پاس بھیجتا ہوں، اگر آپ کی مرضی ہوئی تو وہ آپ کی بیوی ہے پھر انہوں نے حضرت امِّ کلثوم کو حضرت عمر کے پاس بھیج دیا تو انہوں نے حضرت امِّ کلثوم کی پنڈلی سے کپڑا اہٹا دیا۔

سیدہ امِّ کلثوم نے غصے سے کہا کہ اگرتو امیرالمؤمنین نہ ہوتا تو میں ضرور تیری آنکھیں پھوڑ دیتی۔ابن وہب نے عبدالرحمن بن زید بن اسلم سے اُس کے باپ اور دادا سے روایت نقل کی ہے کہ:

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چالیس ہزار درہم مہر پر امِّ کلثوم سے شادی کی۔

الاستیعاب کی مکمل عبارت:

اور پھر الاستیعاب کی مکمل عبارت یوں ہے کہ:

ام کلثوم بنتِ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہما ولدت قبل وفاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ(وآلہٖ) وسلم امہا فاطمۃ الزہرا بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ (وآلہٖ) وسلم خطبہا عمر بن الخطاب الی علی بن ابی طالب فقال الہ انہا صغیرۃ فقال لہ عمر زوجینہا یاابا الحسن فانی ارصد من کرامتہا مالا یرصد احد فقال لہ علی رضی اللہ عنہ انا ابعثہا الیك فان رضیتہا فقد زوجتکہا افبعثہا الیہ ببرد وقال لہا قول لہٗ ھذا البرد الذی قلت لك فقالت ذلك العمر فقال قولی لہ قد رضیت رضی اللہ عنك ووضع یدہ علی ساقہا فکشفہا فقالت اتعمل ھٰذا لولاانك امیرالمؤمنین لکسرت انفك ثم خرجت حتی جات اباھا فاخبرتہ الخبر وقالت بعثتنی الی شیخ سوءٍ فقال یابنیۃ انہ زوجك فجاء عمر الی مجلس المہاجرین وفی الروضۃ وکان یجلس فیہا المہاجرون الاوّلون فجلس الیہم فقال لہم زفون فقالوا بماذا یاامیرالمؤمنین قال تزوجت امِ کلثوم بنت علی ابن ابی طالب سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ(وآلہٖ) وسلم یقول کل نسب وسبب وصہر منقطع یوم القیامۃ الانسبی وسبب

وصھری فکان له به علیه السلام النسب والسبب فاردت ان اجمع الیه الصھر فزفوه۔

امِّ کلثوم بنت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہما کی ولادت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصالِ پاک سے پہلے ہوئی۔آپ کی والدہ مکرمہ سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

حضرت عمر بن خطاب نے حضرت علی ابن طالب سے حضرت امِّ کلثوم کا رشتہ مانگا تو انہوں نے فرمایا(انھا صغیرۃ) یعنی وہ ابھی چھوٹی بچی ہیں۔حضرت عمر نے کہا اے اباالحسن آپ اُس کی شادی میرے ساتھ کر دیں مجھ جیسا حسنِ سلوک اس کے ساتھ کوئی نہیں کرے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اُسے آپ کے پاس بھیجتا ہوں اگر آپ اُسے پسند کریں تو وہ آپ کی بیوی ہے۔۔۔

پھر آپ نے امِّ کلثوم کو ایک چادر دے کر بھیجا اور اُسے کہا انہیں کہنا میرے باپ نے یہ چادر بھیجی ہے اور آپ کو سلام کہا ہے۔۔۔

چنانچہ حضرت امِّ کلثوم نے حضرت عمر کے پاس جا کر وہی بات دہرائی تو انہوں نے کہا کہ میں راضی ہوں اللہ تجھ پر راضی ہو۔۔۔

اور اُس کی پنڈلی کو ہاتھ سے پکڑ لیا اور کپڑا ہٹا دیا۔۔۔(العیاذ باللہ)

حضرت امِّ کلثوم نے کہا کیا تو یہ کام کرتا ہے؟

اگر تو امیر المؤمنین نہ ہوتا تو میں تیری ناک توڑ دیتی۔

پھر امِّ کلثوم اپنے باپ کے پاس آ گئیں اور اپنے باپ سے کہا کہ آپ نے مجھے کس بُرے بوڑھے کے پاس بھیجا تھا؟

حضرت علی نے کہا بیٹی وہ تیرا شوہر ہے۔پھر حضرت عمر مہاجرین کی مجلس میں آئے جو کہ ریاض الجنۃ میں بیٹھے ہوئے تھے اور پہلے مہاجرین یہیں بیٹھا کرتے تھے اور ان

کو مخاطب کرکے کہا کہ مجھے مبارک باد دو ، انہوں نے کہا اے امیر المؤمنین کس بات کی مبارک؟ کہا کہ میں نے امِّ کلثوم بنتِ علی ابن ابی طالب سے شادی کی ہے۔کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ قیامت کے دن میرے نسب وسبب اورصہر (سسرالی) رشتہ کے سوا تمام حسب ونسب وصہر منقطع ہو جائیں گے تو میں نے چاہا کہ آپ کے ساتھ نسب وسبب کا رشتہ تو ہے اُس میں دامادی کا رشتہ بھی جمع ہو جائے۔

اور پھر اِس روایت کے اِس اگلے حصہ کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

حدثنا عبدالوارث حدثنا قاسم حدثنا الخشنی حدثنا ابن ابی عمروبن دیناعن محمد بن علی ان عمر بن الخطاب خطب الی ابنته امِّ کلثوم فذ کرله صغرها فقیل له انه ردك فعادوه...

فقال له علی ابعث بهاالیك فان رضیت فهی امرأتك فارسل بهاالیه فکشف عن ساقها فقالت مه " والله لولاانك امیرالمؤمنین لطمست عنیك "۔

وذکر ابن وهب عن عبدالرحمن بن زیدبن اسلم عن ابیه عن جده ان عمر بن خطاب تزوج امِّ کلثوم بنت علی ابن ابی طالب علی مهر اربعین الفاً ۔ (الاستیعاب، ج ۴ص ۴۹۲)

عبدالوارث نے راویان قاسم خشنی ابن ابی عمرو، سفیان، عمر بن دینا، محمد بن علی سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے حضرت علی سے اُن کی بیٹی امِّ کلثوم کا رشتہ مانگا تو انہوں نے کہا وہ صغیر سن (نابالغ بچی) ہے۔

حضرت عمر نے کہا کہ آپ اُسے میرے پاس بھیج دیں حضرت علی نے کہا میں اُسے آپ کے پاس بھیجتا ہوں اگر آپ پسند کرلیں تو وہ آپ کی بیوی ہے پھر انہوں نے حضرت امِّ کلثوم کو حضرت عمر کے پاس بھیج دیا تو انہوں (حضرت عمر) نے اُس (سیدہ امِّ کلثوم بنت فاطمہ سلام اللہ علیہا) کی بنڈلی کھول

دی۔ اِس پر سیدہ امِّ کلثوم نے غصہ میں آ کر کہا کہ خدا کی قسم اگر تو امیر المؤمنین نہ ہوتا تو میں تیری آنکھیں پھوڑ دیتی۔

ابن وہب نے عبدالرحمن بن زید بن اسلم سے اُس نے اپنے باپ دادا سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے حضرت علی ابن ابی طالب کی بیٹی امِّ کلثوم کے ساتھ چالیس ہزار مہر پر شادی کی۔

عجب رسم ہے چارہ گروں کی محفل میں:

اب انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں کہ مذکورہ روایات میں راوی نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ (انہا صغیرۃ) وہ بچی ہے یعنی نابالغ ہے۔

اگر سیدہ کو بچی مان لیا جائے تو پھر ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے کہ پانچ سالہ بچی کو اتنا شعور کیسے ہے کہ اُس کی پنڈلی سے کپڑا ہٹا دیا جائے تو وہ اتنے جامع الفاظ کہ (لکسرت انفک اولطسمت عینیک) کیسے کہہ سکتی ہے؟

از راہِ خدا انصاف سے کام لیں۔

اگر یہ مان لیا جائے کہ وہ بالغ تھیں بچی نہیں تھیں باشعور تھیں تو پھر ایک اور بڑا اعتراض اُٹھتا ہے جو خلیفۃ الرسول کی شان کے خلاف ہے۔

وہ اِس طرح کہ بالغ بچی کی پنڈلی سے کپڑا ہٹانا تو کبیرہ گناہ ہے جبکہ اِس بات کو بھی عقل تسلیم نہیں کرتی کہ ایک تو حضرت عمر کو امیر المؤمنین بھی کہا جائے۔

اور یہ روایت بھی پڑھی جائے کہ (ان الشیطن یفرُّ من ظل عمر) پھر ایسی روایات بھی بیان کی جائیں ان باتوں کو ذہن نشین کرنا اہل ایمان کا کردار نہیں لگتا۔

جبکہ مذکورہ روایات نہ درایتاً صحیح لگتی ہیں اور نہ ہی روایتاً کیونکہ ان میں جھوٹ کا احتمال پایا جا رہا ہے۔

ذخائر العقبیٰ کی مکمل روایت:

اسی طرح ذخائر العقبیٰ میں بھی ایک روایت موجود ہے جس کو بڑی ہی بد دیانتی کے ساتھ نکاح کو ثابت کرنے کی غرض سے نقل کیا جاتا ہے جبکہ یہ مکمل روایت یوں ہے:

قال ابن اسحٰق حدثنی عاصم بن قتادۃ قال خطب عمر الی علی ابنتہ امِّ کلثوم فاقبل علی علیہ وقال انہا صغیرۃ فقال عمر لا واللہ ماذلك بك ولكن اردت منعی فان کانت کما تقول فابعثہا الی امیر المؤمنین وقولی لہ یقول لك ابی کیف تری ھٰذہ الحلۃ فاتتہ بہا وقالت لہٗ ذلك فاخذ عمر بذراعہا فاجذبتہا منہ وقالت ارسلہا فارسلہا وقال حصان کریم الطلقی قولی لہ ما احسنہا واجملہا ولیست واللہ کما قلت فزوجہا ایاہ وذکر ابو عمران عمر قال لہ قال انہا صغیرۃ: زوجنیہا یا اباالحسن فانی ارصد من کرامتہا مالا یرصدہ احد فقال رضی اللہ عنہ لہ:

انا ابعثہا الیك فان رضیتہا فقد زوجتکہا فبعثہا الیہ ببرد فقال لہا قولی لہ ھٰذا البرد الذی قلت لك فقالت ذلك لعمر فقال قولی لہٗ قد رضیت رضی اللہ عنك ووضع یدہ علی ساقہا فکشفہا فقالت اتفعل ھٰذا لولا انك امیر المؤمنین لکسرت انفك ثم خرجت حتٰی اتت اباہا فاخبرتہ الخبر وقالت ابعثنی الی شیخ سوء قال یابنیۃ فانہ زوجك فجاء عمر الی مجلس المہاجرین فی الروضۃ وکان یجلس فیہا المہاجرون الاولون فجلس الیہم وقال لہم زفونی قالوا بمن یاامیر المؤمنین قال تزوجت امِّ کلثوم بنتِ علی ابن ابی طالب سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یقول کل سبب ونسب وصہر منقطع یوم القیامۃ الاسببی ونسبی وصہری

فزفوه وفی روایة انها قالت لولا انك امیرالمؤمنین لطمست عینیك"۔ (ذخائر العقبیٰ ص١٦٨)

ابن اسحاق نے کہا کہ مجھ سے عاصم بن قتادہ نے حدیث بیان کی ہے کہ حضرت عمر نے حضرت علی سے اُن کی بیٹی امِّ کلثوم کا رشتہ طلب کیا تو انھوں نے کہا کہ (انها صغیرة) وہ چھوٹی بچی ہے اور شادی کے قابل نہیں۔ حضرت عمر نے کہا:

نہیں خدا کی قسم! یہ بات درست نہیں مگر آپ مجھے رشتہ نہیں دینا چاہتے اور اگر ایسے ہی ہے جیسے آپ کہتے ہیں تو اپنی لڑکی کو میرے پاس بھیج دیں۔

حضرت علی واپس آئے اور اپنی بیٹی کو بلا کر ایک چادر دی اور کہا یہ چادر پاس رکھ لے اور امیر المؤمنین کے پاس چلی جا اور انہیں کہنا میرے باپ نے کہا ہے آپ نے اِس چادر کو کیسی پایا؟

حضرت علی کی بیٹی (سیدہ امِّ کلثوم) یہ چادر لے جا کر حضرت عمر کے پاس چلی گئیں اور اُن کے سامنے اپنے باپ کی کہی ہوئی بات دُہرا دی، پھر وہ چادر حضرت عمر کو دے کر واپس لے لی اور کہا کہ میں جاؤں؟

حضرت عمر نے کہا ہاں اور اپنے باپ سے کہنا پاکیزہ عمدہ اور حسین وجمیل ہے اور ایسی نہیں جیسی آپ نے کہا تھا پھر سیدہ امِّ کلثوم سے حضرت عمر نے شادی کر لی۔

ابوعمرو نے کہا کہ جب حضرت علی نے فرمایا کہ میری بیٹی نابالغ ہے تو حضرت عمر نے کہا اے اباالحسن! آپ اُسے میرے زوجیت میں دے دیں دنیا میں مجھ سے بہتر سلوک اُس کے ساتھ کوئی نہیں کر سکے گا۔

حضرت علی نے فرمایا کہ میں اُسے آپ کے پاس بھیجتا ہوں اگر آپ کو پسند آجائے تو وہ آپ کی بیوی ہے پھر آپ نے ایک چادر دے کر کہا کہ:

حضرت عمر کے پاس جا کر کہنا کہ یہ وہ چادر ہے جس کے بارے میں میں نے آپ

سے بات کی تھی، انہوں نے حضرت عمر کے پاس جا کر وہ بات کی۔

تو انہوں نے کہا اللہ تجھ سے راضی ہو مجھے تو پسند ہے اور اس کے ساتھ ہی امِّ کلثوم کی پنڈلی ہاتھ سے پکڑ کر برہنہ کر دی۔ اس پر سیدہ امِّ کلثوم نے کہا کیا تو ایسے کام کرتا ہے اگر تو امیر المؤمنین نہ ہوتا تو میں تیری ناک توڑ دیتی۔

پھر وہ اپنے باپ کے پاس آگئیں اور کہا ابا جان! آپ نے مجھے کتنے برے بڈھے کے پاس بھیجا تھا؟

حضرت علی نے کہا: بیٹی وہ تیرا شوہر ہے۔ پھر حضرت عمر روضۃ اولین میں مہاجرین کے پاس آئے اور انہیں کہا مجھے مبارک باد دو انہوں نے کہا اے امیر المؤمنین کس بات کی مبارک باد دیں؟

فرمایا کہ میں نے علی ابن ابی طالب کی بیٹی امِّ کلثوم سے شادی کی ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ قیامت کے دن سوائے میرے نسب اور سبب اور صہر کے ہر نسب اور سبب اور صہر منقطع ہو جائے گا۔ اس پر انہوں نے آپ کو مبارک باد پیش کی۔

(ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت امِّ کلثوم نے حضرت عمر کو کہا اگر تو امیر المؤمنین نہ ہوتا تو میں تیری آنکھیں پھوڑ دیتی۔) (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

کھوکھلا جھوٹ:

امیر المؤمنین جناب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظیم المرتبت ذاتِ اقدس پر اِس خود ساختہ کہانی میں جو رکیک حملے کیئے گئے ہیں وہ کہانی کار کے ضیاعِ ایمان کے لیے ناکافی نہیں اور اِس قسم کی دیومالائی کہانیوں کو قرآن وحدیث کا درجہ دینے والوں کے ایمان کا خطرہ سے خالی نہ ہونا بھی غیر ممکن نہیں۔

بہر کیف ہم ان تمام تر کہانیوں کو جزیئات کی صورت میں پیش کر رہے ہیں اور ہر جزیہ میں پوشیدہ کذب وافترا اور ہولناکیوں کو اِس یقین کے ساتھ آپ کے سامنے لا رہے ہیں کہ:

آپ ہمارے لیے نہیں بلکہ جناب امیر المؤمنین ابوبکر صدیق اور حضرت عمر اور سیدنا حیدر کرار اور سیدہ امِّ کلثوم رضی اللہ عنہم کی ذواتِ اقدس پر حرف لانے والے ہر حرف کو مسترد کر دیں گے اور طلوعِ آفتاب کو دلیل آفتاب متصور کریں گے۔ **(انشاء اللّٰہ)**

پہلا جزیہ:

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امِّ المؤمنین جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اُن کی بہن امِّ کلثوم بنتِ ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما کا رشتہ مانگا تھا جو کہ امُّ المؤمنین کے زیرِ کفالت تھیں مگر امِّ کلثوم بنتِ ابوبکر رضی اللہ عنہما نے اپنی بہن کی بات ماننے سے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود بھی سخت زندگی بسر کرتے ہیں اور اپنی بیویوں پر بھی سختی کرتے ہیں۔

امِّ کلثوم بنتِ ابوبکر رضی اللہ عنہما:

سب سے پہلے حضرت امِّ کلثوم بنتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کا تعارف ملاحظہ فرمائیں کہ ریاض النضرہ فی مناقب العشرہ میں ہے کہ:

وام كلثوم وهى اصغر بناته وهى التى قال ابوبكر فيها ذوبطن بنتِ خارجة وقد تقدم ذالك فى ذكر فراسته من فصل فضائله امها حبيبة بنتِ خارجة بن زيد كان ابوبكر قد نزل عليه و تزوجت ابنته وتوفى عنها و تركها حبلى فولدت بعده ام كلثوم هٰذه۔

"ولما كبرت خطبها عمر بن الخطاب الى عائشة فانعمت له

وکرهت ام کلثوم فاحتالت له حتى امسك وتزوجها طلحة بن عبيد الله"۔ (ریاض النضرہ فی مناقب العشرہ ج۱ص۲۶۸)

اور امِّ کلثوم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی چھوٹی صاجزادی ہیں جن کے بارے میں حضرت ابوبکر صدیق نے اُس وقت مطلع کیا تھا جب وہ اپنی ماں بنتِ خارجہ کے پیٹ میں تھیں۔

امِّ کلثوم کی والدہ حبیبہ بنتِ خارجہ بن زید ہیں حضرت ابوبکر جنابِ خارجہ بن زید رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ہاں ٹھہرے تھے اور وہیں اُن کی بیٹی حبیبہ سے شادی کی جب حضرت ابوبکر صدیق کا وصال ہوا اُس وقت جنابِ حبیبہ حاملہ تھیں اور آپ کی وفات کے بعد اس اُمِّ کلثوم کو جنم دیا۔

اور جب یہ امِّ کلثوم بڑی ہوگئیں تو حضرت عمر بن الخطاب نے امُّ المؤمنین عائشہ صدیقہ سے اِس کا رشتہ مانگا جسے آپ نے مان لیا۔

مگر اُمِّ کلثوم نے اس رشتہ کو ناپسند کرتے ہوئے مسترد کردیا اور شادی سے رُکی رہیں اور پھر حضرت طلحہ بن عبید اللہ سے نکاح کیا۔

مشہور مؤرخِ طبری کی نقل کردہ روایت:

"وتزوج ايضا في الاسلام حبيبة بنتِ خارجة ابن زيد بن ابي زهير من بني حارث بن الخزرج وكانت نساء حين توفى ابوبكر فولدت له بعد وفاته جارية سميت امِّ كلثوم"۔ (تاریخِ طبری ج۲ص۱۱۶)

حضرت ابوبکر صدیق نے اسلام میں حبیبہ بنتِ خارجہ بن زید بن ابی زہیر سے بھی شادی کی جوکہ بنو حارث بن خزرج سے تھیں۔

یہ آپ کی وفات کے وقت آپ کی زوجیت میں تھیں اور انہوں نے آپ کی وفات کے بعد آپ کی بیٹی اُمِّ کلثوم کو جنم دیا۔

کون اُٹھائے گا حقیقت سے پردہ:

مختلف باتیں ہوتی رہی کسی نے آ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذاتِ مقدسہ پر باتیں بنائی توکسی نے خاندانِ رسالت پر انگلی اُٹھائی کسی نے فاتح خیبر شیرِ خدا علی المرتضیٰ کرّم اللہ وجہہ الکریم پر باتیں بنائیں جبکہ مشہور کہاوت ہے کہ:

"چونے کی بوری سے آٹا نہیں نکلتا"۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ امِّ کلثوم بنتِ علی کے سلسلہ میں قارئین بہت سی روایات پڑھ چکے ہیں اُن سب میں یہ امر متفق علیہ بیان کیا گیا ہے کہ:

اِس نکاح کے وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر شریف (۵۷) ستاون برس تھی اور یہ نکاح سیدنا حضرت عمر نے (۱۷) سترہ ہجری میں کیا۔

اب جبکہ اس نکاح سے پہلے آپ نے امِّ کلثوم بنتِ ابی بکر صدیق کا رشتہ مانگا تھا تو یہ واقعہ (۱۷) سترہ ہجری کے بعد کا نہیں ہوسکتا۔

آپ حضرت امِّ کلثوم بنت ابی بکر کی عمر شریف کا اندازہ آسانی سے کر سکتے ہیں کہ:

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال مبارک (۱۳) تیرہ ہجری میں ہوا ہے اُس وقت امِّ کلثوم بنت ابی بکر اپنی والدہ کے شکم میں تھیں اِس حساب سے جب ۱۷ ہجری میں حضرت عمر نے اُن کا رشتہ مانگا اُن کی عمر مبارکہ چار سال یا اِس سے کم تھی۔

اب فیصلہ قارئین کرام خود کر سکتے ہیں کہ کیا حضرت عمر فاروق نے زندگی کی ستاون بہاریں گزارنے کے بعد چار سال کی بچی کا رشتہ طلب کیا ہوگا؟۔

عجیب انداز ہے ستم ظریفی کا:

بعض حضرات اتنے ستم ظریف ہیں کہ جب مذکورہ بالا قسم کی کوئی تاریخی قلابازی دیکھتے ہیں تو اِن کی رگِ ظرافت یا رگِ شرارت پھڑک اُٹھتی ہے یہاں تک کہ اِن کا اپنا ذہن بھی قلابازیاں کھانے لگتا ہے اور پھر اِن کی پھرتیوں اور موشگافیوں سے کوئی نہ کوئی نیا جھوٹا یا نظریہ معرضِ وجود میں آجاتا ہے۔

حضرت امِّ کلثوم بنتِ ابی بکر کے بارے میں جب اِس قسم کی روایات سامنے آتی ہیں کہ اُن کا رشتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مانگا تھا اور وہ بہت چھوٹی عمر کی تھیں تو انہوں نے اِس کا فائدہ اِس طرح اُٹھایا۔

نکاحِ امِّ کلثوم کے بارے میں جس قدر روایات پائی جاتی ہیں اُن میں امِّ کلثوم کی عمر چار سال بنتی ہے اور یہ امِّ کلثوم حضرتِ ابو بکر صدیق کی بیٹی تھی جو مولائے کائنات علی المرتضیٰ کرّم اللہ وجہہ الکریم کے زیرِ کفالت تھیں کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق کی وفات کے بعد اُن کی بیوی اسماء بنتِ عمیس حضرت علی کے نکاح میں آگئی تھیں چنانچہ امِّ کلثوم بنت ابوبکر صدیق اپنے بھائی محمد بن ابی بکر کی طرح اپنی ماں اسماء بنتِ عمیس کے ساتھ حضرت علی کے پاس آگئی تھیں حضرت عمر نے اِسی اُمّ کلثوم بنتِ ابی بکر کا رشتہ حضرت علی سے مانگا تھا اور اِسی امِّ کلثوم کی شادی حضرت علی نے حضرت عمر سے کی تھی۔ چونکہ اِس امِّ کلثوم کی ماں حضرت ابوبکر کے بعد حضرت علی کی زوجیت میں آگئی تھیں لہٰذا اُن (اسماء بنت عمیس) کی بیٹی کو بھی لوگ حضرت علی کی بیٹی کہنے لگے۔

ماخوز حضرت امِّ کلثوم ،مطبوعہ انڈیا،ص ۱۲۲

ستم ظریفوں کے اکابرین کا مختلف انداز میں انکشاف:

چونکہ ان کے اکابرین نے اپنی اپنی تصانیف میں حضرتِ امِّ کلثوم کے ساتھ حضرت عمر کے نکاح کے واقعات درج کر رکھے ہیں لہٰذا انہوں نے بھی ایک مرض کا علاج

شروع کیا تو دیگر کئی امراض کا شکار ہو کر رہ گئے اور پہلی بیماری بھی بدستور قائم رہی۔

اہلِ تشیع کے نزدیک نکاحِ امِّ کلثوم:

ملا محمد بن یعقوب الکلینی فروعِ کافی میں (جو شیعوں کی اول درجہ کی کتاب حدیث ہے) میں روایت کرتے ہیں کہ:

"حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس عورت کے متعلق جس کا خاوند فوت ہو جائے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ وہ اپنی عدّت کہاں گزارے؟

اپنے ہی گھر میں یا جہاں چاہے؟

امام نے فرمایا جب عمر فوت ہوئے تو حضرت علی اُمّ کلثوم کے پاس آئے تھے اور اسے اپنے ساتھ اپنے گھر لے گئے تھے۔ (فروعِ کافی ج ۲ ص ۳۵۲)

ملا جعفر محمد بن حسن طوسی شیعہ محدثین کے نہایت بلند پایہ فاضل فروع کافی کی اس روایت کو تہذیب الاحکام کتاب الطلاق باب عدۃ النساء مطبوعہ ایران اور استبصار فیما اختلف من الاخبار ج ۳ ص ۳۵۲ میں دو دو علیحدہ سندوں سے روایت کرتے ہیں۔

تشیع کے فخر المجتہدین شہید ثانی زین الدین بن احمد عائلی" شرائع الاسلام فی مسائل الحلال والحرام" کی شرح میں متن کی اس عبارت" یجوز نکاح الحرۃ العبد والعربیۃ العجمی والهاشمیۃ غیر الهاشمی وبالعکس" کے تحت لکھتے ہیں کہ:

حضور نبی اکرم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ایک بیٹی کا نکاح حضرت عثمان سے کیا اور ایک بیٹی کا نکاح ابو العاص سے حالانکہ دونوں بنی ہاشم میں سے نہ تھے۔

اسی طرح حضرت علی نے اپنی بیٹی ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پورتے عبداللہ کا نکاح امام حسین کی بیٹی فاطمہ سے ہوا اور فاطمہ کی بہن سکینہ سے مصعب بن زبیر نے نکاح کیا اور یہ سب مرد بنی ہاشم میں سے نہ

تھے۔(مسالک الافہام کتاب النکاح ج ۱)

شیخ الطائفہ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی حضرت امام باقر سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

ام کلثوم بنت علی اور ان کے بیٹے زید بن عمر کی وفات ایک ہی ساعت میں واقع ہوئی یہ پتہ نہ چل سکا کہ پہلے کون فوت ہوا پس ان میں سے کوئی دوسرے کا وارث نہیں ہوا۔اور دونوں پر نماز (جنازہ) اکٹھی پڑھی گئی۔(تہذیب الاحکام ج ۲ کتاب المیراث ص ۳۸۰

شیعہ شہید ثالث قاضی نوراللہ شوستری حضور نبی اکرم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی کے امور مشابہت شمار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

اگر نبی دختر بعثمان دادولی دختر بعمر فرستاد۔

اگر نبی نے بیٹی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دی تو ولی نے بیٹی حضرت عمر کے نکاح میں دے دی۔ (مجالس المؤمنین ج ۱ ص ۲۰۴)

علامہ ابن شہر آشوب ماژندرانی لکھتے ہیں حضرت فاطمہ کی اولاد یہ تھی الحسن والحسین والحسن سقط، زینب کبریٰ اور امّ کلثوم کبریٰ جن سے حضرت عمر نے نکاح کیا تھا۔

مناقبِ آلِ ابی طالب ج۳ ص ۱۶۲

اہل تشیع کے بڑے مجتہد مرتضیٰ علم الھدیٰ تحریر کرتے ہیں" یہ کوئی امر ممنوع نہ تھا کہ حضرت علی اپنی بیٹی حضرت عمر کے نکاح میں دے دیں کیونکہ عمر بظاہر اسلام کے قائل اور شریعت پر عامل تھے۔ (کتاب الشافی ص ۲۱۶

شیخ عباس قمی حضرت علی کی اولاد کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ" ام کلثوم کا حضرت عمر کے نکاح میں آنے کی حکایت کتابوں میں مسطور ہے۔

منتھی الامال ج۱ ص ۱۳۵

علامہ محمد ہاشم خراسانی مشہدی تحریر کرتے ہیں کہ:" ام کلثوم بنت فاطمہ مخدرہ کا اصلی نام

رقیہ کبریٰ تھا۔جیسا کہ عمدۃ المطالب میں مذکور ہے ۔وہ بہت جلالت شان رکھتی تھیں وہ حضرت عمر کی بیوی تھیں۔ (منتخب التواریخ ص ۹۴)

تشیع کے خاتم المحدثین ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں کہ ایسی احادیث وارد ہونے کے بعد اور جو روایات باالاسناد آگے آرہی ہیں کہ حضرت عمر فوت ہوئے تو حضرت علی ام کلثوم کے پاس آئے اور انہیں اپنے گھر لے گئے اور اس طرح اور روایات جنہیں میں نے بحار الانوار میں نقل کیا ہے اس نکاح کا انکار ایک امر عجیب ہے اور اصل جواب یہی ہے کہ یہ نکاح تقیہ اور حالت اِضطرار میں ہوا اور ایسا ہونا کوئی امر مستعبد نہیں۔

مرأۃ العقول فی شرح فروع کافی ج ۳ ص ۴۴۹

ہمیں افسوس ہے کہ علماء تشیع کا یہ نظریہ کہ جناب حیدرِ کرار نے اپنی لختِ جگر امّ کلثوم بنت فاطمہ (سلام اللہ علیہم) جبر و اضطرار کی صورت میں حضرت عمر کے نکاح میں دی تھی یہ بات بہت کمزور اور بلا دلیل ہے۔ یہ بات حضرات اہل بیت کی شایانِ شان نہیں۔

علامہ کلینی نے فروع کافی میں اس نکاح کا ایک مکمل باب باندھا ہے اور اس میں سیدنا امام جعفر صادق سلام اللہ علیہ سے ایک یہ روایت نقل کی ہے:

"ان ذالك فرج غصبناہ۔"

یہ پہلی عزت ہے جو ہم سے غصب کی گئی ہے۔حالانکہ بقول تشیع اصول کافی کے اس آسمانی وصیت نامہ میں بھی جو آئمہ اہل بیت کے لیے دستور العمل تھا اس نکاح کا ارشاد موجود ہے اس کی روایت امام موسیٰ کاظم سلام اللہ علیہ سے ہے۔اس کی رو سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی سے بامر جبرائیل یہ عہد لیا تھا خواہ ان کی عزت لٹ جائے وہ اس ہتک پر بھی صبر کریں گے جس پر علی نے کہا تھا۔

"میں نے اسے قبول کیا اور راضی رہا اگرچہ عزت جاتی رہے خدا اور رسول کے طریقے معطل ہو جائیں کتاب (قرانِ مجید) کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں اور کعبہ

گرادیا جائے۔ (اصولِ کافی ص ۱۷۳)

اب اس انتہاک حرمت اور عزت جاتے رہنے کی تشریح علمائے تشیع نے یوں کی ہے کہ" اس سے میری بیٹی کا غصب مراد ہے جسے جبر وظلم سے لے جائیں گے یہ اِشارہ ہے حضرت بی بی فاطمہ کی بیٹی امّ کلثوم کے غصب کی طرف۔(الصافی ج ۳ ص ۲۸۱)

بعض اہلِ تشیع نے اس نکاح کی تکذیب پر کھسیانے ہو کر یہ قصہ واہی وضع کیا ہے کہ حضرت علی نے ایک جنیہ کو ام کلثوم کی شکل میں منتقل کر کے حضرت عمر کے پاس بھیج دیا یہ جنیہ اہل نجران کی یہودیہ تھی جس کا نام سحیقہ بنت جوہریہ تھا۔ بعد از وفاتِ عمر حضرت علی نے امّ کلثوم کو ظاہر کیا۔ (جرائح الجرائح ص ۱۳۲)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امّ کلثوم بنتِ ابی بکر کے متعلق آنے والی روایات کی جزئیات پر بحث کو کچھ وقت کے لیے روک دیا جائے اور پہلے حضرت عمر کے ساتھ حضرت امِّ کلثوم بنتِ علی کے نکاح کے سلسلہ کی اُن روایات کو نقل کر دیا جائے جو بلا شرکتِ غیرے اکیلے شیعوں نے وضع کر رکھی ہیں۔

صاحبِ مجالس المؤمین کا اندازِ بیاں:

مجالس المؤمنین میں حضرت صاحب کچھ خطرناک انداز میں بیان کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں کہ:

"در کتاب استغاثہ وغیر آں مسطور است کو چوں عمر بن خطاب جہت تراویج خلافتِ فاسدہ خود داعیہ تزویج امّ کلثوم دختر حضرت امیر نمود و آں حضرت جہت امامت حج مکرراً اظہار باد امتناع نمود آخر عمر عباس را بنز د خود طلبید دسوگند خوردہ گفت کہ اگر علی را بدامادی من راضی نمیسازی آنچہ ور دفع او ممکن باشد خواہم کرد و منصب سقایۃ حج وزمزم را از تو خواہم گرفت عباس ملاحظہ نمود کہ اگر ایں نسبت واقع نہ شود آں فظ غلیظ مرتکب چناں

امر نا صواب خواہد شد از حضرت امیر علیہ السلام التماس و الحاح نمود کہ نکاح آں مطہرہ مظلومہ را باو تفویض نماید و چوں مبالغہ عباس درآں باب از حد گذشت آنحضرت از روئے اکراہ ساکت شدند، تا آنکہ عباس از خود ارتکاب تزویج او نمود و جہت اطفاء نائرہ فتنہ او آباں منافق ظاہر الاسلام عقد فرمود"۔

مجالس المؤمنین ص ۱۸۲

ترجمہ: استغاثہ وغیرہ کتابوں میں مسطور ہے کہ جب عمر بن خطاب نے اپنی خلافتِ فاسدہ کی ترویج کے لیے حضرت علی سے اُن کی بیٹی امّ کلثوم کا رشتہ مانگا تو حضرت علی نے امامت کی جہت سے حجت قائم کرنے کے لیے دوبارہ انکار فرمادیا۔۔۔

بالآخر حضرت عمر نے حضرت عباس کو اپنے پاس بلایا اور قسم کھا کر کہا کہ اگر تو نے علی کو میری دامادی پر رضامند نہ کیا تو مجھ سے جو کچھ بن پڑا تیرے ساتھ کروں گا اور تجھ سے منصب سقایتِ حج اور زمزم چھین لوں گا۔

جب حضرت عباس نے جان لیا کہ یہ شدید انسان اِس نامناسب کام کو کرنے سے باز نہیں رہے گا تو انہوں نے حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں التماس کی کہ اُس مطہرہ مظلومہ" امّ کلثوم" کا نکاح اس سے (عمر بن خطاب) سے کر دیں پھر جب حضرت عباس کی معروضاتِ مبالغہان تک پہنچ گئیں تو حضرت علی نے بالِاکراہ خاموشی اختیار کرلی۔ یہاں تک کہ حضرت عباس نے خود اِس نکاح کا اہتمام کیا اور ظاہر الاسلام منافق کے فتنہ سے شعلہ زن ہونے والی آگ کو بجھا دیا۔

بہر حال ہمارے نزدیک ان رکیک تاویلوں کا کوئی وزن نہیں ہم ہر اس بات کو جو صحابہ اور اہل بیت کرام کی شان کے لائق نہ ہو غلط اور افتراء سمجھتے ہیں۔ میرا مقصد ان عقائد و اقوال کو نقل کرنے سے محض یہ ہے کہ اہل تشیع جو سیدہ امّ کلثوم بنت علی سلام اللہ

علیہما کا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے نکاح میں آنا ثابت کرتے ہیں ان کے نزدیک ایک ایسا امر مسلمہ ہے کہ شدید ترین مخالفت کے باوجود بھی اس سے انکار نہیں کر سکتے۔

نامور عالمِ دین کا راقم الحروف سے بذریعہ خط و کتابت مکالمہ:

راقم الحروف کا گزشتہ تین سالوں سے ایک ہم عصر عالم دین سے بذریعہ خط و کتابت مکالمہ رہا چند سوالات ہوتے رہے اپنے اپنے نظریات کے مطابق جوابات کا سلسلہ جاری رہا مکالمہ ذکر کیئے دیتا ہوں تا کہ ہر اعتراض کی مکمل وضاحت ہو سکے۔

ہمارے درمیان موجود سوالات اور ایک دوسرے کے جوابات:

پہلا اعتراض:

تمہارا یہ اعتراض کہ حضرت ام کلثوم کمسن تھیں اور حضرت عمر کافی عمر رسیدہ تھے اس لیے یہ نکاح بے جوڑ ہوا اور امر مستبعد معلوم ہوتا ہے؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ام المؤمنین جناب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمروں میں کافی فرق تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ کی عمروں میں کافی فرق تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ حضرت فاطمۃ الزہراء سے بھی عمر میں چھوٹی تھیں اور بہت صغیر سنی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آئی تھیں اگر اس نکاح میں کوئی قباحت نہیں ہے تو حضرت ام کلثوم کا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے نکاح میں آنا یہ کونسا امر مستبعد ہے۔ عربی تمدّن میں خاوند اور بیوی کا قریب العمر ہونا ضروری نہ تھا۔

۲۔ یہ کہ میری تحقیق کے مطابق حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی صاجزادی جو اس وقت صغیرہ تھیں اور پانچ سال کے قریب تھیں وہ ام کلثوم تھیں جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے نہ تھیں، کسی اور بیوی سے تھیں۔ ام کلثوم صغریٰ کہلواتی تھیں ام کلثوم کبریٰ جو سیدہ فاطمہ کی صاجزادی تھیں وہ

ہرگز صغیرہ نہ تھیں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں وہی تھیں اور ان پر اگر کہیں صغیر سنی کا اطلاق ہے، تو فی نفسہٖ چھوٹا ہونے کی وجہ سے نہیں محض مقابلۃً چھوٹا ہونے کی وجہ سے ہے۔

۳۔ یہ کہ امّ کلثوم حضرت فاطمہ کی چوتھی اولاد تھیں اور حضرت زینب سے چھوٹی تھیں، حضرت امام حسین علیہ السلام اور حضرت امّ کلثوم کے مابین صرف ایک بیٹی حضرت زینب ہیں شیعہ عالم شیخ طوسی کے بیان کے مطابق امام حسین ہجرت کے تیسرے سال ربیع الاول کے آخر میں پیدا ہوئے۔ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں فاصلہ بہت کم تھا۔ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمروں میں فرق ایک سال سے بھی کم تھا۔ قرین قیاس ہے کہ حضرت ام کلثوم پانچ، چھ ہجری کے وسط میں پیدا ہوئیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں یہ کس وقت آئیں۔ حافظ ابن حبان اس واقعہ نکاح کو سن ۱۷ ہجری میں بیان کرتے ہیں۔ اس حساب سے حضرت امّ کلثوم کا یہ نکاح بارہ سال کی عمر میں ہوا۔ اور عربی آب وہوا کے مطابق یہ عمر قابل شادی ہے، اہل تشیع نے مقدمہ فدک میں حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو گواہ کے طور پر پیش کیا ہے۔

دوسرا اعتراض:

میرے ہم عصر علامہ صاحب نے دوسرا اعتراض بھی خود کیا اور اس کا جواب بھی اپنی تحقیق کے مطابق ہی دیا:

"جو تم نے کہا کہ حضرت ام کلثوم حضرت عمر کی پرنواسی تھیں تو یہ رشتہ سوتیلا تھا اور اسلامی شریعت میں یہ نکاح جائز ہے اور جن بیہودہ روایات کا ذکر تم نے کیا ہے وہ تمام کی تمام موضوع قرار پائی ہیں کہ ان میں نابالغ امّ کلثوم کا ذکر ہے جبکہ میری تحقیق کے

مطابق زوجہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امّ کلثوم بالغہ تھیں پس جب یہ روایات ہی جھوٹی ہیں تو پھر خلفائے راشدین کی شان میں تنقیص کیوں تسلیم کی جائے۔

علیٰ ہذا القیاس میں نے اجمالی طور پر تمہارے شکوک کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ تم جس غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہو اس کی اصلاح کر سکو اور تمہارے قلبی شبہات کا ازالہ ہو، امید ہے کہ تم مندرجہ بالا معروضات کی روشنی میں اپنی حتمی رائے قائم کرو گے اور دشمنان دین کے مقابل اپنے مسلک کی حفاظت کر سکو گے۔

راقم الحروف نے پوری توجہ سے ارسال کردہ خط کو پڑھا اور اس کے مندرجات کا جائزہ جذبہ تحقیق کو بروئے کار لاتے ہوئے لیا۔ میرے ہمعصر علامہ صاحب نے اس خط کی ابتدائی عبارت ہی سے اندازہ قائم کر لیا کہ اس افسانوی نکاح کو مشہور کرنے کا واحد مقصد یہی تھا کہ اہل تشیع کے عقائد کے خلاف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اہل بیت کا حقیقی دوست ورشتہ دار ثابت کیا جائے یہ افسانہ تراشتے وقت یہ بات قطعاً ذہن میں نہ رہی کی مفروضہ آئندہ نسلوں کے لیے بے چینی پیدا کر دے گا۔ اور تعلیمات اسلامیہ پر بدنما داغ بن جائے گا لیکن اُس وقت وضاعین کو صرف فضائل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نشر واشاعت سے سروکار تھا دین کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ چنانچہ سادات دشمنی اور اصحاب نوازی کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ من گھڑت واقعہ بھی مشہور کر دیا گیا حالانکہ صحیح کتب میں اس کا کوئی تذکرہ موجود نہ ہے۔ تاہم میرے دوست علامہ صاحب نے جن روایاتِ اہل السنہ کو دلائل قرار دیا ہے ان پر راقم الحروف کی جرح یوں ہے:

راقم الحروف کی طرف سے مذکور اعتراضات پر جرح:

میرے محترم دوست نے جو حافظ ذہبی کے قول پر جو پہلی دلیل پیش کی ہے وہ خلافِ واقعہ ہے اس کی شرعی حیثیت تقرر مہر کی بناء پر مردود قرار پاتی ہے کہ جیسا کہ گزشتہ

بیان میں عرض کیا ہے پھر زید اور رقیہ کی پیدائش بھی تاریخی اعتبار سے صحیح ثابت نہیں ہوتی ہے۔

نکاح جناب ام کلثوم بنت فاطمہ پر تاریخی جھوٹ کی پکڑ:

سوشل میڈیا پر پھر سے جناب سیدہ ام کلثوم بنت علی و فاطمہ علیہم السلام کے نکاح پر معترضین ومنافقین کی تحریریں گردش کرتی دیکھی ہیں۔

تعجب ہے ان جیسے لاعلم اور عقل و شعور سے نابلد انسانوں کو جو یہ من گھڑت اور تاریخ سے تعارض پیدا کرتی ہوئی روایات پر یقین کیے بیٹھے ہم اس سے قبل بھی ایسی گھٹیا تحریروں کو کا جواب دے چکے ہیں۔

حدیث کی پرکھ میں ایک اصول یہ بھی ہے جو روایت تاریخی حقیقت سے متعارض ہو وہ مردود ہو جاتی ہیں۔

اسی طرح یہ روایت چونکہ تاریخی حوالہ جات کیا خود کتب اہلسنت میں موجود دوسری روایات سے شدید تعارض رکھتی ہے۔جس کی وجہ سے ہمارے نزدیک اس کی کوئی ویلیو ہی نہیں۔

اب اصل حقائق کی طرف آتے ہیں معتبر تاریخی حوالہ جات سے جناب عمر جیسا کہ کتب میں آپ کی ولادت 40 ھ میں ہے اور اسد الغابہ ابن اثیر الجزری کی ایک روایت کے مطابق آپکا قبول اسلام 6 ہجری میں ہے یعنی اس وقت 40 بندے پہلے اسلام لا چکے تھے جب آپ نے اسلام قبول کیا اس لیے اگر بغور تحقیق کی جائے تو آپ 'عام الفیل'' کے تقریباً 13 سال بعد مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور نبوت کے چھٹے سال پینتیس سال کی عمر میں مشرف بہ اسلام ہو کر حرم ایمان میں داخل ہوئے۔

اس لیے بعض منہج کے مطابق آپ کی عمر 35 سال یا 40 سال تک قبول اسلام کے وقت کتب تواریخ سے ثابت ہے۔

اب آتے ہیں جناب مولائے کائنات کی طرف آپ کی تاریخ پیدائش 13 رجب بمطابق 30 عام الفیل ہے یعنی اگر سارا حساب کیا جائے تو جب جناب عمر نے اسلام قبول کیا تو اس وقت جناب علیؑ کی عمر 9 سال کے لگ بھگ بنتی ہے۔

اب قبول اسلام جناب عمر کی عمر 35 سال سے 9 سال نکال دیئے جائیں تو پیچھے آپکی عمر 26 سال بنتی ہے۔

یعنی عمر جناب علیؑ سے 26 سال بڑے تھے۔مزید آگے بڑھتے ہیں کہ جب جناب مولائے کائنات کی شادی کے متعلق کلینی نے کافی میں امام سجاد سے قول نقل کیا ہے کہ:

ہجرت مدینہ کے ایک سال بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی شادی حضرت علیؑ کے ساتھ کر دی۔

یہ قول امام باقر کے اس قول کے موافق ہے جسے طبری نے نقل کیا ہے۔

اس میں مذکور ہے کہ ہجری کے دوسرے سال صفر کا مہینہ شروع ہونے میں کچھ دن باقی تھے تو اس وقت علی علیہ السلام نے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا سے شادی کی۔

ابو الفرج اصفہانی نے مقاتل الطالبین میں طبری کا یہی قول لکھا اس کے بعد کہا کہ:

جنگ بدر سے واپسی پر علی علیہ السلام نے فاطمہ سلام اللہ علیہا سے شادی کی۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے دوسرے سال پہلی ذی الحج کے دن حضرت فاطمہ کو امیر المومنین کے گھر بھیجا۔اس لئے شادی اور نکاح کے درمیان تقریباً دس مہینے کا فاصلہ تھا۔شاید نکاح کا صیغہ جلدی پڑھنے کی وجہ یہ تھی کہ دوسرے رشتے مانگنے والے لوگوں کے لئے جواب واضح ہو جائے اور شادی کی دیر کرنے کی وجہ یہ تھی کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا جسمانی رشد و نما کے لحاظ سے بہتر ہو جائیں۔

علامہ مجلسی، بحار الانوار، ۱۴۰۳ق، ج۴۳، ص۱۵۳، ح۱۱۔ روضہ کافی، ص۱۸۰۔ تاریخ طبری، ابو جعفر محمد بن جریر طبری، ج۲، ص۴۱۰ مقاتل الطالبین،

ابو الفرج علی بن الحسین الاصفہانی، تحقیق سید احمد صقر، بیروت، دار المعرفہ، بی تا، ص ۳۰، میں مذکور ہے کہ فاطمہ زہرا کا اس وقت سن اٹھارہ سال تھا۔

مجلسی بحار ج ۴۳ ص ۹۲

اب ہم اہلسنت کے دار الفتاء کا فتوی نقل کرتے ہیں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کی تاریخ پر سوالات کی صورت پیش کی جائے فی

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی شادی کا دن کون سا تھا اور سال کون سا تھا؟

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کا نکاح سیدنا مولائے کائنات سے راجح قول کے مطابق سن 2 ہجری میں ہوا ہے۔

نکاح کے مہینہ میں قدرے اختلاف ہے۔۔۔

اس سلسلے میں مختلف اقوال ہیں۔۔۔

1۔ رمضان 2 ہجری 2۔ رجب 2 ہجری۔

3۔ صفر 2 ہجری 4۔ سن 2 ہجری کے شروع میں محرم کے مہینہ میں۔

اسی طرح رخصتی کے بارے میں بھی مختلف اقوال ہیں:

1۔ ذی القعدہ 2 ہجری 2۔ ذی الحجہ 2 ہجری

3۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ سے رخصتی کے ساڑھے چار ماہ بعد، حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کا نکاح کیا، اور نکاح کے بعد ساڑھے نو ماہ بعد ان کی رخصتی کی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ کی رخصتی ہجرت کے پہلے سال شوال کے مہینے میں ہوئی، اور اس کے ساڑھے چار ماہ بعد کا مطلب ہے کہ صفر میں جناب سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کا نکاح ہوا، اور اس کے ساڑھے نو ماہ بعد رخصتی کا مطلب یہ ہوا کہ سن 2 ہجری ذی القعدہ میں

سیدہ خاتون جنت سلام اللہ علیہا کی رخصتی ہوئی۔

لہذا ان میں راجح قول یہی ہے کہ سن 2 ہجری میں غزوہ بدر سے پہلے آپ سلام اللہ علیہا کا نکاح ہوا، اور غزوہ بدر رمضان میں ہوا، اس سے واپسی پر ذی القعدہ کے آخر یا ذی الحجہ کے شروع میں آپ کی رخصتی ہوئی۔

باقی نکاح کا دن کون سا تھا، تتبع اور تلاش کے باوجود ہمیں یہ معلوم نہیں ہوسکا۔

سبل السلام (2/219)

وعن ابن عباس - رضی اللہ عنهما - قال:

لما تزوج علی فاطمة سلام اللہ علیہا هی سیدة نساء العالمین، تزوجها علی رضی اللہ عنه فی السنة الثانیة من الهجرة فی شهر رمضان، وبنی علیها فی ذی الحجة ولدت له الحسن والحسین والمحسن".

عمدة القاری شرح صحیح البخاری (16/249)

یعنی اہلسنت اور اور تشیع کے عقائد کے مطابق جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی عمر شادی کے وقت 18 سال کی تھی۔

اگر جناب سیدہ کی عمر جناب علی سے 18 سال کی عمر میں ہوئی اور اس وقت جناب علیؑ کی عمر کتنی ہونی چاہیے تو دیکھتے ہیں۔۔۔

دارالافتاء بنوری ٹاون کے ایک فتوی کے مطابق مولائے کائنات کی جناب سیدہ سے شادی کے وقت عمر 24 سال تھی۔

اب اگر بغور دیکھا جائے تو نکاح مولائے سیدنا علی اور جناب سیدہ کے نکاح کے وقت جناب امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عمر کتنی تھی تو جواب ملے گا۔۔۔

تقریبا کچھ اس حساب سے ہوگی۔۔۔ 35+15+1=51

یعنی ایک محتاط اندازے کے مطابق اگر ہم مارجن رکھ کے بھی اندازہ لگائیں تو

حضرت عمر کی عمر مبارک نکاح سیدہ فاطمہ اور جناب علی کے وقت 51 سال بنتی ہے۔

ابھی اس وقت تک جناب علی کے ہاں کوئی اولاد ہی پیدا نہیں ہوئی تھی اب آگے مزید بڑھتے ہیں۔۔۔

ایک عقلی اور منطقی دلیل ہے اور وہ یہ کہ ابن جوزی نے اپنی کتاب "المنتظم ج ۴ ص ۲۳۷ اور کتاب ذخائر العقبیٰ اور ابن سعد نے کتاب "طبقات" کی آٹھویں جلد ص ۴۶۱ پر بیان کیا ہے کہ جب حضرت زہر سلام اللہ علیہا کی شہادت واقع ہوئی اس وقت جناب ام کلثوم ۴ سال کی تھیں۔

جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی شہادت کے بعد دو سال تک حضرت ابوبکر صدیق مسند خلافت پر مسند نشیں رہت اور اس کے بعد جناب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سر تاج خلافت سجا تو جناب ام کلثوم کی عمر اس وقت تقریباً پانچ سال یا چھ سال بنتی ہے۔۔۔

اس حساب سے جب حضرت عمر خلیفہ چنے گئے تو آپ کی عمر 60 سال تھی۔

قطعہ نظر اس کے کہ یہ مفروضہ درست ہے یا نہیں فتویٰ بازی سے پرہیز کرتے ہوئے ذرا اس کا مطالعہ کیا جائے کہ اب کیسے ممکن ہے کہ ایک 60 سالہ شخص 5 سال کی بچی سے شادی کرے جبکہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث بھی یاد ہو۔

اب ہم ایک معتبر دلیل پیش کرتے ہیں جو تمام شکوک وشبہات کو رد کردے گی سنن نسائی میں ایک روایت موجود ہے کہ:

أَخْبَرَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ قَالَ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى عَنْ الْحُسَيْنِ بْنِ وَاقِدٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ خَطَبَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فَاطِمَةَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِنَّهَا صَغِيرَةٌ فَخَطَبَهَا عَلِيٌّ فَزَوَّجَهَا مِنْهُ۔

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو نکاح کا پیغام بھیجا۔

جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وہ (تمہارے مقابلے میں) چھوٹی ہے۔

پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیغام بھیجا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے سیدہ خاتون جنت فاطمہ کا نکاح کر دیا۔

اب سنن نسائی کی یہ روایت صریحتاً منع کر رہی ہے کہ:

جب جناب ابو بکر اور جناب عمر نے جناب سیدہ کا رشتہ طلب کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرما دیا کہ وہ عمر میں چھوٹی ہیں۔

اب کیا جناب حضرت عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول سے ناواقف تھے کہ چھوٹی بچیوں سے نکاح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرما دیا۔

وہ بھی جناب سیدہ کا پھر اسی جناب سیدہ کی بیٹی جناب ام کلثوم کا عقد جو محض 5 سال کی تھیں 60 سال جناب عمر سے کیسے ممکن ہے۔۔۔

اور کیا جناب علی بھی اس قول رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نعوذ باللہ واقف نہیں تھے جو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جناب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رشتہ دے دیا۔

تاریخ کے بہت بڑے جھوٹ کو ہم نے تاریخ سے اور نسائی کی روایت سے جھوٹا ثابت کر دیا ہے۔ لہٰذا فقیر یہ کہنے میں حق بجانب ہے کہ ایسی روایات محض افسانہ اور من گھڑت ہیں ان کے ذکر کرنے سے اجتناب کیا جائے۔

ظلم بالا ظلم:

یہ بات قابل غور ہے کہ مبینہ نکاح سن ۱۷ یا ۱۸ ہجری میں ہوا، روایات کی کثیر تعداد سے دلہن کی عمر چھ یا سات برس سے زائد ثابت نہیں ہو سکتی، حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی وفات بالاتفاق ذی الحج کی آخری تاریخ سن ۲۳ ہجری میں ہوئی ہے جبکہ اِس بیوی کی عمر گیارہ سال تک ہوتی ہے اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ سن ۲۳ ہجری یعنی دولہا کی موت کے وقت یہ دو بچے ام کلثوم کے بطن سے بلوغت کے دو سال بعد پیدا ہوئے تو یقینا رقیہ بنت عمر بن خطاب کی عمر اپنے باپ کی وفات کے وقت ایک یا ڈیڑھ سال ہو گی لیکن معتبر مؤرخ اہل السنہ ابن قتیبہ نے اپنی کتاب المعارف میں لکھا ہے کہ:

ام کلثوم کے بطن سے عمر کی بیٹی کا نام رقیہ ہے اور یہ وہی ہے جس کی شادی عمر نے ابراہیم بن نعیم النخام سے کرادی تھی اور وہ اُن ہی کے پاس فوت ہوئیں۔

المعارف لابن قتیبہ ۸۹ مطبوعہ

معزز قارئین! اب بتائیے جو بیٹی ابھی ایک یا ڈیڑھ سال کی تھی کس طرح اس کے باپ نے اس کا نکاح ابراہیم بن نعیم النخام سے کر دیا مگر جھوٹ کے پیر کہاں ہوتے ہیں آگے پیچھے دیکھے بغیر افسانہ تراشی میں مہارت دکھادی۔

مزیدار بات یہ ہے کہ اسی کتاب اور اسی امام کے حوالہ سے میرے پیارے محترم نے اپنی دلیل نمبر ۹ قائم فرمائی ہے یعنی موصوف کے نزدیک مؤرخ و کتاب دونوں قابل قبول ہیں۔

اہل تشیع کی پیش کردہ روایات پر ان کی ہی کتب سے جرح:

عدت گزارنے کے کا مسئلہ فروع کافی، کتاب الاستبصار، تہذیب کی جو روایات عدت گزارنے کے مسئلہ میں میرے محترم دوست نے دلیل پیش کی ہے اس کے راوی

مجروح ومقدوح اور فاسد العقیدہ ہیں۔

فروع کافی کے راوی حمید بن زیاد اور ابن سماعہ ہیں ان دونوں کا تعلق مذہب واقفی سے ہے جن کو کفر و زندیقہ تک مماثلت ہے جیسا کہ رجال مامقانی جلد اول کے صفحہ نمبر ۳۸۷ پر امام رضا علیہ السلام کی احادیث سے ثابت ہے۔

اسی روایت کا ایک راوی حسن بن محمد بن سماعہ ہے جو علماء رجال کے نزدیک بالاتفاق واقفی المذہب تھا۔ (رجال کشی ۲۹۳)

اسی طرح دوسری روایت کا راوی ہشام بن سالم ہے جو فاسد العقیدہ تھا اور اللہ کی صورت مانتا تھا۔ (رجال کشی ۱۸۴)

یہ روایت سلیمان بن خالد سے مروی ہے جو زیدیہ فرقہ سے تھا تنقیح المقال جلد ا صفحہ نمبر ۷۵ پر ہے نجاشی اور شیخ طوسی نے اسے ثقہ تسلیم نہیں کیا۔

ابن داؤد نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے اور مقیاس الدرایہ ص ۸۴ پر ہے کہ زیدی، واقفی، ناصبی ایک ہی منزلت پر ہیں۔

مسالک الافہام کی روایت:

مسالک الافہام کتبِ معتبرہ میں شمار نہیں ہوتی اس میں شارح کی اپنی رائے کا ذکر ہے جو حجت قرار نہیں پاسکتا ہے حالانکہ اس کے خلاف کثرت سے شواہد موجود ہیں۔

زید وام کلثوم کا بیک وقت فوت ہونا:

اس روایت کے راوی سعید بن سالم قداح ہے جو مجہول الحال ہے۔

رجال مامقانی ج ا ص ۶۵

شہیدِ ثالث کا بیان:

قاضی نور اللہ شوستری نے یہ بیان اس نکاح کی تردید میں دیا ہے اور "اگر" سے

مفروضہ قائم کیا ہے کہ بالفرض محال اگر یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ یہ نکاح ہوا تو بھی احتمال خطا کی گنجائش نہیں ہے کہ حضرت عمر کلمہ گو تھے۔

علامہ شہر آشوب کی رائے:

علامہ شہر آشوب نے مناقب میں تشیع و اہل السنہ دونوں طرح کی روایات نقل کی ہیں یہ کتاب ذاتی عقیدے سے بالاتر ہو کر نقل برائے نقل پر مبنی ہے۔ مجمع الفضائل کے نام سے اس کا اردو ترجمہ ظفر حسن شاہ نے شائع کی ہے، اس کتاب کی جلد نمبر ۲ صفحہ ۲۷۴ پر ذکر موجود ہے اور اس کے بعد تحریر کیا گیا ہے کہ علامہ شہر آشوب نے یہ رائے صاحب شافی اور صاحب الانوار کی لکھی ہے نہ کہ اپنا عقیدہ۔

تشیع نے اس ترویج کو کسی وقت بھی تسلیم نہیں کیا اس غلط روایت کی تردید میں متعدد کتابیں لکھی جا چکی ہیں اس کے بعد والی روایت نقل کرنے کے بعد تحریر ہے کہ یہ سب معاویہ شاہی ٹکسال کے کھوٹے سکے ہیں۔ ایسی روایات نہ عقلاً صحیح ہیں نہ نقلاً صحیح ہیں۔

مجمع الفضائل ج ۲

باب نمبر 2

حصہ اول

باب نمبر 2 کے حصہ اول میں حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی ذاتِ مقدسہ پر مذکورہ روایات کی وجہ سے جو الزامات لگ رہے ہیں اُن پر بحث کی جائے گی اور پھر ان الزامات کی اصل حقیقت سے پردہ اُٹھایا جائے گا۔

صاحبِ فروعِ کافی کا اندازِ بیاں:

شیعوں کی مشہورومعروف کتاب فروعِ کافی میں اِس نکاح کیحوالے سے دو روایتیں پیش کی گئی ہیں کہ:

علی بن ابراھیم عن ابیه عن ابن ابی عمیرعن هشام بن سلم وحماد عن زرارہ عن ابی عبداللہؑ فی تزویج امِّ کلثوم فقال: "ان ذالك فرج غصبناہ"۔

فروعِ کافی، ج۵، ص۳۴۶

ترجمہ: علی بن ابراہیم اپنے باپ سے وہ ابن ابی عمیر سے وہ ہشام بن سالم اور حماد سے وہ زرارہ سے وہ ابی عبداللہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ امِّ کلثوم کا رشتہ ہم سے غاصبانہ طور پر زبردستی چھینا گیا ہے۔

اور پھر دوسری روایت میں یوں نقل کیا گیا ہے کہ:

محمد بن ابی عمیر عن هشام بن سالم عن ابی عبداللہ قال انما خطب الیه قال له امیرالمؤمنین انه صبیة ، قال : فلقی العباس فقال له مالی ابی بأس؟

قال : وما ذاك؟ قال خطبت الیٰ ابن اخیك فردنی، "اما واللہ لاعورن زمزم ، ولاادع لكم مكرمة الاھدمتھا ولاقیمن علیه شاھدین بانه سرق ولاقطعن یمینه فاتاہ العباس فاخبرہ وسأله ان یجعل الامر الیه فجعله الیه"۔

فروعِ کافی مطبوعہ تہران، ج۵، ص۳۴۶

راویان محمد بن عمیر، ہشام بن سالم، ابی عبداللہ، امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ

جب حضرت عمر نے حضرت علی سے اُن کی بیٹی امِّ کلثوم کا رشتہ مانگا تو انہوں نے کہا (انها صبية) یعنی وہ ابھی بچی ہے۔

بعدازاں حضرت عمر نے حضرت عباس سے ملاقات کی اور کہا کہ مجھے کون سی بیماری ہے؟

حضرت عباس نے کہا: کیوں کیا بات ہوئی ہے؟

حضرت عمر نے کہا: میں نے آپ کے بھتیجے سے رشتہ مانگا تو اُس نے انکار کر دیا خدا کی قسم میں تجھ سے زمزم چھین لوں گا اور تم لوگوں کے عزت و اکرام کو ختم کر دوں گا اور علی پر دو گواہ قائم کر کے اُسے چوری میں پھنسا کر اُس کا ہاتھ کٹوا دوں گا۔

یہ باتیں سن کر حضرت عباس حضرت علی کے پاس آئے اور انہیں تمام صورتِ حال سے آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ آپ امِّ کلثوم کا معاملہ میرے سپرد کر دیں حضرت علی نے اُن کی بات مان لی اور یہ معاملہ اُن کے سپرد کر دیا۔

علی اکبر الغفاری محشی کا نظریہ:

فروعِ کافی کی اِس روایت پر علی اکبر الغفاری محشی نے دیگر متعدد اہلِ تشیع کی کتب کے حوالہ سے بالوضاحت حاشیہ میں لکھا ہے کہ:

ام كلثوم هذا هى بنت امير المؤمنين؏ قد خطبها اليه عمر فى زمن خلافته فرده اولافقال عمر ماقال وفعل مافعل كما يأتى تفصيله فى الخبر الاتى فجعل امره الى العباس فزوجها اياه ظاهراً وعند الناس واليه اثير بقوله غصبناه"۔

تعلیقاتِ فروعِ کافی، ج۵، ص۳۴۶

یہ امِّ کلثوم امیر المؤمنین حضرت علی کی بیٹی ہیں حضرت عمر نے اپنے دورِ خلافت میں حضرت علی سے اِس کا رشتہ مانگا تو انہوں نے انکار کر دیا۔

اس پر حضرت عمر نے کہا جو کہا اور کیا جو کیا جیسا کہ روایات میں اِس کی تفصیل بیان ہوئی کہ حضرت علی نے یہ معاملہ حضرت عباس کے سپرد کر دیا اور انہوں نے بظاہر عندالناس یہ نکاح کر دیا جس کی طرف سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اشارہ فرمایا ہے کہ یہ رشتہ ہم سے زبردستی چھینا گیا ہے۔

مذکورہ روایات سے جنم لینے نازیبا جملے:

قارئین: اِن روایات سے جو واضح تاثر اذہان پر مرتب ہوتا ہے اُسے مختصر طور پر بیان کیا جائے تو مختصراً یہ دو جملے ظاہر ہوتے ہیں کہ:

۱۔ حضرت عمر بہت ہی زیادہ غاصب اور انتہائی جارح تھے۔

۲۔ حضرت علی حد سے زیادہ بُز دل اور ڈرپوک تھے۔

تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ یہ دونوں باتیں اتنی غلط اور جھوٹی ہیں کہ اِن کے آگے کذب و افتراء کا نہ کوئی مقام ہے نہ ہی حد ہے۔

نکاحِ امِّ کلثوم کے بارے میں روافض کی تیار کردہ اِن روایات میں خوارج نے تھوڑی سی ہاتھ کی صفائی دکھائی تو وہ روایتیں معرضِ وجود میں آ گئیں جو تمام مکاتب فکر کی بڑی بڑی کتابوں کی زینت بن گئیں ہیں۔

عبارتِ حدیث میں جھوٹ، اور کنایۃً گستاخی کا احتمال:

یہ دونوں روایتیں عبارۃً من گھڑت ہیں جبکہ کنایۃً اِن روایتوں سے تینوں ہستیوں کی گستاخی کی جارہی ہے وہ اِس طرح کہ جنابِ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ اُمور سامنے آرہے ہیں کہ:

۱۔ حضرت عمر انتہائی غاصب اور جارح تھے۔

۲۔ حضرت عمر نے حضرت عباس کو خوفزدہ کر کے اور ڈرا دھمکا کر امّ کلثوم کا رشتہ حاصل کیا۔ (جس کی وضاحت گزر چکی ہے)

۳۔ حضرت عمر لوگوں پر چوری کے جھوٹے مقدمے قائم کر کے اور جھوٹے گواہ بنا کر بے گناہوں کے ہاتھ کاٹ دیتے تھے۔ حضرت علی کے بارے میں اِن روایتوں سے یہ اُمور ظاہر ہوتے ہیں۔

اور پھر مولائے کائنات شیرِ خدا فاتح خیبر سیدنا علی المرتضیٰ کرّم اللہ وجہہ الکریم کے بارے میں یہ احتمال جنم لیتے ہیں کہ:

۱۔ حضرت علی جھوٹ بولتے تھے کیونکہ انہوں نے پہلے اپنی بالغ بیٹی کو نابالغ کہا تھا۔

۲۔ حضرت علی انتہائی بُز دل اور تقیہ باز تھے۔

۳۔ حضرت علی نے چوری کا الزام لگ جانے کے ڈر سے اپنی معصوم بیٹی کو حضرت عباس کے توسط سے غاصب اور جھوٹا الزام لگانے والا مدعی کے حوالے کر دیا۔

گستاخی کے کئی اور اسباب:

حضرت عمر کے بارے میں اُن روایتوں سے یہ اُمور واضح ہوتے ہیں کہ:

۱۔ کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے مرض کا شکار تھے کہ جس کا ازالہ اُن کے بڑھاپے

میں بالغ اور کمسن لڑکیاں ہی کر سکتی تھیں؟

۲۔ کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت علی کو جھوٹا سمجھتے تھے کیونکہ جب حضرت علی نے بتایا کہ میری بیٹی نابالغ ہے تو حضرت عمر نے کہا یہ بات درست نہیں؟

۳۔ کیا حضرت عمر خود جھوٹ بولتے تھے کیونکہ اُن کا مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسب جوڑنا نہ تھا بلکہ جب اُنہیں امّ کلثوم بنت ابی بکر کا رشتہ دستیاب نہ ہوا تو اُنہوں نے عمرو بن العاص کے کہنے پر یہ رشتہ طلب کرلیا؟

۴۔ کیا حضرت عمر نے سیدہ اُمّ کلثوم سے اِس قدر دست درازی کی کہ وہ اُن کی ناک توڑنے اور آنکھیں پھوڑنے پر پہنچ گئیں؟

اور پھر سیدنا علی المرتضیٰ کرّم اللہ وجہہ الکریم کے بارے میں اُن روایات سے یہ امور ظاہر ہوتے ہیں کہ:

۱۔ کیا حضرت علی جھوٹ بول لیتے تھے کیونکہ جب حضرت عمر نے اُن سے بیٹی کا رشتہ مانگا تو انہوں نے کہا کہ وہ نابالغ ہے حالانکہ حضرت عمر کے نزدیک وہ بالغ تھیں؟

۲۔ کیا حضرت علی میں غیرت نام کی کوئی چیز نہ تھی کیونکہ انہوں نے اپنی بالغ بیٹی کو پسند کروانے کے لیے تنہائی میں ایک شخص (جو غیر محرم بھی تھا) کے پاس بھیج دیا اور پھر جب اُن کی بیٹی نے اپنے ساتھ اُس شخص کی دست درازی کا ذکر کیا تو یہ کہہ کر خاموش ہو گئے کہ وہ تیرا شوہر ہے حالانکہ ابھی نکاح بھی نہیں ہوا تھا۔

۳۔ کیا حضرت علی نے اپنی اولاد کی تربیت اتنی بُری اور ناقص کی تھی کہ بقول واعظین اُن کی گیارہ سالہ بیٹی نے ستاون سال کے بزرگ کی شان میں بھٹیارنوں کی زبان استعمال کرتے ہوئے کہا کہ اگر تو مومنوں کا امیر نہ ہوتا تو میں تیری ناک توڑ دیتی اور تیری آنکھیں پھوڑ دیتی کیا یہ سچ ہے؟

۴۔ کیا حضرت علی انتہائی ڈرپوک اور بُزدل تھے ورنہ کمزور سے کمزور آدمی بھی اپنی بیٹی سے دست درازی کے خلاف کم از کم صدائے احتجاج ضرور بلند کرتا ہے ایسا کیوں ہوا جواب کون دے گا؟

کیا حضرت عمر اور حضرت علی ایسے ہی تھے؟

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ اور سیدنا حیدر کرار رضی اللہ تعالٰی عنہما کی ذوات بابرکات ان اتہامات وتوہمات سے اتنی بلند اور پاک ہیں کہ وہاں پر اُن خرافات کے تصورات کی بھی رسائی نہیں۔

مؤمنوں کے اموال کے امین اور بیت المال کی ایک ایک رسی کی حفاظت کرنے والے اور ایک ایک تار کا حساب دینے والے حضرت عمر کا کسی جیتے جاگتے اِنسان پر غاصبانہ قبضہ متصور ہی نہیں ہوسکتا۔

خوفِ خداوندی اور آخرت کے ڈر سے رو رو کر رخساروں پر گڑھے ڈال لینے والا بزرگ کسی معصوم بچی کا نوخیز شباب برباد کرنے پر تُل جائے قطعی طور پر ناممکنات سے ہے۔ یہ کیسے سوچا جاسکتا ہے کہ آخرت کی نعمتوں پر لذاتِ دنیوی کو قربان کردینے والا شخص شہوت سے مغلوب ہو کر کسی لڑکی سے دست درازی پر اُتر آئے۔

کوئی سچا مسلمان حضرت عمر کی ذات ِاقدس پر لگائے گئے اِن بہتانوں کی تصدیق نہیں کرسکتا۔خواہ یہ اتہامات اور بہتانات کتنی بھی ثقہ کتب میں مندرج ہوں۔

ایسے ہی امام المشارق والمغارب اسداللہ الغاب فاتح خیبر واحزاب سیدنا ومرشدنا امیر المؤمنین حضرت علی کرّم اللہ وجہہ الکریم کو بزدل ثابت کرنے والی روایات دریابرد کردینے کے قابل ہیں خواہ وہ کسی بھی کتاب میں داخل کردی گئی ہوں۔

باب نمبر 2

حصہ دوم

باب نمبر 2 کے حصہ دوم میں مختصر سیرتِ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ذکر کیا جارہا ہے تاکہ موازنہ کیا جاسکے۔

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کردار کی چند جھلکیاں:

اِس سے پہلے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کردار کشی کرنے کے لیے نکاحِ امّ کلثوم کا ڈھونگ رچانے والوں کی متضاد تحریروں کا محاسبہ کیا جائے حضرت عمر کی عظمت و رفعت، روشن کردار، تقویٰ وورع، خضوع وخشوع، دنیا سے بے رغبتی، ترکِ لذات، عبادت وریاضت اور تضرع وزاری کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں تاکہ آسانی کے ساتھ تعین کیا جاسکے کہ اِس مزعومہ نکاح کے واقعات کا تعلق آپ کی ذاتِ اقدس سے جوڑنا کس حد تک درست ہے۔

مومنین کی مصیبتوں کا غم:

جب مسلمانوں پر کوئی مصیبت آن پڑتی تو امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اِس کی فکر میں اِس قدر غمناک ہوتے کہ ہلاکت کے قریب پہنچ جاتے۔ (نور الابصار، ج۱، ص۲۲۸)

حالتِ غربت:

مختصراً امیر المؤمنین جنابِ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرتِ مبارکہ سے اُن کی غربت کی حالت میں زندگی بسر کرنا اللہ کا شکر ادا کرنا ذکر کیا جارہا ہے تاکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جو یہ الزام لگا رہے ہیں کہ انہوں نے سیدہ امّ کلثوم بنتِ فاطمہ سلام اللہ علیہما سے چالیس ہزار مہر کے عوض نکاح کیا ذرا دیکھیں کہ یہ روایات جھوٹی ہیں یا نکاح والی روایات جھوٹی ہیں فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے:

۱۔ ایک روز نمازِ جمعہ کے لیے تشریف لانے میں کچھ دیر کردی پھر تشریف لائے تو لوگوں سے معذرت کی کہ مجھے اِس کپڑے نے روکا ہے جسے دھویا جارہا تھا اِس کے علاوہ میرے پاس کوئی اور کپڑا نہیں تھا۔

نور الابصار ج۱، ص۲۲۸

۲۔ یہی نہیں بلکہ ایک اور مثال بھی موجود ہے کہ:

امیر المؤمنین جناب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ حج کے لیے تشریف لے گئے اور واپس آنے تک خیمہ نصب نہ کیا۔ جب کسی جگہ نزول فرماتے تو درخت کے نیچے کپڑا بچھایا جاتا جس سے آپ سایہ حاصل کرتے۔

۳۔ پھر گھر میں کھانے کی حالت یہ تھی کبھی بھی دو سالن آپ کے دستر خوان پر جمع نہیں ہوئے جس کی مثال بھی یوں موجود ہے کہ:

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کے آگے ٹھنڈا سالن رکھ دیا اور اس میں گھی رکھ دیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایک برتن میں دو سالن ہیں میں اِسے نہیں کھاؤں گا حتی کہ اللہ تعالیٰ سے ملوں۔

۴۔ امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قمیص میں دونوں کندھوں کے درمیان چار پیوند تھے۔

۵۔ آپ کی چادر میں نوشیروان کے ٹکڑوں کے پیوند لگے ہوئے تھے۔

۶۔ ایک مرتبہ لوگوں نے آپ کی قمیص میں چودہ پیوند شمار کیئے اِن میں سے ایک پیوند سرخ چمڑے کا تھا۔

۷۔ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سفید رنگ سرخی مائل تھے اعادہ کے سال آپ کا رنگ گندمی ہو گیا تھا، جبکہ تیل کے کھانے کا زیادہ استعمال کیا تا کہ مہنگائی کے وقت لوگوں میں وسعت ہو اور گوشت گھی اور دودھ لوگوں کے لیے چھوڑ دیا کیونکہ آپ نے قسم اُٹھا رکھی تھی کہ جب تک اللہ مسلمانوں کو وسعت نہ دے گا وہ تیل کے سوا کوئی سالن استعمال نہ کریں گے۔

۸۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ میں جو چیز حلال سمجھتا ہوں تمہیں بتاتا ہوں میرے لیے سال میں دو جوڑے حلال ہیں۔ ایک جوڑا چادر اور تہبند کا ہوتا ہے ایک

جوڑا جاڑے میں ایک گرمی میں اور وہ سواری جس پر میں حج وغیرہ کروں۔

البدایہ والنہایہ ج۷، ص۲۷۲۔ طبقاتِ ابن سعد ج۳، ۶۴

۹۔ ابو عثمان کا بیان ہے میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جمرہ میں رمی کرتے دیکھا تھا اُن کی ازار (تہ بند) میں ایک پیوند جراب کا لگا ہوا تھا فتحِ بیت المقدس کے وقت جب آپ تشریف لے گئے تھے تو آپ کی قمیض میں ستر پیوند تھے جن میں ایک چمڑے کا تھا۔

تاریخ ابن خلدون ج۱، ص۴۰۱

۱۰۔ عمران سے مروی ہے کہ:
حضرت عمر کو جب ضرورت ہوتی تو وہ محافظِ بیت المال کے پاس آتے اوراس سے قرض لے لیتے اکثر تنگی ہوتی، محافظِ بیت المال اُن کے پاس آ کر تقاضا کرتا اور اُن کے ساتھ ہو لیتا تو وہ اُس سے حیلہ کرتے (کہ فلاں وقت دوں گا) اور اکثر ان کی تنخواہ نکلتی تو وہ اُسے ادا کر دیتے تھے۔

طبقاتِ ابن سعد حصہ سوم، ص۶۵

۱۱۔ (کروں تیرے تقویٰ و انصاف پر ہر دور کو قربان) براء کے ایک بیٹے سے مروی ہے کہ ایک روز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نکل کر منبر کے پاس آئے وہ کچھ بیمار تھے اُن سے شہد کی تعریف کی گئی کہ اِس مرض میں مفید ہے اور بیت المال میں ایک عکہ وزن شہد ہے۔
انہوں نے کہا کہ اگر تم لوگ مجھے اِس کی اجازت دو تو خیر ورنہ وہ مجھ پر حرام ہے لوگوں نے انہیں اس کی اجازت دی۔

طبقاتِ ابن سعد حصہ سوم، ص۶۵

۱۲۔ حافظ ابن کثیر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کردار و سیرت کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دنیا نے چاہا لیکن آپ نے دنیا کو نہ چاہا۔

آپ خلیفہ ہوتے ہوئے بھی پیوند اونی جبہ پہنتے تھے جن میں سے بعض پیوند چمڑے کے ہوتے تھے اور کندھے پر درّہ رکھ کر بازاروں میں چکر لگاتے تھے اور درّے سے لوگوں کو تادیب کرتے تھے جب گٹھلی وغیرہ کے پاس سے گزرتے تو اُسے اُٹھا کر لوگوں کے گھروں میں پھینک دیتے تاکہ وہ اس سے فائدہ اُٹھائیں۔

البدایہ والنہایہ ج۷، ص۲۷۱

مزید بیان کیا کہ آپ کپڑے کو چمڑے کا پیوند لگاتے اور مشکیزے کو اپنے کندھوں پر اُٹھاتے تھے اور برہنہ پُشت گدھے اور چھال سے نکیل دیئے اونٹ پر سوار ہوتے تھے۔

انتہائے انکسار:

جب آپ کا انتقال ہوا اُس وقت آپ کا سر آپ کے صاحبزادے عبداللہ کی گود میں تھا، فرمایا کہ میرے بیٹے میرا سر زمین پر رکھ دو حضرت عبداللہ نے کہا اس میں کیا حرج ہے کہ میری گود میں ہو یا زمین پر، فرمایا کہ بہرکیف میرا سر زمیں پر رکھ دو، حضرت عبداللہ نے آپ کا سر مبارک زمیں پر رکھ دیا اس پر فرمایا کہ اگر میرے پروردگار نے مجھ پر رحم نہ کیا تو میں اور میری ماں ہلاک ہو جائیں گے پھر فرمایا مجھے یہ محبوب ہے کہ میں دنیا سے ایسے جاؤں جیسے دنیا میں آیا تھا نہ مجھے ثواب ہو اور نہ ہی مجھ پر گناہ ہو۔

نورالابصار ج۱، ص۲۲۸

نورالابصار سے پیش کیئے گئے ان میں سے ایک ایک واقعہ پر غور فرمائیں اور پھر نکاحِ اِمِّ کلثوم کے بارے میں آنے والی روایات بغور پڑھیں تو آپ کو یقین آجائے گا کہ جس عمر کے ساتھ سیدہ امِّ کلثوم کا فرضی نکاح کروایا گیا ہے وہ امیرالموٗمنین امام المتقین حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہرگز نہیں ہو سکتے۔

بہرکیف حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے کردار وسیرت کے سلسلہ میں اِسی قسم کے چند

واقعات دیگر ثقہ کتابوں میں موجود ہیں۔

حضرت عمر اور ان کی پوتی:

حسن سے مروی ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دبلی لڑکی کو دیکھا کہ کودتی جارہی ہے پوچھا یہ لڑکی کس کی ہے عبداللہ بن عمر نے کہا کہ میری بیٹی ہے اور عرض کی یہ آپ کی وجہ سے ہے آپ اسے نفقہ نہیں دیتے انہوں نے کہا کہ واللہ میں تمہارے بچوں کی وجہ سے یہ امید نہ دلاؤں گا میں تمہارے بچوں پر وسعت کروں گا۔

طبقاتِ ابن سعد حصہ سوم، ص ۶۵

یسار بن نمیر سے مروی ہے کہ مجھ سے عمر نے پوچھا کہ ہم نے اپنے ساتھ حج میں کتنا خرچ کیا تو میں نے کہا پندرہ دینار۔

البدایہ والنہایہ ج ۷، ص ۲۷۳

خلاصۂ کلام:

یہ ہے سلطنتِ اسلامیہ کے اُس شہریار کے کردار و سیرت کی چند جھلکیاں جس نے جلالِ کسروی اور شکوہِ قیصروی کو پاؤں تلے روند ڈالا۔

یہ ہے اُس فقر کے بادشاہ اور افسر زہاد کی آسائشِ دنیوی سے بے رغبتی جس کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ اُس نے ایک لڑکی سے چالیس ہزار درہم کے عوض نکاح کیا جبکہ منقولہ روایات سے یہ نتائج برآمد ہوتے ہیں کہ:

۱۔ آپ پر ہمیشہ مسلمانوں کے مصائب کا غم چھایا رہتا تھا اور آپ اِس قدر غم کرتے تھے کہ ہلاکت کے قریب پہنچ جاتے تھے۔

۲۔ آپ کے پاس ایک ہی چادر تھی جسے دھو کر نمازِ جمعہ میں شرکت فرماتے تھے۔

۳۔ آپ سفر میں خیمہ کے بجائے درخت کے سایہ میں آرام فرمایا کرتے تھے جبکہ درخت کے سایہ میں دھوپ کی بھی آمیزش ہوتی ہے۔

۴۔ آپ ایک وقت میں صرف ایک ہی سالن سے روٹی کھاتے تھے۔

۵۔ آپ کی قمیص پر دو سے لیکر ستر تک پیوند لگے ہوئے ہوتے تھے۔

۶۔ آپ مہنگائی کے باعث سالن کی جگہ اکثر زیتون کے تیل سے روٹی کھاتے تھے۔

۷۔ آپ نے وقتِ رخصت اپنا سر زمین پر رکھ دینا پسند فرمایا۔

۸۔ آپ کا فرمان ہے کہ مجھ پر سال میں کپڑوں کے دو جوڑے حلال ہیں ایک جوڑا گرمیوں کے لیے اور ایک سردیوں کے لیے۔

۹۔ آپ بیمار ہیں اور علاج کے لیے شہد جیسی عام چیز نہ خرید سکتے تھے نہ بیت المال سے لینا چاہتے۔

۱۰۔ آپ اپنے جگر کے ٹکڑوں اور پوتے پوتیوں پر بھی فراخی کے دروازے کھولنا پسند نہیں فرماتے تھے۔

۱۱۔ آپ سفرِ حج میں مع قربانی کے صرف پندرہ دینار خرچ کرتے تھے۔

۱۲۔ دنیا آپ کو چاہتی تھی مگر آپ دنیا کو نہیں چاہتے تھے۔

قارئین محترم! جو شخص سال میں صرف کپڑوں کے دو جوڑے استعمال کرتا ہو اور ایک وقت میں جس کے پاس صرف ایک ہی جوڑا ہو جسے دھو کر نمازِ جمعہ ادا فرماتا ہو جس کے دستر خواں پر دو سالن نہ جمع ہوتے ہوں بلکہ اکثر تیل کے ساتھ روٹی کھاتا ہو بیماری کے عالم میں شہد جیسی عام چیز نہ خرید سکتا ہو اپنے پوتے پوتیوں پر کوئی چیز نہ خرچ کر سکتا ہو مدینہ منورہ سے حج پر جا کر بمشکل پندرہ دینار خرچ کر سکتا ہو وہ چالیس ہزار درہم کے عوض شادیاں کیسے رچا سکتا ہے؟۔

جو امیر المؤمنین مؤمنوں کی پریشانی کے غم میں مبتلا رہتا ہو وہ مؤرخین کی بیان کردہ خوشیاں کیسے تلاش کر سکتا ہے؟۔

نکاحِ امِّ کلثوم کی روایتوں میں بتایا گیا ہے کہ آپ نے مولائے کائنات سے کہا میں آپ کی بیٹی کے ساتھ تمام لوگوں سے زیادہ اچھا سلوک کروں گا یعنی تمام لوگوں سے زیادہ خوشیاں دوں گا مگر ہم دیکھتے ہیں کہ تاجدارِ مملکتِ فقر وقناعت جناب حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پاس اُن کے دورِ خلافت میں خوشی نام کی کوئی چیز نہ تھی۔

خوفِ خدا اور عمر:

مشہور اور ثقہ روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اپنے دورِ خلافت میں خشیتِ الٰہی سے اِس قدر زیادہ رویا کرتے تھے کہ آنسوؤں کی روانی کے تسلسل نے آپ کی رخساروں پر گڑھے ڈال دیئے تھے۔(البدایہ والنہایہ ج ۷،ص ۷۷ ۲)

اللہ اکبر! یہ ہے مقام امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کہ رضائے الٰہی اور آخرت کی نعمتوں کے حصول کے لیے خود ہی دنیا کی تمام نعمتوں اور راحتوں سے دامن چھڑا لیا اور ہر خوشی آخرت کے غم پر قربان کر دی۔

ذرا غور فرمائیں کہ جس ذاتِ اقدس کے دامن میں اپنے لیے بھی صرف غم ہی غم اور آنسو ہی آنسو ہوں وہ کسی دوسرے کو کیسے خوشیاں دے سکتا ہے جبکہ حُسنِ سلوک کا ابتدائی مرحلہ اپنی بیوی کا دامن خوشیوں سے بھر دینا ہے۔

حسنِ سلوک:

اِن روایتوں میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مولائے کائنات علی المرتضیٰ کرّم اللہ وجہہ الکریم سے اُن کی بیٹی کا رشتہ طلب کرتے وقت فرمایا تھا کہ آپ میرے ساتھ بیٹی کو بیاہ دیں خدا کی قسم مجھ سے زیادہ اِس کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے والا دنیا میں اور کوئی نہیں ہے۔

پھر انہی روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ:

جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال مبارک کے بعد اِسی خاتون کا نکاح اپنے چچازاد سے ہوا تو اُن کا آپس میں ایسا حسنِ سلوک اور پیار تھا کہ جس کی مثال کہیں اور نہیں ملتی۔

انہی روایات میں یہ امر بھی بالوضاحت بیان کیا گیا ہے کہ:

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیٹی کے رشتہ کے انکار پر حضرت علی کرَّم اللہ وجہہ الکریم کو فرمایا تھا جو آپ کا خیال ہے وہ بات نہیں۔

میں آپ کی بیٹی سے شادی حق زوجیت ادا کرنے کے لیے نہیں کر رہا بلکہ میری خواہش صرف یہ ہے کہ اِس رشتہ کے ساتھ میرا نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جُڑ جائے۔

اِن فرضی اور وضعی اقوال سے ذیل اشکالات پیدا ہوتے ہیں کہ:

کیا کسی نوخیز دوشیزہ سے شادی کرکے اُسے حق زوجیت سے محروم کر دینا حسنِ سلوک کے زمرہ میں آتا ہے؟ یا اُس کی جوانی برباد کرنے کا ذریعہ ہے؟

ہر بیٹی کا باپ اور ہر بیوی کا شوہر پکار پکار کر کہے گا کہ ایسی شادی کرہاً وجبراً تو ہو سکتی ہے مگر اِس میں شوہر کی طرف سے حسنِ سلوک جیسی کس چیز کا تصور مفقود ہے۔

اور اگر راویوں کے مطابق حضرت عمر نے یہ وعدہ کیا تھا کہ یہ شادی خواہشِ نفسانی کے لیے نہیں بلکہ محض حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسب جوڑنے کے لیے کر رہے ہیں تو پھر اُس مشروط نکاح سے لائی ہوئی لڑکی کے ہاں زید اور رقیہ کیسے پیدا ہو گئے؟

اور حضرت عمر نے اُس عہد کو کیسے توڑ دیا جو انہوں نے حضرت علی کے ساتھ کیا تھا۔ جبکہ تعلق تو پہلے ہی قائم تھا جو اس سے کہیں بڑھ کر اہمیت کا حامل تھا۔

لہو پکار رہا ہے آستین کا:

۱۔ حقیقت یہ ہے کہ اِن روایات کو گھڑنے والوں نے اُن مضمرات پر توجہ ہی نہیں دی جن سے اُن کا کذبِ صریح اور ننگا جھوٹ "لہو پکارے گا آستین کا" کی مثال بن کر سامنے آرہا ہے یہ بھی حقیقت ہے کہ جب جھوٹی باتیں گھڑی جاتی ہیں اور افواہیں چھوڑی جاتی ہیں تو اُن میں کذاب اور افواہ گرنے کتنی بھی مہارتِ کذب کو آزمایا ہو اور کتنی بھی احتیاط سے کام لیا ہو کسی نہ کسی مرحلہ پر اُس کا دجل وفریب اور جھوٹ ظاہر ہو ہی جاتا ہے۔

۲۔ دوسرا سوال یہ اٹھتا ہے کہ کیا کسی لڑکی کے ساتھ زبردستی شادی کر لینے سے اُس کے باپ کے ساتھ نسب جُڑ جاتا ہے؟ تو پھر ثابت ہوتا ہے کہ راوی نے اُس حدیثِ رسول کو زبردستی اِس روایت میں ٹھونس دیا ہے جس میں ہے کہ قیامت کے دِن سوائے میرے نسب کے سوا سب کے سب نسب

کٹ جائیں گے۔

اور اگر جواب اثبات میں ہے یعنی کسی لڑکی سے شادی کر لینے سے اُس کے باپ کے ساتھ نسب جُڑ جاتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نسب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے ہی جُڑا ہوا تھا کیونکہ آپ نے حضرت عمر کی صاحبزادی اُمُّ المؤمنین حضرتِ حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا ہوا تھا بلکہ آپ کا نسب سیدنا ابوبکر صدیق سے بھی جُڑا ہوا تھا کیونکہ اُن کی صاحبزادی اُمُّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی منکوحہ تھیں۔

ایسے ہی دیگر ازواجِ مطہرات کے والدین سے بھی آپ کا نسب جُڑا ہوا تھا۔اب جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نسب پہلے ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جُڑ چکا تھا تو اُس نسب کو توڑ کر نئے سرے سے نسب جوڑنے کا سبب ہرگز نہیں ہوسکتا۔

اِس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشادِ مبارک خود ہی گواہ ہے کہ قیامت کے دِن میرے سوا تمام لوگوں کے نسب مُنقطع ہو جائیں گے،اِس ارشاد کی روشنی میں نسب جُڑنے کی کہانی کو اُس وقت درست تسلیم کیا جاسکتا تھا جب سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اِس حدیثِ پاک میں یا کسی دوسری حدیث میں یہ ارشاد بھی ہوتا کہ جو شخص میری بیٹیوں یا میری بیٹیوں کی بیٹیوں سے شادی کرے گا اُس کا نسب بھی میرے ساتھ جُڑ جائے گا اور وہ بھی منقطع نہیں ہوگا۔

باب نمبر 2

حصہ سوم

باب نمبر 2 کے اِس حصہ میں صرف مولائے کائنات سے رشتہ طلب کرنے کے متعلق جو باتیں بنائی گئی ہیں اُن کو بیان کیا جا رہا ہے اور پھر حقیقت کے پیشِ نظر مولائے کائنات کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تعلقات کو بیان کیا جائے گا تاکہ جنم لینے والے سوالات کا منہ توڑ جواب دیا جا سکے۔

حضرت عمر کا شیرِ خدا سے رشتہ طلب کرنا:

اِن روایات میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مولائے کائنات شیرِ خدا علی المرتضیٰ کرّم اللہ وجہہ الکریم سے بیٹی کا رشتہ مانگا جس پر انہوں نے کہا کہ" انھا صغیرۃ" یعنی وہ چھوٹی اور نابالغ بچی ہے اور آپ کے کام کی نہیں اِس پر حضرت عمر نے فرمایا کہ میں اِس بات کو تسلیم نہیں کرتا۔

حضرت علی نے فرمایا کہ میں اُسے آپ کے پاس بھیج دیتا ہوں آپ خود دیکھ لیں پھر جب حضرت عمر نے اسے اچھی طرح دیکھا تو انہیں وہ شادی کے قابل نظر آئی اور انہوں نے کہا مجھے پسند ہے آپ میرے ساتھ اِس کی شادی کر دیں۔

جبکہ حضرت عمر نے مولائے کائنات سے فرمایا تھا کہ اے علی وہ چھوٹی نہیں بلکہ تم مجھے اُس کا رشتہ نہیں دینا چاہتے جس کی وجہ سے تم نے یہ کہا ہے کہ وہ آپ کے کام کی نہیں بلکہ چھوٹی ہے۔

معزز قارئین! تو پھر مولائے کائنات کے اِس جملے کا کیا مطلب ہے؟ اور جنابِ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اِس جواب کا کیا مطلب ہے؟

اس مکالمے پر جنم لینے والے سے ناقابلِ برداشت سوالات:

اس مکالمے میں کئی اشکالات سامنے آتے ہیں سب سے پہلے (انھا صغیرۃ) کا مطلب سمجھنا ازحد ضروری ہے کہ اِس کا مطلب کیا ہے:

۱۔ مشکوٰۃ شریف اور دیگر معتبر کتابوں میں ہے کہ انھی حضرت عمر نے حضور نبی اکرم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اُن کی بیٹی سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کا رشتہ طلب کیا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب میں فرمایا کہ" انھا صغیرۃ"۔

مشکوٰۃ شریف مترجم ج۲، ص۲۱۵

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اِس جواب سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جان لیا کہ آپ مجھے یہ رشتہ نہیں دینا چاہتے چنانچہ انہوں نے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی کو تلاش کر کے کہا کہ ہم دونوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سیدہ فاطمۃ الزہراء کا اپنے اپنے لیے رشتہ طلب کیا تھا مگر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں جواب دے دیا ہے اس لیے اب آپ بھی قسمت آزمائی کریں۔

یہ واقعہ ۲ھ کا ہے اور اس وقت سیدہ فاطمۃ الزہراء کی عمر مبارکہ چودہ سال چند ماہ تھی اور یہ بلوغت کی عمر ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ بلوغت کی عمر کو پہنچ جانے والی صاحبزادی کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "انھا صغیرۃ" کے الفاظ استعمال فرمائے۔

جنابِ فاروقِ اعظم نے بغیر کسی قسم کا سوال اُٹھائے خاموشی اختیار کر لی اور اِسی طرح بعینہ یہی جملہ اُسی فاطمۃ الزہرا کی بیٹی کے بارے میں مولائے کائنات نے کہا تو جنابِ فاروقِ اعظم نے اُن کی بات نہیں مانی۔

۲۔ اگر رشتہ طلب کرنے والے کی زیادہ عمر کے پیشِ نظر" انھا صغیرۃ " کا جملہ مقصود ہو تو جب جنابِ فاطمۃ الزہرا کا رشتہ طلب کیا گیا تھا تو اُس وقت جنابِ حضرت عمر کی عمر چالیس برس کے لگ بھگ تھی اور جب وہ اُسی سیدہ فاطمۃ الزہرا کی بیٹی امِّ کلثوم کا رشتہ طلب کرتے ہیں اُس وقت آپ کی عمر ستاون برس ہے جو کہ زندگی کے اعتبار سے بھی اور شادی کے اعتبار سے بھی پہلی ڈیمانڈ کے مقابلہ میں بہت ہی زیادہ ہے۔

اور اگر "انھا صغیرۃ" کا جملہ لڑکی کی چھوٹی عمر کے پیشِ نظر کہا گیا تو سیدہ فاطمۃ الزہرا کی عمر مبارک اُس وقت چودہ سال سے زیادہ تھی جبکہ اُن کی بیٹی کی عمر بقول ان کے گیارہ اور حقیقتاً پانچ یا سات یا آٹھ سال تھی اِس سوال

کا جواب تمام مصنفین (جو اس بات کو بغیر تحقیق کے بیان کرتے ہیں) سے طلب ہے۔

۳۔ تیسرا اہم ترین سوال یہ ہے کہ اِن روایات کے مطابق جنابِ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے مولائے کائنات شیرِ خدا کرَّ م اللہ وجہہ الکریم سے اُن کی بیٹی کا رشتہ طلب کیا تو انہوں نے فرمایا کہ" **انہا صغیرۃ** " یعنی وہ نابالغ ہے اِس پر حضرت عمر نے فرمایا کہ نہیں یہ بات نہیں جو آپ کہتے ہیں (یعنی آپ غلط کہتے ہیں کہ آپ کی بیٹی نابالغ ہے) چنانچہ مولائے کائنات نے لڑکی کو اُن کے پاس بھیج دیا تاکہ خود ہی دیکھ لیں کہ بالغ ہے یا نابالغ۔

قطع نظر اس کے کہ کیا دنیائے اسلام میں اِس واقعہ کی مثال کہیں اور بھی موجود ہے یا نہیں صرف اِسی ایک بات کو سامنے لے آئیں کہ کیا فی الواقع حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے نزدیک مولائے کائنات علی المرتضیٰ کرَّ م اللہ وجہہ الکریم نے جھوٹ بولا تھا جس پر انہوں نے جنابِ مولائے کائنات کی بات کی تردید کر دی ہے۔

حضرت علی کا حضرت عمر کے نزدیک مقام ومرتبہ:

روایتیں گھڑنے والوں کی بے حیائی کا عالم یہ ہے کہ وہ اپنا غلیظ مقصد پورا کرنے کے لیے اسلام کی اُن مقتدر ہستیوں پر طعن کرنے تک پہنچ گئے جن کے قلوب میں ایک دوسرے کے ساتھ احترام ومحبت کے سمندر موجزن تھے۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے غدیرِ خم کے موقع پر "من کنت مولاہ فھٰذا علی مولاہ" فرمایا سب سے پہلے شخص حضرت عمر ہیں جنہوں نے مولائے کائنات کے پاس جا کر کہا کہ علی آپ کو مبارک ہو آپ مومنوں کے مولا ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں ایک دیوانی زانیہ پر حدّ زنا قائم فرمائی تو مولائے کائنات علی المرتضیٰ کرَّم اللہ وجہہ الکریم نے اُنہیں بتایا کہ حضور

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیوانے کو مرفوع القلم فرمایا ہے اِس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ "لولا علی لھلک عمر" یعنی اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔

سنن دارِ قطنی ص۳۴۶۔ کنز العمال ج۳، ص۹۵۔ فیض القدیر ج۴، ص۳۵۶۔ فتح الباری ج۱۵ ص۱۳۱

ایسے ہی جنابِ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شرابی پر حد قائم کرنے پر تساہل واقع ہوا تو مولائے کائنات علی المرتضیٰ کرّم اللہ وجہہ الکریم نے اِس مسئلہ میں اُن کی راہنمائی فرمائی تو جنابِ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"اعوذ باللہ ان اعیش فی قوم لست فیھم یا ابا الحسن"۔

ترجمہ: میں اُس قوم میں جینے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اے ابا الحسن جس میں آپ نہ ہوں۔

المستدرک ج۱، ص۴۵۷۔ کنز العمال ج۳، ص۳۵

علامہ مادی نے اِس حدیث کی شرح کرتے ہوئے اِس روایت کو متعدد طرق سے بیان کیا اور ایک روایت کے یہ الفاظ بیان کئے ہیں کہ:

"انہ کان یتعوذ من قوم لیس ھو یعنی علیاً فیھم"۔

فیض القدیر ج۳، ص۶۴۔ سنن بیہقی ج۶ ص۱۲۳

گھبراہٹ کے عالم میں ماں کے شکم سے پیدا ہو کر مر جانے والے بچے کی دیت کا مسئلہ پیدا ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مولائے کائنات سے رجوع کیا اور مولائے کائنات کے فتویٰ کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا کہ "صدقت یا علی"

جنابِ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نظریہ:

ایسے ہی حضرت عمر نے ایک عورت پر چھ ماہ کا بچہ جننے پر حد قائم فرمائی تو جنابِ مولائے کائنات نے اُن کی اصلاح کرتے ہوئے فرمایا کہ "لا رجم علیھا" چنانچہ

آپ کے فتویٰ پر جنابِ حضرت عمر نے اُس کو رجم کرنا ترک کردیا اور فرمایا کہ "لولا علی لھلک عمر"۔ یعنی اگر علی نہ ہوتے عمر ہلاک ہو جاتا۔

ریاض النضرہ فی مناقب العشرۃ والمبشرۃ ج۲،ص۱۶۴۔ سنن بیہقی ج۷، ص۴۴۲ کنزالعمال ج۳، ص۹۶

ایسے ہی جنابِ حضرت عمر نے ایک مسئلہ میں دیگر صحابہ کرام کے علاوہ مولائے کائنات سے رجوع فرمایا تو آپ کے فتوے کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا کہ "انت خیرھم فتویٰ" یا علی آپ صحابہ میں سب سے بہتر فتویٰ دینے والے ہیں۔

طبقاتِ ابن سعد کی دوسری روایت میں ہے کہ جنابِ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ "صدقت یاعلی "اے علی تو نے سچ کہا۔

طبقاتِ ابنِ سعد ج۲، ص۱۰۲۔ ج۳،ص۲۲۱۔ دارِ قطنی ص۲۳۸

توہینِ علی کرنے والے کے ساتھ حضرت عمر کا رویہ:

ریاض النضرہ میں ہے کہ جنابِ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک شخص نے آ کر حضرت علی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا میرا اِس بڑے پیٹ والے کے ساتھ تنازعہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر اپنی جگہ سے اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور اُس کو گریبان سے پکڑ کر زمین سے اُٹھالیا اور فرمایا کہ:

"اتدری من صغرت؟ مولای ومولیٰ کل مسلم"۔

ترجمہ: کیا تو جانتا ہے کہ جس کی تو توہین کر رہا ہے وہ میرا اور تمام مسلمانوں کا مولا ہے۔

حضرت عمر کی تمنا:

ایک مرتبہ جناب علی المرتضیٰ کرّم اللہ وجہہ الکریم نے جنابِ عمر کی ایک مسئلہ میں

راہنمائی فرمائی تو جنابِ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کہا کہ:

"لا ابقانی اللہ بعدک یا علی"۔

ریاض النضرہ ج۲، ص۱۹۷، فیض القدیر ج۴، ص۳۵۶۔ الصواعقِ المحرقہ ص۱۰۷

ترجمہ: یا علی آپ کے بعد مجھے اللہ زندہ نہ رکھے۔

حضرت عمر کا جنابِ مولائے کائنات کو مشکل کشا ماننا:

ایک مرتبہ یہودیوں نے قرآن کی بعض آیات کی تصدیق اور بعض کی تکذیب کرنا چاہی تو حضرت عمر نے اِس سلسلہ میں جنابِ مولائے کائنات کرّم اللہ وجہہ الکریم سے رجوع کیا آپ نے یہودیوں کو ساقط وساکت کردیا تو جنابِ عمر نے فرمایا کہ:

"اعوذباللہ من معضلۃ لا علی بہا"۔

فتح الباری شرح صحیح بخاری ج۱۷، ص۱۰۵۔ نور الابصار ص۱۷۱

ترجمہ: میں اُس مشکل سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں جسے حل کرنے کے لیے جنابِ علی المرتضیٰ موجود نہ ہوں۔

اِس سلسلہ کی اور بھی بہت سی روایات ہیں جن میں جنابِ حضرت عمر نے مولائے کائنات سیدنا علی المرتضیٰ کرّم اللہ وجہہ الکریم کے علم وفضل اور عظمت وصداقت کا اعتراف فرمایا ہے اندریں صورت یہ کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ حضرت علی اپنی بیٹی کی عمر کے بارے میں بتائیں تو جنابِ حضرت عمر اُن کی تردید وتکذیب کرتے ہوئے کہیں آپ کی یہ بات درست نہیں اور پھر حضرت علی اپنی بات کا یقین دلانے کے لیے اپنی بیٹی کو اکیلے میں اُن کے پاس بھیج دیں اور وہ پنڈلی کھول کر لڑکی کی عمر کا اندازہ لگائیں۔ (العیاذ باللہ)

حالانکہ ایک شخص حضرت علی کو بڑے پیٹ والا کہتا ہے تو حضرت عمر توہین علی سمجھ کر مشتعل ہوجاتے ہیں اور کھڑے ہو کر اُس شخص کو گریبان سے پکڑ کر زمین پر دے

مارتے ہیں اور توہین کرنے والے کو فرماتے ہیں کہ جان لے علی میرے بھی اور تمام مؤمنوں کے بھی مولا ہیں۔

اندازہ فرمائیں جو شخص حضرت علی کی اتنی سی توہین گوارا نہیں کرتا اور توہین کرنے والے کو سزا دینے پر تُل جاتا ہے وہ خود حضرت علی کی اِس قدر توہین کیسے کرسکتا ہے کہ پہلے اُن کی بات کو غلط کہے اور پھر اپنی تسلی کے لیے اُن کی بیٹی کو پاس بلا کر اُس کی پنڈلی کھول دے اور ہر وہ حرکت کر گزرے جس کی شریعت اجازت ہی نہیں دیتی۔

یاد رکھیں جنابِ عمر کو یقینِ کامل تھا کہ مولائے کائنات علی المرتضیٰ کرّم اللہ وجہہ الکریم جھوٹ نہیں بول سکتے اور اُن کے سامنے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان بھی موجود تھا کہ صدیق تین ہیں جن میں سے ایک مولائے کائنات ہیں۔

یہ بھی یاد رکھیں کہ جو شخص پوری زندگی میں ایک مرتبہ بھی جھوٹی بات کہہ دے اُس کا نام صدیقوں کی فہرست سے کٹ جاتا ہے جبکہ جھوٹا آدمی کبھی سچ بھی بول لیتا ہے۔ مگر صدیق اور سچا آدمی کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا مولائے کائنات کو صادق اور مصدوق حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صدیق اور سچا کہا ہے جس کی صداقت پر مہرِ رسالت لگ جائے وہ جھوٹا نہیں ہوسکتا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہم سے زیادہ جانتے تھے کہ مولائے کائنات ہرگز ہرگز جھوٹ نہیں بولتے لہٰذا یہ کسی بھی صورت تصور نہیں کیا جاسکتا کہ اِس قسم کا کوئی واقعہ پیش آیا ہو جس میں جناب حضرت عمر نے مولائے کائنات کے فرمان پر یقین نہ کیا ہو۔

ان تمام حالات میں سوائے اِس کے کوئی چارہ کار ہی نہیں کہ بجائے مولائے کائنات کو جھوٹ سے متہم کرنے کے ہر اُس روایت کو کذب وافتراء پر مبنی قرار دے دیا جائے جس میں فرمانِ علی کی تکذیب کا شائبہ بھی پایا جاتا ہو۔

جھوٹی روایتیں گھڑنے والوں کی بدقسمتی کی انتہاء یہ ہے کہ وہ یہ بھی بھول جاتے

ہیں کہ خلفائے راشدین تو کیا عام صحابہ کرام بھی ایک دوسرے کے بارے میں اچھا گمان رکھتے تھے اور ایک دوسرے کی تکذیب کرنے سے حتی الامکان پہلو تہی کرتے تھے۔

صحابہ کو آڑ بنانے والو:

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دیوانوں اور شمع رسالت کے پروانوں (صحابہ کرام) رضوان اللہ علیہم اجمعین کو آڑ بنا کر خاندانِ رسالت کی توہین کرنے والے بدبختو! نکاح امِّ کلثوم کے بارے میں تمہاری پیش کردہ گندی روایات سے نہ صرف مجسمۂ عفت وغیرت سیدنا حیدر کرّار اور اُن کی عفت مآب بیٹی کی تذلیل وتحقیر ہوتی ہے بلکہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زہد واتقاء کے بھی پرخچے اُڑ جاتے ہیں۔

قارئین اب فیصلہ کریں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مولائے کائنات کے ساتھ کیسے تعلقات تھے؟ اگر تعلقات اچھے ہیں تو فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔

اگر تعلقات اچھے تھے لیکن وہ ظاہری تھے تو (نعوذ باللہ) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں یہ کہیں منافقت کی نشانی تو نہیں پائی جارہی ذرا غور کریں خارجیت کی نقل کردہ روایات سے کیا ظاہر ہورہا ہے۔

اللہ تعالیٰ قارئین کو عقلِ سلیم عطا فرمائے۔

(آمین یارب العالمین)

باب نمبر 3

حصہ اول

باب نمبر 3 کے حصہ اول میں امّ کلثوم بنتِ ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما کے بارے میں روایات اور اُس سے پیدا ہونے والی قباحتوں کا ذکر کیا جارہا ہے۔ جبکہ اسی باب میں نکاحِ امِّ کلثوم بنتِ ابی بکر صدیق و امِّ کلثوم بنتِ فاطمہ رضی اللہ عنہم کا تذکرہ بھی کیا جائے گا۔ تاہم فیصلہ کن گفتگو اگلے باب میں موجود ہے۔

امِّ کلثوم بنتِ ابی بکرصدیق کے بارے میں روایات اوراس کی قباحتیں:

جنابِ امِّ کلثوم بنتِ ابی بکرصدیق کے رشتہ کے بارے میں آنے والی روایات کے باقی حصوں کا تجزیہ بھی پیش کیا جارہا ہے تاکہ معاملہ سمجھنے میں آسانی ہو سکے۔

اس روایت کا ایک جزیہ یہ ہے کہ امُّ المؤمنین جنابِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے کہنے پر جنابِ ابن العاص نے حضرت عمر کو امِّ کلثوم بنت ابی بکرصدیق سے شادی کرنے سے روکنا چاہا، حضرت عمر نے کہا کہ ایسا تو نہیں کہ آپ اِس کے ساتھ نکاح کرنا چاہتے ہو؟

جنابِ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ و دیگر صحابہ کی طرف ایسے بات منسوب کرنا ہرطرح سے انتہائی قبیح ہے۔

☆۔ اولاً یہ کہ امُّ المؤمنین کی بہن نے اگر اِس شادی سے انکار کردیا تھا توامُّ المؤمنین خود یہ بات حضرت عمر سے کرسکتی تھیں اِس لیے کہ آپ ہرقسم کے دباؤ سے آزاد تھیں حالانکہ اِس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اپنی بہن کے انکار پر مضطرب ہوگئیں اور اِس صورت میں امیرالمؤمنین حضرت عمر کا سامنا نہیں کرسکتی تھیں۔

☆۔ دوم یہ کہ جس شخص نے اِس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے آپ کی وکالت کے فرائض انجام دیئے حضرت عمر کے نزدیک وہ امُّ المؤمنین سے زیادہ محترم ہرگز نہیں تھا۔

☆۔ سوم یہ کہ اِس روایت میں ظاہر کیا گیا ہے کہ نہ توابن العاص حضرت عمر کے ساتھ مخلص تھے اور نہ ہی حضرت عمر کو اُن پر اعتبار تھا چنانچہ جیسے ہی ابن العاص نے یہ کہتے ہوئے اس رشتہ کا تذکرہ کیا کہ میں آپ کو ایک غلط کام سے بچانا چاہتا ہوں تو فوراً حضرت عمر نے فرمادیا کہ کہیں مجھے اِس رشتہ سے

روکنے کا مطلب یہ تو نہیں کہ تم خود اِس کے امیدوار اور طلبگار ہو؟۔

مزید ایک اور قباحت:

اِسی عبارت سے ایک اور قباحت بھی پیدا ہو رہی ہے وہ یہ کہ ابن العاص نے جنابِ حضرت عمر کو ورغلاتے ہوئے کہا کہ اِس رشتہ میں وجہ یہ ہے کہ امّ کلثوم بنتِ ابی بکر امُّ المؤمنین عائشہ صدیقہ کی زیرِ عاطفت ناز و نعم میں پلی ہوئی ہے اور آپ سخت مزاج آدمی ہیں اور آپ لازماً اپنی طبعی شدت کی وجہ سے اُس پر سختی کریں گے اور یہ ابوبکر صدیق اور ان کی اولاد کے ساتھ انصاف نہیں ہوگا۔

یہاں اِس امر کا ذکر کر دینا ضروری ہے کہ بعض مؤرخین کے الفاظ یہ ہیں کہ اُمِّ کلثوم بنتِ ابوبکر امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق کے زیرِ عاطفت ناز و نعم سے پروان چڑھی ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اُمِّ کلثوم جنابِ ابوبکر صدیق کی زندگی میں پیدا ہی نہیں ہوئی تھیں اُن کے وصال فرما جانے کے بعد پیدا ہوئی ہیں۔

بہر حال روایات میں موجود ہے کہ ان لوگوں نے ابن العاص سے مزید یہ کہلوایا ہے کہ میں آپ کو اِس سے بہتر رشتہ بتاتا ہوں اور وہ اُمِّ کلثوم بنتِ علی کا رشتہ ہے اِس طرح آپ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رشتہ داری بھی قائم ہو جائے گی۔

اِس جزیہ میں پائی جانے والی قباحتوں میں سے ایک قباحت تو یہ ہے کہ اِس میں جنابِ حضرت عمر کے اُس تشدد پر مہر لگا دی گئی ہے جو آپ کے مطابق اپنی بیویوں پر روا رکھتے تھے، حالانکہ حضرت عمر نہ ایسے تھے اور نہ ہو سکتے ہیں کہ بغیر کسی وجہ کے ہر ایک پر دُرّے برساتے پھریں۔

آپ (حضرت عمر) کی سوانح عمری پر سرسری اور سطحی نظر بھی ڈالی جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ آپ کا جمال آپ کے جلال پر غالب تھا۔

آپ کسی کی حق تلفی کرنے والوں کا سختی سے محاسبہ فرماتے تھے اور حق داروں کے سروں پر شفقت و رحمت کا سائبان بن جاتے تھے۔

اگرچہ آپ کے مخالفین آپ کو ایک جابر و قاہر اور متشدد و متعصب شخص کی صورت میں پیش کرتے ہیں مگر یہ قطعی نادرست اور خلافِ واقعہ امر ہے۔

جابر و قاہر اور متشدد قسم کے لوگ آٹے کی بوریاں کندھوں پر اُٹھا کر بیواؤں اور یتیموں کے گھروں میں نہیں پہنچاتے اور نہ ہی انہیں یہ غم ہوتا ہے کہ اُن کی سلطنت میں بھوکے رہنے والے جانوروں کا بھی ہم سے حساب لیا جائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم کی چلتی پھرتی تصویر تھے آپ کافروں اور ظالموں پر یقیناً سخت تھے مگر مؤمنوں پر نہایت رحمدل اور مہربان تھے جبکہ آپ کی ازواج بھی مؤمنہ تھیں اب جبکہ نصِّ قرآنی کے ساتھ آپ مؤمنوں پر رحیم اور مہربان تھے تو پھر اپنی مؤمنہ بیویوں پر کس طرح سختی کرسکتے تھے؟

معلوم ہوتا ہے اِس روایت کے وضع کرنے والوں کا مطمع نظر محض حضرت عمر کی توہین اور تذلیل کرنا ہے اور کوئی مقصد نہیں ورنہ چار سال سے بھی کم عمر کی بچی سے یہ کہلوانا کہ حضرت عمر بیویوں پر تشدد کرتے ہیں اور ایک صحابی کا اِس امر کی تصدیق کرنا کہ واقعی آپ اپنی بیویوں پر ہی نہیں بلکہ تمام صحابہ کرام پر بھی تشدد کرتے تھے مبنی بر حقیقت نہیں ہوسکتا۔

حیرت انگیز قباحت:

تعجب ہے کہ جنابِ حضرت عمر پر یہ الزام عائد کیا گیا ہے کہ:

آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں ناانصافی کرسکتے ہیں مگر ابوبکر صدیق کے حق میں ایسا نہیں کرسکتے۔

نیز یہ کہ اُن کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دینے میں کوئی قباحت نہ تھی مگر وہ جنابِ ابوبکر کو اذیتِ دینا پسند نہ فرماتے تھے اور یہ امر محض حضرت عمر کے نزدیک ہی نہ تھا بلکہ عمرو بن العاص کے نزدیک بھی یہی بات تھی اور دونوں میں یہ قدر مشترک تھی کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ترجیح دیتے تھے ورنہ حضرت عمر کا حضرت عمرو بن العاص کے دیئے ہوئے مشورہ کو نہ صرف قبول کر لینا بلکہ اُس پر عمل پیرا ہو جانا کیا معنی رکھتا ہے؟

حضرت عمر اور اذیتِ رسول:

یہاں ہم اپنے قارئین کو مخاطب کر کے یہ بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ حضرت عمر کا حضرت ابوبکر صدیق کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ترجیح دینا ناممکن ہی نہیں بلکہ محال تر ہے بلکہ محالات میں سب سے بڑا محال امر یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ حضرت ابوبکر کی بیٹی سے شادی کرنے سے باز رہیں کہ ایسا کرنے سے وہ اُن کے ساتھ انصاف نہیں کرسکیں گے اور اُن کی بیٹی پر سختی کرنے سے جنابِ ابوبکر کی روح کو اذیت ہوگی اور اِس کے برعکس وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نواسی سے شادی کر لینا پسند کرلیں اور آپ کے ساتھ ناانصافی کرنے اور آپ کی نواسی پر سختی کر کے آپ کو اذیت دینا پسند کرلیں۔

قارئین یوں تو آپ جس کسی کو بھی تکلیف پہنچائیں گے اُس کے والدین کو ضرور اِس کا رنج ہوگا مگر جہاں تک شرعی حکم کا تعلق ہے تو ہماری معلومات کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لیے ایسی کوئی نص موجود نہیں کہ اُن کی اولاد کو اذیت دینا اُن کی اپنی اذیت کا باعث ہوگا جبکہ اِس کے برعکس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد کو اذیت دینا شرعی حکم کے ساتھ آپ کی اپنی ذات اِقدس کو تکلیف پہنچانا ہے۔

(جس کی مکمل وضاحت ہماری کتاب حرمتِ اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں موجود ہے تشفی

کے لیے مطالعہ فرمائیں)۔

جبکہ ایک مقام پر سرکارِ دوعالم نورِ مجسم شفیع معظم شافع یومِ جزاء احمدِ مجتبیٰ جنابِ محمدِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"مابال اقوام یؤذونی فی نسبی وذوی رحمی الاومن آذی نسبی وذوی رحمہ فقد آذانی ومن آذانی فقد آذی اللہ"۔

الشرف المؤبد ص ۱۳۰

ترجمہ: لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ مجھے میرے نسب اور ذی الارحام کی وجہ سے ایذاء دیتے ہیں سنو! جو شخص بھی میرے نسب وذی رحم کو ایذاء دے گا وہ مجھے ایذاء دے گا، اور جو مجھے ایذاء دے گا وہ اللہ کو ایذا دے گا۔

پھر ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا کہ:

جس نے میرے ایک بال کو بھی تکلیف پہنچائی گویا اُس نے مجھے اذیت دی"۔

مذکورہ روایت پر تفکّر کی ضرورت:

اختصار کے پیشِ نظر صرف دو ہی روایتیں بیان کی گئی ہیں (جس کو مکمل وضاحت حاصل کرنی ہو وہ ہماری کتاب حرمتِ اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مطالعہ فرمائے) اِن روایتوں میں ایذائے اہل بیت کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اذیت قرار دیا اور پھر دوسری روایت میں فرمایا کہ جس نے میرے ایک بال کو بھی اذیت دی گویا ایسے ہے کہ اُس نے مجھے ہی اذیت دی اب اِن روایتوں پر غور کریں کہ:

سیدہ اُمِّ کلثوم بنتِ علی علیہا السلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جگر کے ٹکڑے کی پیاری بیٹی ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا اور آپ کی اولاد کو اپنے جگر کا ٹکڑا کہا ہے سیدہ امِّ کلثوم کے مزعومہ اور فرضی نکاح کے متعلق آنے والی روایات میں بھی راوی نے

حضرت عمر فاروق کی طرف منسوب کر کے یہ جملہ شامل کر رکھا ہے کہ میں چاہتا ہوں مجھے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی ٹکڑا حاصل ہو جائے اب آپ اِس صورتِ حال پر اچھی طرح غور فرمائیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منقولہ بالا ارشادات کے براہِ راست مخاطبین اول صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں دیگر تمام امت کو یہ خطاب بالتبع اور بالنیابت ہے اندریں صورت حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے یہ فرامین مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوشیدہ نہیں ہو سکتے۔

اب جبکہ حضرت عمر اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جانتے ہیں کہ اولادِ رسول پر جبر وتشدد نہیں کیا جاسکتا تو کس طرح مان لیا جائے کہ عمرو بن العاص نے حضرت عمر کو یہ مشورہ دیا ہو گا کہ آپ اپنی طبعی شدت کا شکار ہونے سے اُمِّ کلثوم بنتِ ابو بکر کو بچالیں اور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کی بیٹی کو اپنے نکاح میں لے آئیں یعنی اُن پر سختی کرنے سے آپ کو کوئی نقصان بھی نہیں پہنچے گا جب کہ امِّ کلثوم بنتِ ابو بکر سے سختی کر کے آپ ابو بکر سے انصاف نہیں کر سکیں گے۔

اور اگر بالفرض جنابِ عمرو بن العاص نے یہ مشورہ حضرت عمر کو دے بھی دیا تھا تو حضرت عمر نے یہ ہولناک بات کیسے مان لی، کیسے تسلیم کرلیا کہ امِّ کلثوم بنتِ ابو بکر پر سختی کرنے سے بہتر ہے کہ امِّ کلثوم بنتِ علی پر سختی کر لی جائے۔ (العیاذ باللہ)

چونکہ نکاح امِّ کلثوم کا شوشہ چھوڑنے والوں کا مقصد محض توہین فاروق وحیدر کرار رضی اللہ عنہما ہے اِس لیے روایات کو جس زاویہ سے بھی دیکھا جائے پیاز کے چھلکوں کی طرح ایک کے بعد دوسرا جھوٹ نمودار ہوتا چلا جائے گا۔

بارِ دگر موازنہ لازمی ہے:

ہم نے جنابِ امِّ کلثوم بنت ابو بکر کے تعارف کے ابتداء میں چند کتابوں سے واضح کیا تھا کہ کذّاب راویوں نے جس سال حضرت عمر کے ساتھ اُن کا رشتہ قائم کرنے کی

کوشش کی ہے اُس وقت اُن کی عمر چار سال سے بھی کم تھی اِس سلسلہ میں مزید آنکھیں کھول کر مطالعہ کریں۔

الاصابہ فی تمیز الصحابہ:

"حبیبۃ بنت خارجۃ بن زید وبنت زید بن خارجۃ زوجۃ ابی بکر الصدیق ووالدۃ امِّ کلثوم ابنۃ التی مات ابوبکر وھی حاصل بھا"۔ (الاصابہ فی تمییز الصحابہ ج ۱ ص ۲۶۱)

ترجمہ: حبیبہ بنتِ خارجہ بن زید ہیں اور بنتِ زید بن خارجہ جنابِ ابوبکر صدیق کی بیوی اور آپ کی بیٹی جنابِ امِّ کلثوم کی والدہ ہیں جب جنابِ ابوبکر صدیق کی وفات ہوئی تو حبیبہ بنتِ خارجہ امِّ کلثوم سے حاملہ تھیں۔

اور پھر اسی کتاب کے ایک حصہ میں اسی طرح کی روایت نقل کی گئی ہے کہ:

"امِّ کلثوم بنت ابی بکر امھا حبیبۃ بنتِ خارجۃ و وضعتھا بعد موت ابی بکر"۔ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ ج ۴، ص ۴۹۶)

ترجمہ: امِّ کلثوم بنتِ ابی بکر کی والدہ حبیبہ بنتِ خارجہ ہیں جنہوں نے جنابِ ابوبکر صدیق کی وفات کے بعد انہیں جنم دیا۔

بہر کیف! اِن روایات میں یہ امر متفق علیہ ہے کہ جنابِ امِّ کلثوم بنتِ ابوبکر ۱۷ھ میں چار سال سے کم عمر کی بچی تھیں اور اِس عمر کی بچی کو ہرگز ہرگز شادی کے لائق نہیں سمجھا جاتا اور نہ ہی عقل وغیرت اِس بات کا تقاضا کرتی ہے۔

مذکورہ روایات پر تبصرہ:

لہٰذا اس کے سوا چارہ کار ہی نہیں کہ اِس روایت کو کذبِ صریح پر محمول کیا جائے اور تاویلات کی دیواروں سے سر پٹخنے کے بجائے ریت کے اِس تصوراتی مکان کو ازخود گرنے دیا جائے اور صدقِ دل سے تسلیم کرلیا جائے کہ نہ تو حضرت عمر نے امِّ

المؤمنین جنابِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے اُن کی ننھی سی بہن امِّ کلثوم بنت ابوبکر کا رشتہ مانگا تھا اور نہ ہی اُس ننھی سے بچی نے یہ جملہ کہا تھا کہ حضرت عمر اپنی بیویوں پر سختی کرتے ہیں اِس لیے میں اُن سے شادی نہیں کروں گی۔

ایسے ہی نہ تو جنابِ عمرو بن العاص کو امُّ المؤمنین نے حضرت عمر کے پاس بھیجا تھا اور نہ ہی جنابِ عمر نے اُن پر شک کرتے ہوئے یہ جملہ کہا تھا کہ کہیں تم خود ہی تو امِّ کلثوم بنتِ ابوبکر کے امیدوار نہیں۔؟

ایسے ہی نہ تو عمرو بن العاص نے حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو یہ کہا تھا کہ آپ سخت مزاج آدمی ہیں اِس لیے ابوبکر صدیق کی بیٹی سے شادی کر کے ابوبکر سے انصاف نہیں کر سکیں گے اور نہ ہی انہوں نے یہ مشورہ دیا تھا کہ آپ اِس کے بجائے امِّ کلثوم بنت علی سے شادی کرلیں تا کہ آپ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رشتہ داری قائم ہو جائے۔

پھر ایک جزئیہ اور اُس سے پیدا ہونے والی قباحتیں:

ان خود ساختہ اور رکیک روایتوں کا ایک جزیہ یہ ہے کہ حضرت عمر نے جناب علی المرتضیٰ کرّم اللہ وجہہ الکریم سے اُن کی بیٹی امِّ کلثوم کا رشتہ مانگا تو انہوں نے اپنی بیٹی کے کمسن اور نابالغہ ہونے کی وجہ سے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ" انها صغيرة " یا فرمایا کہ" **انها صبية** " یعنی وہ کمسن اور نابالغ یا چھوٹی سی بچی ہے، اس پر حضرت عمر نے کہا کہ:

"انك والله ما بك ذالك ولكن قد علمنا ما بك"۔

طبقاتِ ابنِ سعد ج۸، ص۴۶۳

یعنی خدا کی قسم یہ بات نہیں جو آپ کہتے ہیں بلکہ بات ہمیں معلوم ہے یعنی آپ یہ رشتہ مجھے دینا ہی نہیں چاہتے۔

خدارا انصاف کرو! عقل و دماغ کے تمام دریچوں کو کھول کر صرف اِس بات کے اوپر غور کرو کہ کیا یہاں سے اک نئی قباحت نہیں نکل رہی؟

نفرت آمیز جملہ:

اِس سے قبل کہ ہم اِس جملے میں پوشیدہ قباحتوں کو قارئین کے سامنے لائیں ایک نئی قباحت کا تذکرہ ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ مصنفین نے اپنی اپنی تصانیف میں یہ جملے متعدد کتب کے حوالہ سے نقل کیئے ہیں مگر وہ اپنی خارجیانہ ذہنیت کی وجہ سے اُن کے تراجم کو تبدیل کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ طبقاتِ ابن سعد کے حوالہ سے چند مصنفین نے عربی متن کو اِس طرح لکھا ہے کہ:

"لما خطب عمر بن الخطاب الی علی ابنته ام کلثوم ، قال یاامیرالمؤمنین انہا صبیة ، فقال ! انك واللہ مابك ذالك ولکن قد علمنا مابك"۔

اور ترجمہ یوں کیا ہے کہ:

> جب جنابِ عمر بن الخطاب نے علی المرتضیٰ سے امّ کلثوم کا رشتہ طلب کیا تو انہوں نے کہا کہ اے امیر المؤمنین وہ ابھی بچی ہے بخدا وہ آپ کے کام کی نہیں اور ہمیں آپ کا ارادہ بخوبی معلوم ہے۔

حالانکہ روایت میں اِس عبارت کا ایک جملہ جنابِ علی المرتضیٰ سے منسوب ہے اور دوسرا جملہ جنابِ عمر سے منسوب ہے مگر مصنفین نے پورے پورے میزائل چلا کر دو اشخاص کی گفتگو کو ایک شخص کی گفتگو بنا دیا ہے۔ آپ بھی غور فرمائیں کہ پہلا جملہ جنابِ علی کی طرف سے ہے کہ (قال یاامیر المؤمنین انہا صبیة) یعنی فرمایا کہ اے امیر المؤمنین وہ کمسن بچی ہے۔ اِس کے جواب میں حضرت عمر کی طرف سے یوں نقل کیا گیا کہ (فقال انک واللہ مابک ذالک ولکن قدعلمنا مابک) پس

حضرت عمر نے کہا کہ خدا کی قسم یہ بات نہیں یعنی وہ کم سن یا نابالغ نہیں بلکہ جو بات ہے ہم اُسے اچھی طرح جانتے ہیں۔

اِس عبارت کا اگلا جملہ یہ ہے کہ (فامر علی بھا فصنعت) یعنی پھر بابِ شہرِ علم جنابِ علی المرتضیٰ نے امِّ کلثوم کو بن سنور کر تیار ہونے کا حکم دیا۔

اگر چہ یہ ساری عبارت وضعی ہے مگر جو جھوٹ بیان کرنے والے ہوتے ہیں وہ کم از کم کچھ واضعین سے اعلیٰ پائے کے شاطر ہوتے ہیں اِس لیے وہ عبارت بناتے وقت اتنے کچے پن کا مظاہرہ نہیں کرتے کہ طرفین کی گفتگو ایک ہی شخص کی زبان سے کہلوا دیں اور مصنفین اتنی بات کا خیال نہیں رکھ سکے کہ طرفین کی گفتگو کو ایک شخص کی گفتگو کا حصہ کیوں بنایا جائے۔

انہا صبیۃ کہنے میں قباحت:

یہاں اس جملے سے ایک نئی قباحت سامنے آرہی ہے بقول واضعین جب جنابِ عمرو بن العاص کے کہنے پر حضرت عمر فاروق نے جنابِ امِّ کلثوم کا رشتہ حضرت علی المرتضیٰ سے طلب کیا تو آپ نے کہا وہ نابالغ بچی ہے مگر حضرت عمر نے اُن کی اِس بات کی تردید کر دی تو انہوں نے امِّ کلثوم کو کہا کہ بن سنور کر حضرت عمر کے پاس چلی جا۔

۱۔ اِس میں حضرت عمر پر بہتان کی نشان دہی ہوتی ہے کہ وہ حضرت ابو بکر کی بیٹی پر سختی کو ناروا سمجھتے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نواسی پر سختی کرنا جائز سمجھتے تھے۔

۲۔ اِس میں جنابِ عمر پر ایک بہتان یہ بھی ہے کہ وہ معاذ اللہ حضرت علی کو سچا نہیں سمجھتے تھے اور اِس بات پر یقین نہیں تھا کہ اُمِّ کلثوم بقول حیدرِ کرّار نابالغہ ہوں گی۔

۳۔ اِس میں حضرت علی پر بھی یہ بہتان ہے کہ انہوں نے اپنی سچائی کا یقین دلانے کے لیے اپنی بیٹی کو حضرت عمر کے پاس خلوت میں بھیج دیا۔

۴۔ اِس میں مولائے کائنات سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم پر یہ بھی بہتان ہے کہ اُنہوں نے اپنی بیٹی کو بنا سنوار کر حضرت عمر کے پاس جانے کا حکم دیا جبکہ نہ یہ علی کی شان ہے اور نہ اُن کی بیٹی کی۔

روایت اگر موضوع نہ ہوتی تو:

قارئین! اگر یہ روایت سچی ہوتی تو اِس میں حضرت علی کے حالات کو یوں مسخ نہ کیا جاتا کہ وہ اپنی بیٹی کو نابالغہ بھی کہیں اور اُسے بن سنور کر پیش ہونے کا بھی حکم دیں اِن دونوں جملوں میں بُعدالمشرقین ہے آپ خود بھی محسوس کر سکتے ہیں کہ کسی کمسن بچی کو بن سنور کر پیش ہونے کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔

من گھڑت راوایات سے پیدا ہونے والی گستاخیاں:

اِس روایت کو درست ثابت کرنے کے لیے صرف ایک ہی صورت سامنے آ سکتی ہے اور وہ یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو ہندوستان کے راجاؤں مہاراجاؤں کی طرح جابرو ظالم، حسن پرست اور جنسی مریض قسم کے لوگوں میں شمار کیا جائے اور حضرت علی کو اُن راجاؤں کی مجبوری و بے بسی پر پرلے درجے کا انتہائی کمزور فرد تصور کیا جائے اِس لیے کہ کوئی بھی آزاد اور غیرت مند باپ اپنی بیٹی کو پسند کروانے کے لیے کسی شخص کے پاس تنہائی میں بھیجنا گوارا نہیں کرتا۔ (العیاذ باللہ)

علاوہ ازیں اگر حضرت عمر کو یقین دلانا بھی مقصود ہوتا تو آپ اپنی بیٹی کو اُسی وقت اپنے پاس بلا سکتے تھے اِس لیے کہ آپ اپنے گھر میں تشریف فرما تھے اور اُسی گھر میں اُن کی بیٹی موجود تھی۔

کیا یہ تعجب خیز امر نہیں کہ اپنی صداقت ثابت کرنے کے لیے اپنی بچی کو اپنے ہی گھر میں دکھا دینے کے بجائے دوسرے کے گھر میں بھیجا جائے۔

بہر کیف! نہ تو یہ بات تسلیم کی جا سکتی ہے کہ حضرت عمر مولائے کائنات کی تکذیب کریں اور نہ ہی یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ جنابِ مولائے کائنات جیسے غیور و جسور انسان اپنی بیٹی کو پسند کروانے کے لیے بناؤ سنگار کر کے اُسی شخص کے پاس اکیلے میں بھیج دیں جو اُن کی تکذیب کر رہا ہے۔

اِن تمام صورتوں کو سامنے رکھتے ہوئے یہ فیصلہ کرنا ہرگز مشکل نہیں کہ نکاحِ امّ کلثوم کا شوشہ چھوڑنے والوں نے مولائے کائنات اور حضرت عمر دو جلیل القدر شخصیات کی توہین و تذلیل کا اہتمام کر رکھا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ انہوں نے اپنے خیال میں اِن میں سے کسی ایک کو ہی نشانہ ستم بنایا ہو اور یہ نہ سوچا ہو کہ دوسرا بھی اس کے زَد میں آسکتا ہے۔

مذکورہ روایات پر سبط ابن جوزی کا تبصرہ:

میرے نانا نے کتاب المنتظم میں ذکر کیا ہے کہ علی نے ام کلثوم کو عمر کے پاس بھیجا تا کہ وہ اس کو دیکھیں اور عمر نے اس کی پنڈلی کھول دی اور ران کو ہاتھ سے چھوا۔ میں کہتا ہوں کہ خدا کی قسم یہ بدترین بات ہے اگر یہاں کوئی کنیز بھی ہوتی ہو تو حضرت عمر اس کے ساتھ یہ بدسلوکی یا بدتمیزی کبھی نہ کرتے کیونکہ باجماع المسلمین اجنبی عورت کو مس کرنا حرام ہے لہٰذا یہ بات حضرت عمر کی طرف کیسے منسوب کی جائے۔

حضرت عمر کی طرف سے من گھڑت:

اِن روایات کا ایک جُزیہ یہ ہے کہ جب مولائے کائنات نے حضرت عمر سے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ اُمّ کلثوم نابالغ بچی ہے تو حضرت عمر نے فرمایا کہ:

"انی لم ارد الباءۃ ولکنی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلم یقول کل سبب ونسب منقطع یوم القیامۃ ما

خلا نسبی وسببی"۔

کنزالعمال ج۱۳، ص۶۲۴، تاریخ خمیس ج۲، ص۲۸۵ ۔ ذخائر عقبیٰ ص۱۶۹

ترجمہ: میرا اِس شادی سے مقصد حق زوجیت کی ادائیگی اور جنسی خواہش پورا کرنا نہیں بلکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ (وآلہٖ) وسلم سے سُنا آپ فرماتے تھے قیامت کے دِن تمام سبب اور نسب منقطع ہو جائیں گے مگر میرا نسب اور سبب منقطع نہیں ہوگا۔

مذکورہ جواب پر پیدا ہونے والی قباحتیں:

اِس جزئیہ میں ایک قباحت تو یہ ہے کہ اِس میں اُن روایات سے تضاد پایا جاتا ہے جن میں ہے کہ حضرت عمر نے مولائے کائنات کی اِس بات کو جھٹلا دیا تھا کہ امّ کلثوم نابالغ ہے ۔جبکہ اِس جزیہ میں مولائے کائنات کے فرمان کی تصدیق کرتے ہوئے اِس رشتہ کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے نسب جوڑنے کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔

دوسری بڑی قباحت اِس جزیہ میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت عمر نے حضرت علی کی بات مان لی تھی کہ فی الواقع سیدہ امّ کلثوم نابالغہ ہیں تو پھر سیدہ امّ کلثوم کا جنابِ عمر کے پاس چادر لے کر پیش ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟ معلوم ہوتا ہے یہ تمام قصہ فرضی اور اس کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں اس لیے کہ اگر حضرت عمر مولائے کائنات سے اختلاف کرتے تو انہیں یقین دلانے کی کیا ضرورت تھی؟

اب جبکہ وہ جنسی خواہش کی تکمیل کے لیے نہیں بلکہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رشتہ جوڑنے کے لیے یہ شادی کرنا چاہتے تھے تو ایسی صورت میں سیدہ امّ کلثوم کا بن سنور کر اُن کے ہاں جانا متصور نہیں کیا جاسکتا۔

اِس جزیہ میں ایک خرابی یہ ہے کہ اِس میں حضرت عمر کا کذّاب اور بدعہد ہونا ثابت ہوتا ہے حالانکہ آپ کی ذات اِن دونوں باتوں سے ارفع و اعلیٰ ہے۔

اِس جزیہ میں ہے کہ حضرت عمر نے سیدہ امِّ کلثوم کی کمسنی کا سن کر یہ کہا تھا کہ میں یہ شادی جنسی اور نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسب جوڑنے کے لیے کر رہا ہوں جبکہ انہی روایتوں میں سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ سیدہ امِّ کلثوم نے جنابِ عمر کے ہاں دو بچوں کو جنم دیا۔

اندریں صورت یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ وہ روایت جھوٹی ہے کہ جس کا مفہوم یہ ہے جنابِ عمر نے کہا لڑکی کا بالغ ہونا ضروری نہیں اِس لیے کہ میں اُس سے یہ شادی حقِّ زوجیت ادا کرنے کے لیے نہیں بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اپنا نسب جوڑنے کے لیے کر رہا ہوں۔

یا پھر یہ کہنا پڑے گا کہ جنابِ عمر نے غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے ایک نابالغ لڑکی سے نکاح کر لیا اور پھر وعدہ خلافی کرتے ہوئے بجائے اُسے فریم میں سجا کر رکھنے کے اپنے فرش کی زینت بنا لیا۔ (العیاذ باللہ)

موضوع روایاتِ نکاحِ امِّ کلثوم پر پیدا ہونے والی ایک اور قباحت:

ان روایتوں کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ مولائے کائنات علی المرتضیٰ کرّم اللہ وجہہ الکریم نے اپنی بیٹی امِّ کلثوم کو حضرت عمر کے پاس پسند کروانے کے لیے بھیجا تو جنابِ عمر نے اُسے آغوش میں لے کر بوسہ بازی شروع کر دی اور اُس کے ساتھ ایسی حرکات کیں کہ وہ غصہ میں بپھر کر کہنے لگی کہ اگر تو امیر المؤمنین نہ ہوتا تو میں تیری ناک توڑ دیتی اور آنکھیں پھوڑ دیتی۔

اِس قسم کی عبارات تقریباً ہر اُس کتاب میں موجود ہیں جن سے حضرت عمر کے ساتھ سیدہ امِّ کلثوم کے نکاح کا حوالہ دیا جاتا ہے کہ:

"فامر بها علی فزینت وبعث بها الیه فلما راٰها قام الیها

واجلسها فی حجره وقبلها ودعالها فلما قامت اخذ بساقها"۔

الصواعق المحرقہ ص ۱۵۷۔ الشرف المؤبد ص ۵۵۔ کنز العمال ج ۱۳، ص ۶۲۴

ترجمہ: پس جنابِ مولائے کائنات نے سیدہ امِّ کلثوم کو بناؤ سنگھار کرنے کا حکم دیا اور آراستہ ہونے کے بعد حضرت عمر کے پاس بھیج دیا جب انہوں نے سیدہ امِّ کلثوم کو دیکھا تو اُٹھ کر کھڑے ہوئے اور پھر اُسے آغوش میں بٹھا کر اُس کے بوسے لیے اور دعا کی پھر جب وہ کھڑی ہوئی تو اُس کی پنڈلی پکڑ لی۔

الاستیعاب میں موجود روایت:

الاستیعاب فی معرفۃ اصحاب وغیرہ میں بھی مزید یوں لکھا گیا ہے کہ:

"ووضع يده على ساقها فكشفها ، فقالت: اتفعل هٰذا ؟ لو لا انك امير المؤمنين لكسرت انفك ثم خرجت حتى جائت اباها فاخبرته الخبر وقالت بعثنى الىٰ شيخ السوء فقال ! يابنيى انه زوجك"۔

الاستیعاب مع الاصابہ ج ۴، ص ۴۹۰۔ ذخائر العقبیٰ ص ۱۶۸۔ کنز العمال ج ۱۳، ص ۴۶۴

ترجمہ: اور جنابِ عمر نے سیدہ امِّ کلثوم کی پنڈلی پکڑ کر کھول دی تو امِّ کلثوم نے کہا کیا تو ایسے کام کرتا ہے؟ اگر تو امیر المؤمنین نہ ہوتا تو میں تیری ناک توڑ دیتی پھر وہ اپنے باپ کے پاس آئی اور انہیں اِس دست درازی کے بارے میں سب کچھ بتا دیا کہ آپ نے مجھے کس بُرے بوڑھے کے پاس بھیجا تھا۔

اِس پر مولائے کائنات نے انہیں فرمایا کہ اے بیٹی وہ تیرے شوہر ہیں۔

الاصابہ میں موجود روایت:

الاصابہ میں موجود ہے کہ:

"فارسل بها اليه فكشف عن ساقها فقالت له لولا انك امير المؤمنين لطمست عينك"۔ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ ج ۲،ص ۴۹۲۔)

ترجمہ: پھر حضرت علی نے حضرت امِّ کلثوم کو حضرت عمر کے پاس بھیجا تو انہوں نے اُس کی پنڈلی کھول دی حضرت امِّ کلثوم نے غضبناک ہو کر کہا اگر تو امیر المؤمنین نہ ہوتا تو میں تیری آنکھیں پھوڑ دیتی۔

عجیب روایات ہیں انصاف کا دعوی کرنے والوں کی:

عجیب اندازِ محبت ہے کہ ایک طرف مولائے کائنات کو بابِ مدینۃ العلم بھی کہتے ہیں اور پھر اِس کے ساتھ ساتھ اُن کے بارے میں یوں بھی کہتے ہیں کہ:

مولائے کائنات نے کہا کہ اچھا میں اُسے آپ کے پاس بھیج دیتا ہوں اگر آپ نے اسے راضی کر لیا تو مجھے کوئی عذر نہ ہو گا۔ چنانچہ مولائے کائنات نے جنابِ سیدہ امِّ کلثوم کو حضرت عمر کے پاس یہ کہہ کر بھیجا کہ یہ چادر لے جاؤ اور انہیں دے آؤ۔سیدہ امِّ کلثوم نے حضرت عمر کو کہا کہ میں یہ چادر آپ کے لیے لائی ہوں خلیفہ نے کہا مجھے یہ چادر پسند ہے اللہ تجھ سے راضی ہو،اس کے بعد خلیفہ نے ان کو کندھے سے پکڑا تو صاجزادی نے کہا کہ:

"اگر تو امیر المؤمنین نہ ہوتا تو میں تیری کی ناک توڑ دیتی"۔

واپس گئیں تو مولائے کائنات سے کہا کہ آپ نے مجھے کیسے برے بوڑھے کے پاس بھیجا تھا مولائے کائنات نے کہا بیٹی وہ تو تمہارے شوہر ہیں۔

اُسد الغابہ اُردو ج ۱،ص ۳۴۵

مذکورہ عبارت میں برائی کا احتمال:

زیرِقلم عنوان بھی قارئین کی نظر میں کراہت سے خالی نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ خرابیاں جس روایت میں موجود ہونگی وہ روایت لائق اعتبار نہیں ہوسکتی بلکہ بہرصورت مسترد کردینے کے قابل ہے اُسد الغابہ کی ہی عبارت کو لے لیں اِس میں بتایا گیا ہے کہ جنابِ عمر کے اصرار پر مولائے کائنات نے فرمایا کہ اُمِّ کلثوم کو آپ کے پاس بھیج دیتا ہوں اگر آپ نے اُسے راضی کرلیا تو مجھے کوئی عذر نہ ہوگا۔

اب امِّ کلثوم کا راضی ہونا دیکھیں کہ جب جنابِ عمر نے اُن کو کندھے سے پکڑا تو وہ تلملا اُٹھیں اور غضبناک ہو کر کہا اگر تو امیر المؤمنین نہ ہوتا تو میں تیری ناک توڑ دیتی اور پھر اپنی اِس رضامندی کا اظہار اپنے باپ سے اِس طرح فرمایا کہ آپ نے مجھے کیسے بُرے بوڑھے کے پاس بھیجا تھا۔

پھر دیکھیں کہ اِس رضامندی کی ناپاک کہانی کے جواب میں مولائے کائنات فرماتے ہیں کہ بیٹی وہ تو تمہارے شوہر ہیں۔

نکاح کے لیے رضامندی لازمی ہے:

نکاح صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ دونوں طرف سے مکمل رضامندی ہو بالفرض اگر ایک طرف سے بھی ناراضگی کا اظہار ہو تو وہ نکاح باطل ہو جاتا ہے۔

جبکہ یہاں نکاح کی یہ والی صورت بھی ممکن نہیں ہے کیونکہ روایت کے مطابق میاں تو راضی ہیں مگر بیوی ناک تک توڑ دینے کی دھمکیاں دے رہی ہے ایسی صورت میں اِس نکاح کا انعقاد کیسے ممکن ہے جبکہ نکاح کی پہلی اور آخری شرط صرف یہ ہے کہ اگر کفو میں لڑکی نے لڑکے کو پسند کرلیا تو پھر لڑکی کے باپ کو عذر نہیں ہوگا۔ (کفو شرط ہے)

جبکہ اِس معاملہ میں لڑکی ہونے والے شوہر کو ناک توڑنے کی دھمکیاں دینے

کے بعد باپ کے سامنے اُس کی شکایت اِس طرح کرتی ہے کہ آپ نے کس بُرے بوڑھے کے پاس مجھے بھیجا تھا تو باپ نے کیسے کہہ دیا کہ وہ تیرا شوہر ہے حالانکہ نہ ابھی رسمِ نکاح ادا ہوئی نہ کوئی گواہ بنا اور نہ ہی چھوہارے وغیرہ تقسیم ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نکاح صرف کتابوں میں ہی منعقد ہوا ہے حقیقت کا اِس سے دور کا بھی تعلق نہیں۔

اسد الغابہ کے علاوہ دیگر متعدد کتابوں میں بھی اِس فرضی نکاح کی یہ شرط بیان کی گئی ہے چنانچہ ذخائر العقبیٰ وغیرہ میں جنابِ مولائے کائنات سے یہ فرمان منسوب ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ:

"انا ابعثها اليك فان رضيتها فقد زوجتكها"۔

یعنی میں امِّ کلثوم کو آپ کے پاس بھیج دیتا ہوں اگر اُس نے آپ کو پسند کر لیا تو وہ آپ کی بیوی ہے ہم اِس بات کا فیصلہ نکاح خوانوں پر چھوڑ دیتے ہیں کہ کیا لڑکی کی پسند سے مشروط نکاح اِس صورت میں منعقد ہو جاتا ہے جو روایتوں میں بیان کی گئی ہے۔

کیا کسی کی ناک توڑ دینے کا مطلب اظہارِ پسندیدگی ہے؟

کیا کسی کو بُرا بوڑھا کہنا شادی کے لیے اظہارِ رضامندی شمار ہوتا ہے؟

اگر نہیں ہوتا بلکہ یقیناً نہیں ہوتا تو اپنی بیٹی سے جنابِ عمر کے بارے میں بُرے بوڑھے جیسے الفاظ سن کر جنابِ مولائے کائنات نے کیسے جان لیا کہ میری بیٹی نے جنابِ عمر کو پسند کر لیا ہے اور بغیر نکاح کئے ہی آپ نے فرما دیا کہ وہ تیرے شوہر ہیں۔

افسانوی نکاح کا شرعی حیثیت سے ابطال:

افسانوی نکاح کی شرعی حیثیت کی روشنی میں اہل سنت کے مذاہب اربعہ کی فقہ میں اس نام نہاد فرضی نکاح کو باطل ثابت کیا گیا ہے اس بحث میں احناف، حنابلہ، اور مالکی فقہ کے مطابق ٹھوس دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ:

یہ نکاح ہر صورت میں باطل ہے اور شریعت اسلامیہ کھلی مخالفت ہے۔

دلیل اول:

ان روایات سے ثابت ہے کہ عقد مفروضہ میں ایجاب و قبول واقع نہیں ہوا اور نہ ہی اس میں گواہ بیٹھے نظر آتے ہیں مذہب اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایجاب و قبول نکاح کا رکن ہے کسی مسلمان کا نکاح بغیر دو عادل گواہوں کی موجودگی کے منعقد نہیں ہوسکتا پس چونکہ اس افسانوی نکاح میں یہ شرائط مفقود ہیں اس لیے یہ نکاح قطعاً باطل اور غیر اسلامی ہے۔

دلیل دوم:

روایات بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ لڑکی کے ولی یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا میں ام کلثوم کو تمہارے پاس بھیجوں گا اگر تمہیں پسند آ گئی تو اس کی شادی تم سے کر دوں گا

الاستیعاب ج ۴ ص ۲۶۹

یا یہ کہا کہ میں اس کو تمہارے پاس بھیجوں گا اگر تم نے پسند کر لی تو وہ تمہاری بیوی ہے

(الاستیعاب ج ۴ ص ۲۶۹)

"اگر" کے لفظ پر منحصر عقد اصطلاح میں "عقدِ معلق" کہلواتا ہے اور مالکی، شوافع، اور احناف کے نزدیک نکاح معلق باطل ہے بلکہ نکاح کو "مبخز" ہونا چاہیے۔

دلیل ثالث:

روایاتِ منقولہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ امّ کلثوم اس وقت کم سن اور نابالغہ تھیں مگر ان روایات میں نکاح کے صیغے جاری ہونے کا کسی جگہ تذکرہ نہیں ملتا ہے اگر چہ نابالغ بچی کے نکاح میں ایک وکیل اور ایک گواہ کا ہونا کافی ہے تب بھی مذہب حنفی کے مطابق باپ کی موجودگی شرط ہے۔ اگر باپ غائب ہو تو نکاح ناجائز ہوگا۔

اگر فرض کرلیا جائے کہ ام کلثوم کی عمر اس نکاح کے وقت دس گیارہ برس کی تھی تو یہ مفروضہ اور خطرناک ہوگا کہ روایات یہ ثابت کرنے سے قاصر ہیں کہ ام کلثوم سے حضرت عمر کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت طلب کی گئی ہو بلکہ واضح طور پر روایات میں مذکور ہے کہ حضرت عمر کی دست درازی کے بعد ان کو بتایا گیا کہ" اے بیٹی وہ تمہارا شوہر ہے

الاستیعاب ج ۴ص ۴۶۷

یعنی اس بدتمیزی سے قبل لڑکی بالکل بے خبر ہے جبکہ اہل سنت کے ہاں امر مسلمہ ہے کہ حرّہ بالغہ عاقلہ کا نکاح اس کی مرضی کے خلاف کرنا جائز نہیں اور نہ ہی ولی کے لیے جائز ہے کہ وہ بالغہ جوکسی سے نکاح کرنے پر مجبور کرے۔

لہٰذا دونوں صورتوں میں نکاح درست قرار نہیں پاتا ہے تو پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے ایسا ناجائز نکاح تجویز کرکے ان کی توہین وتذلیل کیوں کی جاتی ہے۔ برادرانِ اسلام کو اس کا سختی سے لحاظ رکھنا چاہیئے۔

دلیل چہارم:

ان بے ہودہ روایتوں سے پوری طرح واضح ہے کہ اس نکاح کو اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خفی رکھا گیا ان کو اس عقد کی خبر تک نہ ہوئی جب امّ کلثوم ناراض ہو کر واپس گئیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں سے مبارک بادی کا مطالبہ کیا جب صحابہ نے دریافت کی تو انہوں نے ام کلثوم سے شادی کی خبر دی۔

حلبی نے اپنی سیرت میں تو شرافت کے پٹے ادھیڑ کر رکھ دیئے ہیں انہوں نے روایت لکھی ہے کہ" حضرت عمر نے مجلس مہاجرین میں جا کر یہ کہا مجھے مجامعت کرائیے صحابہ نے کہا کس سے، تو جناب عمر نے کہا میں نے امّ کلثوم سے شادی کرلی ہے"۔

کتاب السیرت ص ۴۶۳

حالانکہ شریعت کا حکم ہے کہ نکاح کو برسرِ عام کرو۔ یہاں تک ہے کہ دف بجاؤ تاکہ حرام و حلال کا فرق معلوم ہو سکے خود حضرت عمر کا قول ہے کہ نکاح کا پہلے اعلان کیا جائے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دیگر تمام نکاح بھی برسرِ عام ہوئے اور دیگر کسی بھی صحابی نے چوری چھپے نکاح نہیں کیا ہے پس یہ پوشیدہ نکاح کو داپنے آپ کو افسانوی ثابت کرنے کا بیّن ثبوت ہے۔

دلیل پنجم:

ابن سعد کی طبقات میں اور دیگر کتب میں یہ مرقوم ہے کہ امّ کلثوم کا حق مہر چالیس ہزار درہم مقرر رہوا یہ رقم حضرت عمر کے اپنے ہی قول کے خلاف بات ہے۔شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفاء جلد دوم صفحہ نمبر ۱۱۲ میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا حق مہر زیادہ نہ ہو چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی کسی بیٹی کا مہر بارہ اوقیہ سے زیادہ نہ مقرر فرمایا۔اسی طرح شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے فرزند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تحفہ اثناء عشریہ میں لکھا ہے کہ حق مہر کا بڑھانا خلافِ اصولِ پیغمبر ہے چونکہ صحیح احادیث میں حق مہر بڑھانے کی ممانعت وارد ہے اور حدیث میں حق مہر آسان باندھو۔

تحفۃ اثناء عشری ص۵۹۱ فارسی

مولانا شبلی نعمانی نے اپنی کتاب الفاروق کے صفحہ نمبر ۵۷۰ پر اسی رقم مہر یعنی ۴۰ چالیس ہزار کا ذکر کیا ہے جو سراسر مخالفت سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بلکہ خود حضرت عمر کا قول و اصول سے انحراف ہے کہ دوسروں کو تو وہ زیادہ مہر باندھنے پر روکتے تھے اور خود ساٹھ سال کی عمر میں کمسن دلہن کا چالیس ہزار مہر دینے پر آمادہ ہو گئے۔

دلیل ششم:

زیرِ بحث روایات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ۱۷ھ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نویلی دلہن کی عمر چار یا پانچ برس کی تھی اور بعض مؤرخین کے نزدیک تو صبیۃ یعنی دودھ پیتی بچی تھی یا پھر صغیرہ نابالغہ تھیں اور ابن حجر مکی نے الصواعق المحرقہ میں منقول روایت کے تحت وہ بہت چھوٹی تھیں ورنہ اُن کے باپ ان کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس نہ بھیجتے۔

شہاب الدین دولت آبادی کے نزدیک اُن کی عمر پانچ برس تھی۔

یاسین موصلی اور عمر رضا کحالہ نے اپنی کتب میں تحریر کر رکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذیقعدہ ۱۸ھ میں یہ شادی کی۔ شادی کے ایک سال بعد دخول کیا حالانکہ نابالغ بچی سے دخول کرنا فعل حرام ہے خواہ وہ منکوحہ ہی کیوں نہ ہو۔

المہذب صفحہ نمبر ۹۸، اعلام النساء صفحہ ۲۵۲

اب صاف ظاہر ہے کہ جب بوقتِ نکاح عمر چار پانچ برس تھی تو ایک سال بعد بالغ ہونا ممکن نہیں ہے۔

پس روائتی لحاظ سے یہ نکاح بالکل من گھڑت افسانہ ہے۔ نتیجتاً یہ قصہ عقلاً، ونقلاً، شرعاً وشرفاً بالکل بے سرو پا اور بے بنیاد ہے۔

باب نمبر 3

حصہ دوم

باب نمبر 3 کے حصہ دوم میں سیدہ امِّ کلثوم پر لگائے جانے والے الزامات کا ٹھوس جواب دیا ہے۔ جبکہ اسی حصہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فرضی اولاد کا تذکرہ بھی موجود ہے۔

نکاح کے لیے بالغ ہونا لازمی ہے:

اِس جز میں ایک بہت بڑی قباحت یہ ہے کہ واضعین نے نکاح کے وقت سیدہ امّ کلثوم کی عمر میں شدید گھپلا بازی کر رکھی ہے اور انتہائی کوشش کے باوجود فیصلہ نہیں ہو پاتا کہ وہ اُس وقت حالتِ بلوغت کو پہنچ چکی تھیں یا نہیں۔ جبکہ بالغہ ہوں یا نابالغہ دونوں صورتوں میں خرابی ہی خرابی ہے۔

ا۔ اگر نابالغہ ہوں تو:

نکاحِ امّ کلثوم کے متعلق روایات نقل کرنے والے بعض حضرات جب یہ عبارت نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے سیدہ امّ کلثوم کو آغوش میں سمیٹ کر بوسے لئے تھے اور اُن کی پنڈلی کھول دی تھی تو وہ خاصے پریشان ہو جاتے ہیں اور پھر اُن کو سوائے اِس کے کوئی راستہ نظر نہیں آتا کہ اُنہیں ایک چھوٹی سی بچی ثابت کریں اور جنابِ علی سے منسوب یہ الفاظ دہرائیں کہ وہ صغیرہ بلکہ صبیّہ تھیں یعنی اُن کی عمر لڑکپن کی بھی نہ تھی بلکہ بچپن کی تھی۔

علامہ ابن حجر نے اِس روایت سے پیدا ہونے والی صورت کو یوں بیان کیا ہے کہ:

"فاخذھا عمر وضمھا الیہ واعلم من عندہ انہ تزوجھا فقیل لہ انھا صبیّۃ صغیرۃ"۔

الصواعق المحرقہ ص۱۵۷

ترجمہ: پس جنابِ عمر نے اُسے پکڑ کر اپنے ساتھ چمٹا لیا اور جان لیا کہ مولائے کائنات نے اس کا نکاح میرے ساتھ کر دیا ہے۔

"وتقبیلہ وضمہ لھا علی جھۃ الاکرام لانھا لصغرھا لم تبلغ حدا تشتھی حتی یحرم ذالک ولولا صغرھا لما بعث بھا ابوھا ذالک"۔ (الصواعق المحرقہ ص۱۵۷)

ترجمہ: جنابِ عمر کا اُسے چومنا چاٹنا اور اپنے ساتھ چمٹانا اُس کے اکرام کی وجہ سے تھا کیونکہ وہ صِغرسنی کی وجہ سے اِس حدتک نہ پہنچی تھی کہ اُس کی خواہش کی جاتی کیونکہ ایسا کرنا حرام ہے اگر وہ چھوٹی نہ ہوتی تو اُس کے والد اُسے اِس سلسلہ میں ہرگز نہ بھیجتے۔

کون کرے گا انصاف:

قارئین کرام راقم تو حیران ہے کہ جن محدثین و مؤرخین وغیرہ نے جنابِ امِّ کلثوم کے نکاح کا واقعہ اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے اُن سے کیسے پوچھا جائے کہ اے دانشورو! اگر تم ایک جھوٹ کو سچ بنانے پر تُل ہی گئے تھے تو قدرے احتیاط سے کام لے لیتے تاکہ اِس ستم ظریفی کے کسی زاویہ پر تو حقیقت کا اشتباہ اور گمان ہونے لگتا ہے۔

علامہ ابن حجر کی اِسی عبارت کو دیکھ لیجئے اس کا پہلا جملہ یہ ہے کہ جنابِ عمر نے سیدہ امِّ کلثوم کو آغوش میں لے کر اِس لیے چوما چاٹا تھا کہ انہوں نے جان لیا تھا کہ میرا اِس کے ساتھ بیاہ ہوگیا ہے۔

دوسرے جملہ میں یہ بزرگ فرماتے ہیں کہ جنابِ عمر نے سیدہ امِّ کلثوم کو آغوش میں جکڑ کر اس لیے بوسہ بازی کی تھی کہ امِّ کلثوم چھوٹی سی بچی تھی اور اُس کی عمر ایسی نہ تھی کہ اُس کے ساتھ شہوانی پیار کیا جاتا کیونکہ یہ کام حرام ہے۔

اب ہم اِس دوہری کیفیت یا دوطرفہ جملوں کا فیصلہ کس سے کروائیں؟

کیا اِن سب کا کوئی روحانی استاذ یا اصلی سکے بند خارجی اِس عبارت کو کانٹ چھانٹ کر اِن دونوں جملوں میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کرے گا۔

پھر غور کریں کہ:

پہلا جملہ یہ ہے کہ جنابِ عمر نے یہ جان کر امِّ کلثوم کو زیبِ آغوش کرلیا تھا کہ وہ اُن

سے بیاہی ہوئی ہے۔

دوسرے جملہ میں یہ ہے کہ امِّ کلثوم چھوٹی سی بچی تھیں اگر بالغ ہوتی تو اُس کے ساتھ یہ سب کچھ کرنا حرام ہوتا یعنی وہ اُن سے بیاہی ہوئی نہ تھی۔

کیا شریعت میں کوئی ایسا قانون موجود ہے کہ اپنی منکوحہ بیوی سے صرف اُسی وقت سینے سے چمٹا کر پیار کیا جاسکتا ہے کہ جب وہ نابالغہ ہو اور جب وہ بالغہ ہو جائے تو آغوش میں بھینچ کر اُس سے پیار کرنا حرام ہو جاتا ہے۔ (العیاذ باللہ)

حقیقتاً سیدہ نابالغہ ہی تھیں:

ذخائرِ عقبیٰ میں سیدہ امِّ کلثوم کے بارے میں جنابِ مولائے کائنات سے منسوب روایات میں یہ الفاظ ہیں کہ:

۱۔ انہا صغیرۃ ص۱۶۸

۲۔ فقال انہا صغیرۃ ص۱۶۹

۳۔ وھی یومئذٍ صبیۃ ص۱۶۹

۴۔ یاامیر المؤمنین ما کنت ترید الیہا انہا صبیہ صغیرۃ ص۱۷۰

اور پھر طبقات ابن سعد میں بھی روایت موجود ہے کہ:

یاامیر المؤمنین انہا صبیۃ۔ (طبقاتِ ابن سعد، ج۸، ص ۴۶۳)

اسی طرح الاستیعاب میں یوں روایت نقل کی گئی ہے:

فقال لہ انہا صغیرۃ (الاستیعاب ج۴، ص۴۹۲)

اسی طرح الاصابہ میں ایک ایسی ہی روایت نقل کی گئی ہے کہ:

فذکر لہ صغرھا

الاصابہ فی مناقب الصحابہ ج۴، ص۴۹۲

اور پھر الشرف المؤبد میں یوں نقل کی گئی ہے کہ:

فاعتل بصغرھا

الشرف المؤبد لآلِ محمد ص ۵۴

اسد الغابہ میں ایک ایسی ہی روایت نقل کی گئی ہے کہ:

انھا صغیرۃ صبیۃ

اسد الغابہ ج۶، ص ۱۷۲

ایسے ہی جس کتاب میں بھی اِسی فرضی نکاح کا تذکرہ پایا جاتا ہے اُس میں سیدہ امّ کلثوم کو **صغیرۃ** یا **صبیۃ** کہا گیا ہے۔

صغیرۃ کا اطلاق چھوٹی لڑکی پر ہوتا ہے جبکہ **صبیۃ** ایسی چھوٹی بچی کو کہا جاتا ہے کہ جو بچپن کی حدود سے باہر نہ آئی ہو۔

دراں حالیکہ اُس وقت سیدہ امّ کلثوم کی عمر پانچ یا چھ سال کے درمیان یا زیادہ سات سال ہو سکتی ہے اِس سے زیادہ عمر کا تصور اِن روایات میں نہیں پایا جاتا کیونکہ عرب میں نو سال کی عمر بلوغت کی عمر ہے اور اس پر دلیل امُّ المؤمنین جنابِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نو سال کی عمر میں اپنے والدِ گرامی جنابِ ابوبکر صدیق کے گھر سے رخصت ہو کر حضور نبی اکرم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیت الشرف میں تشریف لے آنا ہے۔

علاوہ ازیں چھ برس کی لڑکی سے ستاون برس کے بزرگ کا شادی کر لینا اِس لیے تعجب خیز نہیں کہ اِس روایت کو گھڑنے والوں نے اِسی ستاون سالہ بزرگ کے حجرۂ عروسی کے لیے اِس سے پہلے چار سالہ بچی امّ کلثوم بنتِ ابوبکر کا انتخاب کیا تھا۔

بہر حال اگر اِن روایات کے مطابق جنابِ عمر نے ستاون سال کی عمر میں چھ سالہ بچی سے لاڈ پیار کیا تھا تو اِسے پدرانہ شفقت بھی قرار دیا جاسکتا ہے اور گمان کیا جاسکتا ہے کہ اُن کا لڑکی کو آغوش میں لے کر چومنا چاٹنا جنسی بھوک سے مبرّا تھا مگر جب یہی چھ سالہ بچی اُن کی بیوی بن کر اُن کے گھر میں جائے گی تو صورتِ حال یقیناً مختلف ہو جائے گی۔

عجیب انکشافات:

یہاں ایک عجیب انکشاف اور بھی ہے جس سے ایک الجھن پیدا ہو جاتی ہے جس کا خارجی نکاح خوانوں کے پاس حل ممکن ہے موجود ہو مگر ہمیں اِس سے پیچھا چھڑانا نہایت دشوار نظر آ رہا ہے۔

اِن روایتوں میں ہے کہ جنابِ عمر کے سیدہ امِّ کلثوم کے بطن سے دو بچے پیدا ہوئے تھے جن میں سے ایک لڑکا ہے اور ایک لڑکی۔

لڑکے کا نام زید اور لڑکی کا نام رقیہ بیان کیا جا رہا ہے جبکہ یہ زید زید الاکبر کے نام سے موسوم ہے اور اِس کے بعد دوسری بیوی سے پیدا ہونے والے ایک اور بچے کا نام زید الاصغر بیان کیا جاتا ہے۔

زید الاکبر:

"فولدت له زيد بن عمر الاكبر ورقية بنت عمر"۔

ذخائر العقبیٰ ص ۱۷۰

ترجمہ: سیدہ امِّ کلثوم نے جنابِ عمر کے لیے دو بچے زید اکبر بن عمر اور رقیہ بنتِ عمر جنے

"وقال ابو عمر ! ولدت امُّ كلثوم بنت علی لعمر بن الخطاب زيد بن عمر الاكبر ورقية بنتِ عمر"۔

الاستیعاب ج ۴، ص ۴۹۱

ترجمہ: ابو عمر نے کہا کہ امِّ کلثوم بنتِ علی نے جنابِ عمر کے لیے زید اکبر اور رقیہ بنتِ عمر کو جنم دیا۔

"وزيد الاكبر امه امّ كلثوم بنت علی ابن ابی طالب"۔

الریاض النضرہ ج ۱، ص ۴۲۵

ترجمہ: اور زید اکبر کی والدہ امِّ کلثوم بنتِ علی ابن ابی طالب ہیں۔

زید الاصغر:

"وزید الاصغر وعبیداللہ امہما ملیکۃ بنت جرول الخزاعیۃ"۔ (الریاض النضرہ ج۱، ص۴۲۵)

ترجمہ: اور جنابِ عمر کے دو بیٹے زید اصغر اور عبیداللہ ہیں اِن دونوں کی ماں ملیکہ بنتِ جرول ہیں۔

سب سے چھوٹی اولاد:

جنابِ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سب سے چھوٹی بیٹی جنابِ زینب ہیں چنانچہ مختلف کتب ان کا ذکر موجود ہے کہ:

"فکہیۃ وھی امّ ولد واقوالھم فولدت لہ زینب وقال ھیٔ اصغر ولد عمر"۔

تاریخ طبری ج۳، ص۲۶۹

ترجمہ: فکہیہ اُن کی کنیز تھیں کہتے ہیں کہ اُس نے حضرت عمر کی ایک بیٹی زینب کو جنم دیا، اور یہ زینب حضرت عمر کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں۔

قارئین سوچتے ہوں گے کہ حضرت عمر کے اِن چند بچوں کے تذکرہ میں کون سی الجھن ہے؟

مگر جب آپ اِس تذکرہ کے پسِ منظر سے آگاہ ہونگے تو آپ بھی الجھ جائیں گے بہرحال حضرت عمر کا زید نامی جو بیٹا سیدہ امِّ کلثوم کے بطن سے بتایا جاتا ہے وہ زید الاکبر یعنی بڑا زید ہے اور اُن کی دوسری بیوی سے پیدا ہونے والا زید نامی لڑکا زید الاصغر یعنی چھوٹا زید ہے ایسے ہی حضرت عمر کی سب سے چھوٹی لڑکی زینب اُن کی کنیز فکہیہ کے بطن سے تھی۔

اب نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جو بچے سیدہ امِّ کلثوم کے بطن سے بتائے جاتے وہ بڑے ہیں اور جن بچوں کو اُن کے علاوہ دوسری عورتوں نے جنم دیا وہ چھوٹے ہیں چونکہ مؤرخین اِس امر میں خاموش ہیں کہ حضرت عمر کی وفات کے وقت اُن کے سب سے چھوٹے بچوں کی عمریں کیا کیا تھیں۔

اِس لیے مندرجہ بالا روایتوں کے تناظر میں اُن کی عمروں کا اندازہ خود ہی لگانا ہوگا اگر سیدہ امِّ کلثوم سے منسوب لڑکے زید الاکبر کی عمر اُس وقت چار پانچ سال ہو اور اُن سے منسوب لڑکی رقیہ کی عمر دو تین سال ہو تو صورت یہ بنتی ہے کہ انہوں نے اپنے پہلے بچے کو اُس وقت جنم دیا جب اُن کی اپنی عمر سات یا آٹھ سال تھی اور اگر زید الاکبر کی عمر کم سے کم تین سال اور اُن کی بیٹی رقیہ کی عمر ڈیڑھ سال بھی تسلیم کرلی جائے تو بھی زیادہ سے زیادہ یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ حضرت امِّ کلثوم نے اپنے پہلے بچے کو اُس وقت جنم دیا جب اُن کی عمر زیادہ سے زیادہ نو سال تھی۔

بہر حال! اِن روایتوں سے واضح طور پر اور صاف صاف یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ سیدہ امِّ کلثوم چھ اور بارہ سال کی عمر کے درمیانی عرصہ میں دو بچوں کی ماں بن چکی تھیں۔

بایں ہمہ کسی گیارہ بارہ سال کی لڑکی کا دو بچوں کی ماں بن جانا تعجب خیز نہیں جتنا حیرت انگیز ایک پاکیزہ اور اعلیٰ ترین اسلامی اصلاحی اور اخلاقی ماحول و معاشرہ میں کسی چھ سالہ بچی کا پینتیس سالہ باپ کی آغوشِ راحت اور سائیہ عاطفت سے الگ ہو کر ستاون سالہ بزرگ شوہر کے بستر کی زینت بن جانا ہے۔

چونکہ نکاحِ امِّ کلثوم کی پوری داستان بعید از حقیقت اور مختلف کہانی نویسوں کی ذہنی اختراع اور تخیلات پر مبنی ہے۔

اس لیے کسی قاری کے ذہن میں یہ خیال بھی آسکتا ہے کہ:

ہوسکتا ہے امّ المؤمنین جنابِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرح سیدہ امّ کلثوم کا نکاح بھی نو برس کی عمر میں ہوا ہو اور رخصتی بارہ سال کی عمر میں ہوئی ہو مگر یہ محض تصوراتی امر ہے کیونکہ کہانی کاروں نے یہ خانہ بھی پُر کر رکھا ہے اور لکھا ہے کہ سیدہ امّ کلثوم کی رخصتی شادی کے بعد انہی دنوں ماہ ذیقعد میں ہوگئی تھی۔

نسبِ رسول ج۲، ص۱۶۸

امِّ کلثوم ہی کیوں؟

یہاں یہ امر خاص طور پر قابلِ غور ہے کہ جنابِ عمر نے مولائے کائنات سے سیدہ امّ کلثوم کا ہی رشتہ کیوں طلب کیا جبکہ اُن کی بڑی بہن جنابِ سیدہ زینب بھی اپنے باپ ہی کے گھر میں تھی اور اُن کی شادی بھی اُس وقت نہیں ہوئی تھی، اِس امر کی نشان دہی مولائے کائنات سے منسوب اِس فرمان سے بھی ہوتی ہے کہ میں نے اپنی بیٹیوں کو اپنے بھائی جعفر کے بیٹوں کے لیے روک رکھا ہے "فقال علی! حبست بناتی علی بن جعفر"۔

طبقاتِ ابن سعد ج۸، ص۴۶۳۔ کنز العمال ج۱۳، ص۶۲۴

ان روایتوں میں بنت کی جگہ لفظِ بنات کا آنا اِس امر کی دلیل ہے کہ جنابِ زینب بنتِ علی کی بھی ابھی شادی نہیں ہوئی تھی اب جبکہ سیدہ زینب سیدہ امّ کلثوم سے دو تین سال بڑی تھیں اور اُن دنوں بلوغت کے قریب تھیں تو جنابِ عمر نے انہیں کیوں نظر انداز کر دیا اور بجائے ایک بالغہ لڑکی کے ایک نابالغہ لڑکی کا رشتہ کیوں طلب کیا ؟۔

نیز یہ کہ مولائے کائنات نے انہیں کیوں نہ بتایا کہ آپ میری نابالغہ بچی امّ کلثوم کے بجائے میری بالغہ بیٹی زینب کا رشتہ لے لیں۔ اِس پہلو پر سوچنے اور غور و فکر کرنے کی بطورِ خاص دعوت دی جاتی ہے بادیٔ النظر میں اِس کی یہ چند وجوہات ہوسکتی ہیں کہ:

ا۔ کہانی کار کے نزدیک کسی بھی طرح کسی قسم کی گنجائش نہ تھی وہ جنابِ سیدہ زینب بنتِ علی کے ساتھ حضرت عمر کا نکاح ثابت کرسکتا ہو۔

یا

۲۔ لفظ امِّ کلثوم کے سلسلہ میں حضرت عمر کسی خاص مقصد کے منتظر تھے۔ **یا**

۳۔ حضرت عمر نے امِّ کلثوم بنتِ ابوبکر کے رشتہ سے مایوس ہونے کے بعد کسی امِّ کلثوم کو ہی بیوی بنانے کا عہد کرلیا تھا۔

یا

۴۔ حضرت عمر کی بیویوں میں دیگر بھی امِّ کلثوم نامی دو عورتیں تھیں لہٰذا کہانی کار نے ایک جیسے نام ہونے سے فائدہ اُٹھایا۔

ہر ایک کی نظر میں امِّ کلثوم بنتِ فاطمہ ہی کیوں:

قارئین! نکاحِ امِّ کلثوم کا اہتمام کرنے والے افسانہ نویسوں نے اپنی تخلیق کردہ کہانی میں زور پیدا کرنے کے لیے بات کو مزید آگے بڑھایا ہے اور نکاح پڑھانے کے لیے فرائض انجام دینے کے بعد خاموش نہیں ہو گئے بلکہ حضرت عمر کی زندگی میں تین دیگر واقعات میں سیدہ امِّ کلثوم کے لیے ایسے دو کرداروں کا اہتمام کیا ہے کہ وہ جنابِ عمر کی زندگی میں نہ صرف داخل بلکہ چھائی ہوئی معلوم ہوں تاکہ اُن سے منسوب مختلف واقعات ایک دوسرے کی تائید میں پیش کرکے اس فرضی نکاح کو پکا کرلیا جائے۔

موضوع روایت میں پھر سے ایک ظالمانہ داستان:

ریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ میں بیان کیا گیا ہے کہ:

عن انس بن مالك بينما امير المؤمنين عمر يعس ذات ليلة باعرابي جالس بفناء خيمة فجلس اليه يحدثه ويساله ويقول له ما

اقدمك هٰذه البلاد؟

فبينما هو كذالك اذ سمع انينا من الخيمة فقال! من هٰذا الذى اسمع انينه؟

فقال! امر ليس من شانك امراة تخض فرجع عمر على منزلة وقال! امِّ كلثوم شدى عليك ثيابك واتبعنى، قال! ثم الطلق حتى انتهىٰ الى الرجل فقال له! هل لك ان تأذن لهٰذه امرأة ان تدخل عليها فتؤنسها، فاذن لها قد خلت فلم يلبث ان قالت يا امير المؤمنين بشر صاحبك بغلام"۔

ریاض النضرہ، ج۱، ص۳۹

ترجمہ: حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر ایک رات گشت فرمارہے تھے کہ ایک اعرابی کو خیمہ سے باہر بیٹھا ہوا دیکھا آپ اُس کے پاس بیٹھ گئے اور بات چیت شروع کر دی اور پوچھا اِس علاقہ میں کیسے آنا ہوا؟ اسی اثنا میں خیمہ سے رونے کی آواز آئی تو آپ نے پوچھا یہ کون کراہا ہے۔

اعرابی نے کہا کہ میری بیوی کو دردِ زہ ہے اور اِس امر میں تم کچھ نہیں کر سکتے۔

حضرت عمر اپنے گھر لوٹ آئے اور کہا کہ اے امِّ کلثوم چادر اُوڑھ کر میرے پیچھے پیچھے چلی آ۔ پھر اس شخص کے پاس آ کر کہا کیا اِس خاتون کو اجازت ہے کہ تمہاری بیوی کے پاس جا کر اُس کی مدد کرے، اُس نے اجازت دے دی تو جنابِ امِّ کلثوم اندر چلی گئیں اور پھر انہوں نے آواز دی کے اے امیر المؤمنین اپنے ساتھی کو لڑکے کی خوشخبری سنائیں۔

ایک صاحب نے نکاحِ امِّ کلثوم کے سلسلہ میں مندرجہ بالا روایت کا کچھ حصہ نقل

کرنے کے بعد اپنے سولہ صفحات پر مشتمل رسالہ میں کہا ہے کہ اگر امِّ کلثوم کا نکاح حضرت عمر سے نہیں ہوا تھا تو اِس واقعہ میں اُمِّ کلثوم کہاں سے آ گئیں؟

امِّ کلثوم از عبدالرحمن سلفی ص،

او بھائی کہاں سے آ گئی والا اعتراض تو قابل قبول ہی نہیں کیوں کہ جہاں اتنی ساری باتیں من گھڑت بن چکی ہیں وہاں ایسی بات کیا نہیں بن سکتی۔ جن لوگوں کی شرم وحیا والی آنکھیں بند ہو چکی ہوں تو پھر وہ ان سے ایسے ہی کارنامے سرانجام ہوتے ہیں کیونکہ:

"اذا فات الحیاء فافعل ماشئت"۔

تاہم ام کلثوم نامی دو بیویاں اور بھی ہیں۔

ایک دلیل دو جواب:

اِس دلیل کا ایک جواب تو یہ ہے کہ جنابِ عمر کی ایک نہیں بلکہ دو بیویوں کا نام امّ کلثوم ہے اور ان دونوں میں کوئی بھی امّ کلثوم بنت علی المرتضیٰ نہیں چنانچہ اسی کتاب ریاض النضرۃ میں ہے کہ حضرت عمر کے بیٹے عاصم کی والدہ کا نام بھی امّ کلثوم ہے اور اُن کے بیٹے زید الاصغر کی ماں کا نام بھی اُمِّ کلثوم ہے۔

"وعاصم امہ کلثوم جمیلۃ بنت عاصم بن ثابت حمی الدبر"۔

ریاض النضرۃ ج ۱، ص ۴۲۵

ترجمہ: حضرت عمر کے بیٹے عاصم کی ماں کا نام امِّ کلثوم جمیلہ بنتِ عاصم بن ثابت حمی الدبر ہے۔

"وزید الاصغر وعبیداللہ امھما ملیکۃ بنتِ جرول الخزاعیۃ وقال الدارقطنی امِّ کلثوم بنت جرول فلعل ذالك کنیتھا"۔

ریاض النضرہ ج ۱، ص ۴۲۵۔ تاریخ طبری ج ۳، ص ۲۶۶

ترجمہ: زید الاصغر اور عبید اللہ کی ماں کا نام ملیکہ بنت جرول خزاعیہ ہے اور دارِ قطنی نے کہا کہ اُس کا نام امِّ کلثوم بنتِ جرول ہے اور ملیکہ شاید اُس کی کنیت ہے۔

اب جبکہ ایک نہیں بلکہ دو دیگر امِّ کلثوم جنابِ عمر کی بیویوں میں شامل ہیں تو کیا ضروری ہے کہ اعرابی کی بیوی کی دایہ کے فرائض سرانجام دینے والی امِّ کلثوم بنتِ علی المرتضیٰ ہی ہوں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ نکاحِ امِّ کلثوم کے سلسلہ میں آنے والی روایات کے مطابق سیدہ امِّ کلثوم بنت علی چھ سال سے بارہ سال کی عمر کے درمیان حضرت عمر کے گھر میں رہیں اور اگرچہ نکاح خوانوں نے چھ سے دس سال کی عمر میں اُن کو دو بچوں کی ماں بھی بنا دیا ہے تاہم دایہ کے فرائض انجام دینے کے لیے کسی عمر رسیدہ اور منجھی ہوئی خاتون کی ضرورت ہوتی ہے لہٰذا یہ فیصلہ کر دینا کہ یہ امِّ کلثوم بنت علی المرتضیٰ ہی تھیں تحکم اور زبردستی ہے۔

اور پھر سب سے اہم بات یہ ہے کہ مندرجہ بالا واقعہ میں راویوں نے یہ وضاحت نہیں کی کہ یہ امِّ کلثوم کس کی بیٹی تھی اس لیے قطعیت کے ساتھ کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا تاہم اگر مراد امِّ کلثوم بنتِ علی المرتضیٰ ہی کو لیا جائے تو اِس روایت کو بھی اِس لیے جھوٹی کہنا پڑے گا کہ چھ سال سے نو دس سال کی بچی کو دایہ کے فرائض ادا کرنے کے لیے منتخب نہیں کیا جاسکتا۔

علاوہ ازیں ہم بعد از تحقیق اس نتیجہ پر پہنچے ہیں راویوں نے نکاح کا اعتراف کیا اپنی بات میں زور پیدا کرنے اور جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لیے ایک ایسی روایت بھی تیار کر رکھی ہے کہ:

جس میں امِّ کلثوم بنت علی المرتضیٰ کو لکھا ہو مگر جب آپ اِس روایت کا غیر جانبدارانہ

تجزیہ کریں گے تو بے ساختہ پکار اُٹھیں گے کہ یہ وہ جھوٹ ہے کہ جس میں رائی برابر بھی سچ نہیں ہو سکتا تسلی کے لیے پیش کی جانے والی روایات کا مطالعہ کریں جو کڑوا سچ ہے۔

نکل ہی آیا اک تیر کمان سے:

"فقدم الرجل البصرہ ففعل ثم خرج فقدم علی عمر فوجدہ یطعم الناس ومعہ عصاہ التی یزجر بھا بعیرہ فقصدلہ فاقبل علیہ بھا فقال اجلس فجلس حتی اذا کل انصرف عمر وقام فاتبعہ فظن عمر انہ رجل لم یشتبع فقال حین انتھی الی باب دارہ ادخل وقد امر الخباز یذھب بالخوان الی بلخ المسلمین فلما جلس فی البیت اتی بغذائہ خبزوزیت وملح جریش فوضع وقال الا تخرجین یاھٰذہ فتا کلین قالت انی لاسمع حس رجل فقال اجل فقالت لواردت ان ابرزللرجال اشتریت لی غیرھٰذا الکسوۃ فقال! اوماترضین ان یقال امّ کلثوم بنت علی وامراۃ عمر فقالت مااقبل غناء ذالك عنی ثم قال للرجال ادن فکل فلو کانت راضیۃ لکان اطیب حماتری فاکلا"۔

البدایہ والنھایہ ج۷، ص۲۶٦

ترجمہ: جب بصرہ کا قاصد آیا تو اُس نے حضرت عمر کو ہاتھ میں عصا پکڑے کھڑے ہو کر مسلمانوں کی صفوں میں کھانا کھلاتے ہوئے پایا حضرت عمر نے جب اُسے دیکھا تو فرمایا بیٹھ جاؤ اور آپ نے اُسے نہ پہچانا اس شخص نے لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھلایا اور جب وہ فارغ ہو گئے تو حضرت عمر اپنے گھر کو چل دیئے اور وہ شخص آپ کے پیچھے پیچھے چل پڑا پھر اس نے اندر آنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے اُسے اجازت دے دی کیا دیکھتا ہے کہ آپ کے لیے روٹی تیل اور نمک کا ٹکڑا ہے آپ نے

فرمایا نزدیک ہو جاؤ اور کھانا کھاو۔

روای بیان کرتا ہے کہ میں بیٹھ گیا تو آپ اپنی بیوی سے فرمانے لگے اے فلاں کیا آپ آ کر ہمارے ساتھ کھانا نہیں کھائیں گی۔اس نے کہا میں آپ کے پاس ایک شخص کی آہٹ سن رہی ہوں آپ نے فرمایا بے شک وہ کہنے لگیں اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں مردوں کے سامنے باہر آؤں تو آپ اس لباس کے سوا میرے لیے کوئی لباس خریدیں۔

آپ نے فرمایا کہ تو راضی نہیں کہ تجھے امّ کلثوم بنتِ علی اور عمر کی بیوی کہا جائے وہ کہنے لگیں یہ با مجھے .بہت کم کفایت کرنے والی ہے پھر آپ نے اس شخص سے فرمایا نزدیک ہو جاؤ اور کھانا کھاؤ،پس اگر وہ راضی ہوتیں تو یہ کھانا اس سے اچھا ہوتا جسے تو دیکھ رہا ہے۔

جس نے حقیقت کو کر دیا بے نقاب:

قارئین درج ذیل واقعہ وہی ہے جو آپ نے البدایہ والنہایہ کے حوالہ سے ملاحظہ فرمایا اب تاریخِ طبری کے حوالہ سے ایک جملہ کے ساتھ بھی ملاحظہ فرمائیں کہ:

قاصد کہتا ہے کہ میں نے حسبِ ہدایت کام کیا جب میں جنابِ امیر المؤمنین کے پاس پہنچا تو آپ مسلمانوں کو دن کا کھانا کھلا رہے تھے اور آپ عصاء پر اسی طرح ٹیک لگائے ہوئے تھے جس طرح ایک چرواہا ٹیک لگاتا ہے آپ کھانے کے پیالوں کے درمیان گشت لگا رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ:

اے یرفاء ان لوگوں کو اور گوشت دو اور ان لوگوں کو مزید روٹی دو اور انہیں مزید شوربا دو جب میں پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔

میں قریب کے لوگوں کے پاس بیٹھ گیا تو دیکھا کہ وہ لوگ موٹا اور سخت کھانا کھا رہے ہیں بلکہ وہ کھانا جو میرے ساتھ (توشہ کے طور پر تھا) وہ اس سے عمدہ تھا۔جب

لوگ کھانے سے فارغ ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ اے یرفاء برتن اُٹھالو اور پھر واپس جانے لگے تو میں آپ کے پیچھے ہو گیا آپ گھر میں آئے پھر کمرے میں داخل ہوئے تو میں نے (اندر آنے کی) اجازت طلب کی اور سلام کیا تو آپ نے مجھے اجازت دی جب میں اندر گیا تو آپ دو گدوں کے بچھونے پر بیٹھے ہوئے تھے جو چمڑے کے تھے اور ان میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی آپ نے مجھے ایک گدا دیا جس پر میں بیٹھ گیا وہاں ایک کمرے پر پردہ پڑا ہوا تھا۔آپ نے فرمایا کہ اے امِّ کلثوم تم ہمارا کھانا لاؤ انہوں نے روغن زیتون کے ساتھ ایک روٹی بھیجی جس کے درمیان میں بغیر پسنے کے نمک کی ایک ڈلی رکھی ہوئی تھی آپ نے فرمایا کہ امِّ کلثوم تم نکل کر کیوں نہیں آ رہی ہو کہ تم ہمارے ساتھ کھانا کھاؤ۔

وہ بولیں میں آپ کے پاس ایک اجنبی مرد کی آواز سن رہی ہوں آپ نے فرمایا "ہاں" میرے خیال میں وہ اس شہر کا رہنے والا نہیں ہے قاصد کہتا ہے اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ آپ مجھے نہیں پہچانتی۔

حضرت امِّ کلثوم نے فرمایا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں مردوں کے سامنے نکلوں تو آپ مجھے ویسا لباس پہنائیں جیسا کہ ابن جعفر نے بیوی کو پہنایا ہے آپ نے فرمایا کیا تمہارے لیے یہ اعزاز کافی نہیں ہے کہ یہ کہا جائے امِّ کلثوم حضرت علی ابن ابی طالب کی بیٹی ہیں اور امیر المؤمنین (حضرت) عمر کی بیوی ہیں۔

تاریخ طبری حصہ سوم ۲۳۷

کیا یہ حقیقت ہے؟

۱۔ اِس واقعہ کا راوی کون ہے وقائع نگار نے اِس کا ذکر نہیں کیا۔

۲۔ اگر یہ واقعہ بصرے کے قاصد نے بیان کیا ہے تو وہ کون ہے؟ اس کا تذکرہ بھی موجود نہیں۔

۳۔ کیا جنابِ عمر ایک نامحرم کے سامنے اپنی بیوی کو اپنے ساتھ کھانا کھلانے کی دعوت دے سکتے تھے جبکہ پردہ کی آیات اُن کے سامنے نازل ہوئی تھیں؟

۴۔ اگر اُن کی بیوی نے مہمان کی آہٹ نہ سُنی ہوتی تو وہ یقیناً دسترخوان پر آجاتی اور یہ صورت حضرت عمر کے لیے کیسی ہوتی؟

۵۔ اِس روایت میں ہے کہ اُن کی بیوی نے کہا اگر مجھے نامحرم لوگوں کے سامنے اپنے ساتھ کھانا کھلانا ہے تو ایسا لباس لے کر دیں جیسا ابن جعفر کی بیوی یعنی حضرت زینب بنتِ علی کا ہے کیا جنابِ عمر کی بیوی ایک مہمان کے سامنے یہ مطالبہ کرسکتی تھی۔

۶۔ کیا اپنے شوہر اور ایک اجنبی کے ساتھ خاص قسم کا لباس پہن کر کھانے میں شرکت کرنا صحابہ کرام کی بیویوں میں مروّج تھا؟

۷۔ کیا حضرت عمر مہمان کے سامنے اپنی بیوی کے ناخوش ہونے کا ذکر کرسکتے تھے؟

۸۔ جب حضرت عمر کی مخصوص غذا روٹی، روغن زیتون نمک اور ستو وغیرہ پر ہی مشتمل تھی اور اِس روایت کے مطابق وہ اپنی بیوی کو بھی اپنے ساتھ یہی کھانا کھلاتے تھے اور اُن کے گھر میں یہی اشیاء موجود تھیں تو اُن کی بیوی خوش ہونے کی صورت میں اِس سے بہتر کھانا کہاں سے لا کر دیتی؟

جہاں تک بصرے کے قاصد کا حضرت عمر کی غذا میں روٹی، تیل اور نمک وغیرہ کا ذکر ہے تو یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے اور اِس پر دیگر بھی بے شمار شواہد موجود ہیں مگر یہ امور قطعی طور پر نادرست ہیں کہ انہوں نے اپنی بیوی کو ایک اجنبی مہمان کے ساتھ کھانا کھانے کی دعوت دی، اگر ایسا ممکن ہوتا تو اُن کی بیوی بغیر حیل وحجت اُس دسترخوان پر آجاتی، اُن کا یہ کہنا کہ میں مہمان کی موجودگی میں آپ کے ساتھ کھانے میں

شریک نہیں ہوتی تھیں۔

علاوہ ازیں جنابِ عمر کا اپنی بیوی کی اِس بات کی تصدیق کر دینا بھی ظاہر کرتا ہے کہ اُن کی بیوی نامحرموں کے ساتھ کھانا نہیں کھاتی تھیں۔

اور یہ امر کسی خاص لباس سے مشروط نہ تھا ورنہ جنابِ عمر اُن کی بات فوراً ہی نہ مان لیتے۔اب جبکہ کسی نامحرم کے ساتھ مل کر کھانا درست ہی نہ تھا تو اُن کی بیوی نے کسی دوسری خاتون جیسے لباس کی فرمائش کیوں کر دی کیا یہ ضروری تھا کہ کسی مہمان کے سامنے مخصوص لباس یا رِدا کا مطالبہ کیا جاتا اور کہا جاتا مجھے اپنے ساتھ کھانا کھلانا ہے تو اِس قسم کا لباس لا کر دیں اور پھر جنابِ عمر کسی اجنبی مہمان کے سامنے یہ بات کیسے کر سکتے تھے کہ میری بیوی مجھ سے ناخوش ہے ورنہ تمہیں اِس سے بہتر کھانا کھلاتی۔

یہاں ہم قارئین کو نکاحِ امِّ کلثوم کے بارے میں بیان کی جانے والی اُس روایت کی طرف متوجہ کریں گے جسے مختلف کتابوں سے مصنفین نے اپنے اپنے مختلف انداز میں نقل کیا ہے اگرچہ یہ روایات جھوٹی ہونے کی وجہ سے تضاداتِ عبارت کا مجموعہ ہے تاہم کسی نہ کسی طرح جنابِ علی کے رشتہ سے انکار کے جواب میں جنابِ عمر سے یہ جملہ منسوب ہے کہ:

"انکحینھا یا علی فواللہ ما علی ظھر الارض رجل یرصد من حسن صحابتھا ما ارصد"۔

یعنی اے علی آپ میرے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کر دیں خدا کی قسم اِس کے ساتھ مجھ سے زیادہ حسنِ سلوک کرنے والا روئے زمین پر اور کوئی نہیں۔

اس جملہ سے صاف طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے قسم کھا کر امِّ کلثوم کو خوش رکھنے کا وعدہ کیا ہوتا تو وہ انہیں کبھی ناخوش نہ رکھتے، معلوم ہوا کہ نہ تو جنابِ حضرت عمر نے حلف اُٹھا کر اتنا بڑا دعویٰ کیا کہ مجھ سے بہتر سلوک روئے زمین پر کوئی

نہیں کرسکتا اور نہ ہی انہوں نے اُسے بدسلوکی کر کے رنجیدہ اور ناخوش کیا بلکہ یہ سب افسانہ نگاروں کی خوش مزاجیاں ہیں ورنہ چھ سات سال کی بچی کے ساتھ ستاون سال کے شادی شدہ بزرگ کی کوئی صورت بھی تو ہو۔

قارئین پہلی دلیل کے جواب میں کافی طویل گفتگو ہو چکی ہے ہمیں یقین ہے کہ آپ اِس مکمل بحث کو اچھی طرح پڑھ لینے کے بعد ہم سے اتفاق کریں گے کہ جنابِ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ساتھ جنابِ امِّ کلثوم بنت علی کے نکاح کا قصہ افسانہ نگاروں کی تراشی ہوئی کہانی ہے اور اِس کا حقیقت کے ساتھ کچھ تعلق نہیں تاہم دوسری دلیل کا جواب دینے سے قبل چند ایسے شواہد اور ثبوت پیش کیئے جائیں گے جن سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگی کہ سیدہ امِّ کلثوم رضی اللہ تعالےٰ عنہا ۱۷ ھ میں بالغ ہی نہیں تھیں مگر اِس سے بھی پہلے ایک اور جھوٹی من گھڑت روایت کا بغور جائزہ لیں جبکہ یہ روایت انہی ایام سے تعلق رکھتی ہے جن میں جنابِ عمر کا سیدہ امِّ کلثوم کے ساتھ فرضی نکاح ہونا ثابت کیا گیا ہے کہ: تاریخ الکامل ج ۳ ص ۹۶

"قال وترك ملك الروم الغزو كاتب عمر وقاربه وبعث امِّ كلثوم بنت علي ابن ابي طالب، زوج عمر بن الخطاب الى امرأة ملك الروم بطيب وشئ يصلح للنساء مع البريد. فابلغه اليهاء فاهدت امرأة الملك اليها هدية، منها عقد فاخر فلما رجع البريد اخذ عمر مامعه ونادى : الصلاة جامعة ، فاجتمعوا واعلمهم الخبر. فقال القائلون : هو لها بالذى كان لها، وليست امرأة الملك بذمة فتصانعك وقال آخرون قد كنا نهدى لسنتثيب فقال عمر لكن الرسول رسول المسلمين والبريد بريد هم والمسلمون عظموها في صدرها فامر بردها الى بيت المال واعطاها بقدر نفقتها"۔

کہا اور روم کے بادشاہ نے جنگ بند کر دی اور جنابِ عمر نے اُسے خط لکھا اور سیدہ امِّ کلثوم بنت علی المرتضیٰ بن ابی طالب زوجۂ عمر بن خطاب نے شاہِ روم کی بیوی کو خوشبو وغیرہ عورتوں کے استعمال کی چیزیں تحفتاً ارسال کیں جب یہ تحفہ ملکۂ روم کو پہنچا تو اُس نے سیدہ امِّ کلثوم کو تحائف بھیجے جن میں ایک قیمتی ہار تھا قاصد نے جب یہ چیزیں جنابِ عمر کی خدمت میں پیش کیں تو آپ نے لوگوں کو صلوٰۃ جامعہ کے لیے بلایا جب لوگ اکھٹے ہو گئے تو انہیں اِن تحائف کے بارے میں بتایا تو انہوں نے کہا یہ اُسی کے ہیں جس کے لیے بھیجے گئے ہیں۔

حضرت عمر نے کہا لیکن یہ تو مسلمانوں کا قاصد ہے اور یہ مؤمنوں کا مکتوب ہے اور مسلمان اِن تحائف کے زیادہ حقدار ہیں چنانچہ اُنہوں نے تمام تحائف بیت المال میں جمع کروا دیئے اور جنابِ سیدہ امِّ کلثوم کو اُتنی رقم کی چیزیں دے دیں جتنی انہوں نے خوشبو وغیرہ پر خرچ کی تھیں۔

جھوٹ پر جھوٹ:

مان لیا جائے کہ سیدہ امِّ کلثوم کی شادی حضرت عمر سے ہوئی جبکہ ان کی عمر چار پانچ سال سے زیادہ نہیں شادی کے چند ماہ بعد انہوں نے بادشاہوں کی بیگمات کو تحائف بھیجنا شروع کر دیئے جنابِ حضرت عمر نے انہیں خوش رکھنے اور عزت واکرام دینے کا وعدہ اِس طرح پورا کر دیا کہ اُن کے لیے ملکۂ روم کے بھیجے ہوئے تحائف جو اُن کے اپنے تحائف کے بدلہ میں آئے تھے بیت المال کے سپرد کر دیئے۔

سیدہ معصومہ کی عمر مبارکہ حقائق کی روشنی میں:

پہلی بات تو یہ ہے کہ روایت گھڑنے والے نے روایت کا ابتدائی حصہ ہونے کی وجہ سے اُن کی عمر کے بارے میں احتیاط سے کام لیا ہے اور بار بار صغیرہ اور صبیہ کے الفاظ استعمال کیئے ہیں اِس لیے کہ بصورتِ دیگر تفاوتِ عمر کی بناء پر اِس کا نقل در نقل ہوتے

چلے جانا ممکن ہی نہیں تھا۔

رہی بات یہ کہ اگر کوئی شخص اُس وقت انہیں بالغہ تصور کرتے ہوئے اِس واہی روایت کو درست تسلیم کر بھی لیا جائے تو مولائے کائنات کی غیرت اور جنابِ عمر کے تقویٰ اور عدل اور سیدہ معصومہ مظلومہ کی عفت کا تحفظ کسی بھی صورت ممکن نہیں تھا۔

اور پھر یہ بھی تھا کہ سیدہ امِّ کلثوم سیدہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں اور آپ سے پہلے جنابِ سیدہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کے بطن سے پانچ بیٹے بیٹیاں ہیں اور سیدہ امِّ کلثوم اُن کی چھٹی اولاد تھی آپ کے ہاں ۳ھ میں امام حسن اور ۴ھ میں امام حسین کی ولادت پاک ہوئی تھی، پھر اِن کے بعد حضرت محسن پیدا ہوئے جن کا سال ولادت کم از کم ۵ھ ہوسکتا ہے بعد ازاں مختلف روایات کے مطابق سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کی ولادت مبارکہ ۶ھ یا ۷ھ میں ہوئی اِن کے بعد جنابِ رقیہ سلام اللہ علیہا کی ولادت ہوئی جو آٹھ اور نو ہجری کے درمیان ہی ممکن ہے سیدہ رقیہ کے بعد سیدہ اُمِّ کلثوم کی ولادت ہوتی ہے جسے کسی بھی طرح ۱۰ھ سے پہلے ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

اِس روشن حقیقت کے پیشِ نظر ۱۷ھ میں سیدہ امِّ کلثوم کی عمر مبارکہ سات سال سے زیادہ نہیں ہوسکتی اور سات سال کی لڑکی نہ تو ستاون سالہ کسی بزرگ کی بیوی بنائی جاسکتی ہے اور نہ ہی وہ حقّ زوجیت ادا کرنے کے قابل ہوتی ہے اور اِس کتاب میں مکمل وضاحت کے بعد بھی اگر کسی کو انصاف کی حدود کی سمجھ نہیں آئی تو وہ اپنی معصوم سی کلی کو کسی ستاون سالہ بوڑھے کے ساتھ بیاہ کر کے دیکھ لے سب سمجھ آجائے گا۔

حیرت ہے اولادِ فاطمیہ سے دشمنی اِس حد تک ہے کہ اُن کی پردہ داروں کی عفت و پاک دامنی کا بھی خیال نہ رہا اُن کی مظلومیت کا پاس بھی نہ رہا۔

پھر تو اس حقیقت کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ جناب حضرت عمر نے اُن سے اس

حد تک دست درازی کی تھی کہ وہ مشتعل ہو کر اُن کی ناک توڑنے اور آنکھیں پھوڑنے تک پہنچ گئی تھیں۔ (العیاذ باللہ)

اُلٹی عقل کیسے پھر گئی؟

حیران ہوں ان لوگوں کی عقل کیسے الٹی ہو کر تیزی سے پھرنا شروع ہو گئی ہے ایک جگہ پر ایک ٹھکانہ پر کیوں نہیں رہ سکی جبکہ:

پہلی بات تو یہ ہے کہ روایت وضع کرنے والا جانتا تھا کہ اگر میں نے آغازِ روایت میں جناب عِمر کے بارے میں گھپلا بازی کر دی تو اِسے کسی بھی طرح پذیرائی حاصل نہ ہو سکی چنانچہ اُس نے آپ کے لیے صبیہ اور صغیرہ کے الفاظ استعمال کیے جس کا اطلاق چھوٹی بچی یا چھوٹی لڑکی پر ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ راوی جانتا تھا کہ اگر عمر میں گھپلا بازی کر کے انہیں بالغ ثابت بھی کر لے تو جب بھی اِس بات کو قبول نہیں کیا جائے گا کہ بالغہ لڑکی کو پسند کروانے کے لیے حضرت عمر کے خلوت کدہ میں بھیجا گیا تو انہوں نے اُس سے دست درازی کی۔

تیسری بات یہ ہے کہ اگرچہ سیدہ امّ کلثوم کا سن پیدائش کسی نے بھی بیان نہیں کیا مگر اِس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ آپ سیدہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں۔ جس کو فتح الباری میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ:

"وھیٔ اصغر بنات فاطمۃ علیھا السلام"۔

فتح الباری ج۶، ص۶۰

"وکانت اصغر بنات فاطمۃ الزھراء"۔

ارشاد الساری ج۵، ص۸۴

شاید کہ سیدہ معصومہ بالغہ ہوں؟

گمان غالب ہے کہ جو خبر اُن نام نہاد مصنفین (جنہوں نے نکاحِ امِّ کلثوم کو بغیر تحقیق کے پیش کر دیا ہے) کو فراہم کی جانے والی ہے وہ اُن کے لیے پرانی اور باسی ہی ثابت ہوگی اِس لیے کہ خارجیوں کی کتابوں کر چرچے پیش کرنے والوں کے لیے خارجیوں کی تحقیقی موشگافیاں تازہ خبر کی حیثیت نہیں رکھتیں، تاہم کسی بھی شخص کی معلومات حرفِ آخر نہیں ہوا کرتیں اِس لیے ممکن ہے کہ یہ اطلاع اُن کے لیے تازہ خبر ہی ثابت ہو، اور وہ آئندہ اپنی تحقیق کا رُخ اِس طرف موڑ لے۔

عجیب انداز ہے عقل کو اندھا کرنے کا:

مولانا حبیب الرحمن صدیقی کاندھلوی نکاحِ امِّ کلثوم کے بارے میں لکھتے ہیں:

> سیدۂ کائنات سیدہ فاطمہ کے پانچ بچے تھے حسن، حسین، محسن، زینب اور امِّ کلثوم اِس پر تو اتفاق ہے کہ محسن بچپن میں انتقال فرما گئے تھے اور اِس پر بھی اتفاق ہے کہ حسنین کریمین ان کے چھوٹے بیٹے تھے لیکن سوال یہ ہے کہ سب سے پہلے سیدہ فاطمہ کے ہاں جو بچہ پیدا ہوا وہ کونسا بچہ تھا؟

جبکہ سبائیوں اور مؤرخین کا دعویٰ یہ ہے کہ سب سے پہلے جنابِ سیدنا امام حسن سلام اللہ علیہ پیدا ہوئے لیکن وہ خود ہی اس قسم کے واقعات بیان کرتے ہیں جس سے ان کے اِس دعوے کی تردید ہو جاتی ہے۔

ملا باقر مجلسی کا نظریہ:

ملا باقر مجلسی ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ:

> یہ سن کر جنابِ فاطمہ کو نہایت صدمہ ہوا اور متفکّر و متردد ہوئیں یہاں تک کہ رات ہوگئی جب رات ہوئی تو امام حسن کو دائیں اور امامِ حسین

کو بائیں کاندھے پر بٹھایا اور اُمِّ کلثوم کا بایاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اپنے پدرِ بزرگوار کے گھر تشریف لے گئیں، واپسی پر جنابِ رسولِ خدا نے امامِ حسن کو اور سیدہ فاطمہ نے امامِ حسین کو اُٹھایا اور امِّ کلثوم کا ہاتھ پکڑ کر گھر سے مسجد میں تشریف لائے۔

جلاء العیون ج ۱، ص ۲۱۷، ۲۱۸

مذکورہ روایت پر توجہ کریں:

اس عبارت پر غور کریں اور سوچیں اللہ نے آپ کو عقل فہم عطا کیا ہوا ہے اور اللہ سے دعا بھی کریں کہ اللہ آپ کو غور و فکر کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائے۔

غور کریں کہ اِن بچوں کی عمر زیادہ ہو گی جنہیں کندھوں پر اُٹھا کر لے جایا جارہا ہے یا اُمِّ کلثوم کی عمر زیادہ ہو گی جو ہاتھ تھام کر پیدل چل رہی ہیں یہ واقعہ خود ثابت کر رہا ہے کہ سیدہ امِّ کلثوم امامِ حسن و امامِ حسین سے عمر میں بڑی تھیں پس معلوم ہوا جب ۴ ھ میں سیدنا علی المرتضیٰ کرّم اللہ وجہہ الکریم کی شادی ہوئی تو پہلے آپ کے ہاں جس کی ولادت ہوئی وہ سیدہ امِّ کلثوم ہی ہوں گی گویا امامِ حسن کی پیدائش ۵ ھ سے قبل تو ممکن ہی نہیں اور وہ بھی سال کے آخری مہینوں میں۔ تاہم فرضی نکاح کو حقیقت کی چادر پہنانے والوں کے نزدیک یہی وہ امِّ کلثوم ہیں جو جنابِ عمر کے نکاح میں آئیں جن سے جنابِ عمر کا ایک لڑکا زید اور ایک لڑکی رقیہ پیدا ہوئی اور یہ تمام گُل پاشیاں اِس لیے کھلائی جارہی ہیں تا کہ سبائی یہ ثابت کر سکیں کہ جس امِّ کلثوم کا جنابِ عمر سے نکاح ہوا تو وہ پانچ سالہ بچی تھیں، سبائیوں کے اِس دھوکہ میں بڑے بڑے اکابرین اور علماء آئے حتیٰ کہ حافظ ابن حجر نے الاصابہ اور ابن حجر ہیثمی نے الصواعق المحرقہ میں پانچ سالہ عمر والی من گھڑت روایات بھی نقل کی ہیں حالانکہ من گھڑت مسئلہ بالکل واضح تھا کہ جنابِ امِّ کلثوم

سنہ ۴ھ میں پیدا ہوئی اور ۱۷ھ میں جنابِ عمر کے نکاح میں آئیں اور اُس وقت اُن کی عمر تیرہ سال سے زیادہ تھی گویا ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت سیدہ امِّ کلثوم کی عمر گھٹائی گئی اور امامِ حسن کی عمر بڑھائی گئی اِس سے امامِ حسن کی ذات پر تو کوئی خاص اثر پیدا نہیں ہوتا لیکن سبائیوں کو اِس طریقہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذات پر کیچڑ اچھالنے کا موقع مل گیا ہے۔

مذہبی داستانیں اور اُن کی حقیقت ج ۱، ص ۲۸۲، ۲۸۳

ارادہ کہاں کا ہے؟

حق تو یہ ہے کہ ان موضوع روایات سے استفادہ کر کے دشمنانِ اہلبیت بغض میں دشمنی کی انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں اور دشمنانِ صحابہ تبرا بازی کے چنگل میں پھنس کر زبان درازی کرنے میں مجبور دکھائی دیتے ہیں جبکہ اِن عبارات کی تحقیق کی طرف کسی کا گماں ہی نہیں۔ کوئی اِس فرضی نکاح کو کرامت تصور کر رہا ہے تو کوئی تعلق نسبت رسول، کسی نے یہ کہہ کر حصہ ڈالا ہے کہ اِن موضوعات کو چھیڑنے کی کیا ضرورت ہے یہ کوئی دین کا حصہ تو نہیں تاریخی باتیں ہیں۔

افسوس صد افسوس اولادِ فاطمہ کی باری آئے تو دین کا حصہ نہیں، بنو امیہ یا دیگر خاندانوں کی بات ہو تو ہر ایک بات دین لگتی ہے۔ ہر ایک کی وضاحت کرنا ایمان سمجھا جاتا ہے۔ کسی شاعر نے درست کہا ہے کہ:

بجھا سکو تو دیا بجھا دو دبا سکو تو صدا دبا دو

چنانچہ اِس ننگے جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لیے ایک نیا جھوٹ گھڑ لیا کہ سیدہ امِّ کلثوم سیدہ فاطمۃ الزہرا کی پہلی اولاد ہیں مگر کچھ مصنفین کی ہٹ دھرمی کا یہ عالم ہے کہ باوجود خود کو مصنف کہلانے کے اتنی سی بات بھی تسلیم کرنے اور سمجھنے سے قاصر ہیں کہ

حضرت عمر جیسے بزرگ صحابی نہ تو تین چار سال کی بچی امِّ کلثوم بنتِ ابوبکر کے لیے نکاح کا پیغام دے سکتے تھے اور نہ ہی چھ سات سال کی بچی امِّ کلثوم بنتِ علی سے شادی رچانے کا تصور کر سکتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں جو ذمہ داریاں خود پر ڈال رکھی تھیں اور جس طرح وہ اِن اہم ذمہ داریوں سے عہدہ براہو رہے تھے تاریخ کا ہر طالب علم انہیں سامنے رکھ کر اندازہ لگا سکتا ہے کہ وہ پہلی بیویوں اور کنیزوں کی موجودگی میں ستاون سال کی عمر میں نئی شادی کا روگ پالنے کی پوزیشن میں نہ تھے اور اگر بالفرض اُن کے لیے ایک اور شادی کرنا ناگزیر ہو چکا تھا تو وہ کسی عمر رسیدہ اور جہاندیدہ خاتون سے شادی کرتے جو اُن کے لیے امورِ خلافت میں اُن کی مددگار ہوتی نہ کہ کسی ننھی سی بچی کو گھر میں لے آتے جس کے لیے گڑیاں اور کھلونے لالا کر اُس کی دلداری اور غمخواری کرنا پڑتی۔

بہر کیف یا تو خارجیوں کی اِس نئی تحقیق کو مبنی بر صداقت سمجھنا ہو گا کہ سیدہ امِّ کلثوم سیدہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کی پہلی اولاد تھیں اور اِس مزعومہ نکاح کے وقت اُن کی عمر تیرہ سال ہو چکی تھی یا پھر اِس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت عمر نے چھ سات سال کی بچی سے شادی نہیں کی تھی اور اِس بات پر یقین کرنا ہو گا کہ جنابِ امِّ کلثوم کی عمر ۱۷ھ میں سات سال سے زیادہ نہیں ہو سکتی کیونکہ سیدنا امامِ حسن کی ولادت ۳ھ کے آخری مہینوں میں ہوئی اور اِن کے بعد سیدہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کے ہاں مزید پانچ بچوں نے جنم لیا جن کے لیے سات سال سے کم عرصہ کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ اب جبکہ سیدہ امِّ کلثوم آپ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں تو اُن کی ولادت کا سال ۱۰ھ ہی ہو سکتا ہے اور ۱۷ھ میں اُن کی عمر مبارکہ چھ یا سات سال ہی ہو سکتی ہے۔

بالفرض مزید گنجائش پیدا کرتے ہوئے سیدہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کے ان پانچ

بچوں کی ولادت چھ سال کے عرصہ میں محدود کر دی جائے تو جب بھی سیدہ امّ کلثوم کی عمر اِس مزعومہ شادی کے وقت آٹھ سال ثابت ہو سکتی ہے اِس سے زیادہ عمر کا تصور مفقود ہے اور یہ عمر بھی بلوغت کے لیے متصور نہیں۔

اِن شواہد کی روشنی میں آفتاب نصف النہار کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ یہ نکاح صرف کتابوں کے اوراق تک ہی محدود ہے حقیقت سے اِس کا کچھ تعلق نہیں۔

نسبِ رسول ج۲، ص۱۸۵

باب نمبر 3

حصہ سوم

اِس حصہ میں امّ کلثوم کے بارے میں وضاحت کی جائے گی کہ جس امّ کلثوم کا نکاح جنابِ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا ہے وہ کون ہے؟

پھر اولادِ امّ کلثوم پر سیر حاصل گفتگو کی جائے گی کہ یہ اولاد کہاں گئی۔

بالآخر حصہ سوم میں اُس حقیقت کو بھی سامنے کیا جائے گا کہ امّ کلثوم زوجہ عمر ہے کون؟

زوجہ عمر کون؟ (تحقیقی بحث):

ہم اِس حصہ میں اس ساری بحث کو تحقیق کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کریں گے تاکہ ساری حقیقت سامنے آجائے اور اہل بیت کے اوپر کیچڑ اچھالنے والوں کا دروازہ بند ہو جائے۔ سب سے پہلے امِّ کلثوم بنت صدیق اِکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تحقیقی بحث کی جائے گی اُس کے بعد امِّ کلثوم بنت فاطمہ پر (انشاء اللہ)۔

جہاں تک حضرت عمر کی بیوی بننے والی امِّ کلثوم کا معاملہ ہے تو وہ یقینا مولائے کائنات سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جنابِ فاطمۃ الزہراء کی دختر نہیں تھیں، امِّ کلثوم بنتِ ابو بکر صدیق کو حضرت عمر نے پیغام بھیجا تھا لیکن اُن کے انکار پر نکاح نہیں ہوا تھا اِس سلسلہ میں دو حوالہ جات ہمارے سامنے ہیں کہ:

"قال المدائنی وخطب امِّ کلثوم بنتِ ابی بکر وھی صغیرۃ وارسل فیھا الی عائشۃ فقالت الامر الیك فقالت امّ کلثوم لاحاجۃ لی فیہ فقالت لھا عائشۃ ترغبین عن امیر المؤمنین قالت نعم انہ خشین العیش شدید علی النساء"۔

ابنِ ابی الحدید شرح نہج البلاغہ ج۳، ص۱۵۷۔ تاریخ طبری ج۳، ص۱۷

ترجمہ: مدائنی نے کہا کہ جنابِ عمر بن خطاب نے امِّ کلثوم بنتِ ابو بکر کا رشتہ مانگا ان کی عمر بہت کم تھی، جنابِ عائشہ صدیقہ کو رشتے کا پیغام بھیجا تو جنابِ عائشہ صدیقہ نے فرمایا کہ وہ اِس معاملہ میں خود مختار ہے۔ پھر امِّ کلثوم نے کہا مجھے عمر بن خطاب کے ساتھ نکاح کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ وہ اپنی بیویوں کے ساتھ برتاؤ میں سخت ہیں۔

"واما امّ کلثوم بنتِ ابی بکر فخطبھا عمر بن الخطاب الی عائشۃ فانعمت لہ و کرھت امّ کلثوم فاحتالت لہ حتی امسك

عنہا"۔

المعارف ابن قتیبہ، ص۷۶

ترجمہ: ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دختر امِّ کلثوم کا رشتہ بذریعہ عائشہ صدیقہ عمر بن خطاب نے مانگا، جنابِ عائشہ صدیقہ نے اِس میں کچھ غور فرمایا اور امِّ کلثوم نے اس کو اچھا نہ سمجھا لہٰذا حیلہ و بہانہ سے انکار کر دیا اور عمر بن خطاب نے بھی ارادہ ترک کر دیا۔

ان دونوں روایتوں میں صرف اتنا ثبوت ملتا ہے کہ امِّ کلثوم بنتِ ابو بکر صدیق کا رشتہ جنابِ عمر بن خطاب نے مانگا تھا لیکن یہ رشتہ نہ طے ہوا اور جس امِّ کلثوم کا رشتہ حضرت عمر سے طے ہوا وہ یہ نہیں تھیں بلکہ جنابِ علی المرتضیٰ کی بیٹی تھیں۔

حالانکہ یہ بھی من گھڑت بات ہے کہ سیدہ امِّ کلثوم کا نکاح جنابِ عمر سے ہوا تھا۔

اولادِ امِّ کلثوم کی وضاحت:

اِن عبارتوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ جنابِ عمر کے ساتھ سیدہ امِّ کلثوم بنتِ علی المرتضیٰ کے نکاح کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ سیدہ امِّ کلثوم نے جنابِ عمر کے دو بچوں کو جنم دیا جن کے نام زید الاکبر اور رقیہ ہیں۔

زید الاکبر بن عمر اور اُن کی والدہ سیدہ امِّ کلثوم بنت علی نے ایک ہی روز وفات پائی اور اُن دونوں کا جنازہ بیک وقت اکٹھا پڑھا گیا۔ جبکہ رقیہ بنتِ عمر کی شادی ابراہیم بن نُعیم النحام سے کی گئی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح نکاحِ امِّ کلثوم کی کہانی فرضی اور من گھڑت افسانہ ہے ایسے ہی سیدہ امِّ کلثوم بنت علی کو جنابِ عمر کے بچوں کی ماں بنانے کی کہانی بھی قطعی طور پر کذب و افتراء اور فرضی افسانے پر مبنی ہے۔

اس سے پہلے کہ جنابِ عمر کے ان دونوں بچوں کے بارے میں وضاحت کی جائے اِس حقیقت کو پھر سامنے لے آئیں کہ جنابِ عمر کا سیدہ امِّ کلثوم بنتِ علی کے ساتھ فرضی نکاح ۱۷ھ میں ہوا اُس وقت جنابِ عمر کی عمر مبارکہ ستاون برس اور سیدہ امِّ کلثوم کی عمر مبارکہ سات سال یا زیادہ سے زیادہ آٹھ سال تھی جبکہ سات آٹھ سال کی بچی کا اولاد پیدا کرنا متصور نہیں ہو سکتا اب ایک اور مفروضہ اِس طرح قائم کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے گیارہ بارہ سال کی عمر میں بچوں کو جنم دیا ہوگا۔

بالفرض اگر یہ بات مان لی جائے تو یہ بھی ان مفروضہ بچوں کی پیدائش ۲۱ھ اور ۲۲ھ میں ہو سکتی ہے جبکہ جنابِ عمر کی شہادت کے وقت اُن کی سب سے چھوٹی اولاد دوسری خاتون سے تھی اور جنابِ عمر ۲۳ھ میں منصبِ شہادت پر فائز ہو گئے اِس ضرب و تقسیم سے حاصل یہ ہوتا ہے کہ شہادتِ حضرت عمر کے وقت سیدہ امِّ کلثوم سے

پیدا ہونے والے فرضی بچوں کی عمر دو سے چار سال تک ہو سکتی ہے یا ایک سے دو سال تک اگر بڑے بچے کی عمر چار سال قرار دی جائے تو یہ امر تسلیم کرنا ہوگا کہ سیدہ امّ کلثوم نے اپنے پہلے بچے کو نو یا دس سال کی عمر میں جنم دیا۔

بہر کیف اِس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جنابِ رقیہ بنتِ عمر چونکہ اپنے بھائی سے چھوٹی تھیں اِس لیے اُن کی عمر زیادہ سے زیادہ ایک یا دو سال ہو سکتی ہے۔

اس طے شدہ حقیقت کے بعد جنابِ رقیہ بنتِ امّ کلثوم کے بارے میں مزید وضاحت حاصل کرنی ضروری ہے۔

رقیہ بنتِ امّ کلثوم کی مختصر حالاتِ زندگی:

جھوٹے راویوں نےجنابِ حضرت عمر کی بیٹی رقیہ بنتِ امّ کلثوم کے نام سے بنا رکھی ہے اُن کی عمر کا اندازہ اِس روایت سے لگایا جاسکتا ہے اور راویوں کے اختراع کا اندازہ بھی آپ خود کر سکتے ہیں کیونکہ:

"رقیة بنت عمر بن الخطاب امها امِّ کلثوم بنت علی رضی الله عنه تزوجها ابراهیم بن نُعیم بن عبدالله النخام فلم تلد منه وماتت عنده ولم تطل مدتها وکانت حسنة فی الغایته ولها خلق حسن توفیت فی خلافت ابیها وقد قاربت العشرین سنة"۔

روضة الفیحاء فی تواریخ النساء مطبوعه بغداد ص ۱۶۱

ترجمہ: حضرت عمر کی بیٹی رقیہ بنتِ امّ کلثوم بنتِ علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شادی ابراہیم بن نعیم بن عبداللہ النخام سے ہوئی مگر اُن کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی اور انہوں نے اپنے شوہر ابراہیم کے ہاں وفات پائی آپ حسنِ صورت وسیرت سے انتہائی طور پر آراستہ تھیں اور آپ کا وصال اپنے والد گرامی جنابِ عمر کی خلافت کے دوران تقریباً بیس سال کی عمر میں ہوگیا۔

رقیہ بنتِ امِّ کلثوم کی شادی کا اہتمام کرنا:

ایک اور جھوٹ ایک اور ظلم امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذاتِ مقدسہ پر کہ انہوں نے اپنی بیٹی کی شادی کا انتظام بھی خود کیا تسکین کے لیے اِس روایت کا بغور مطالعہ کریں کہ:

"فاطمة وزیدا وامهما امّ کلثوم بنتِ علی ابن ابی طالب من فاطمة بنتِ رسول الله صلی الله علیه(وآلہٖ) وسلم ویقال ان اسم بنتِ امِّ کلثوم من عمر رقیة وان عمر زوجها ابراهیم بن نعیم النخام فماتت عنده ولم تترك ولدا"۔

المعارف لابنِ قتیبہ ص۸۰

ترجمہ: فاطمہ اور زید کی ماں جنابِ امِّ کلثوم بنت علی بنِ ابی طالب تھیں جو کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی سیدہ فاطمہ کے بطن سے تھیں۔

اور یہ کہتے ہیں کہ جنابِ عمر سے حضرت امِّ کلثوم کی بیٹی کا نام رقیہ تھا جس کی شادی حضرت عمر نے خود بنفسِ نفیس ابراہیم بن نعیم النخام سے کی تھی اور وہ اپنے شوہر کے ہاں فوت ہوگئی اور کوئی اولاد پیچھے نہیں چھوڑی۔

مذکورہ روایات پر تبصرہ:

اِن دونوں روایتوں سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ امِّ کلثوم بنت علی کے ہاں جنابِ عمر سے رقیہ نامی بیٹی پیدا ہوئی تھی ، اُس کی شادی جنابِ حضرت عمر نے اپنے قبیلہ عدوی کے ایک شخص ابراہیم بن نعیم النخام سے خود فرمائی تھی۔اور آپ کی یہ صاجزادی آپ کے دورِ خلافت میں تقریباً بیس سال کی عمر میں وفات پا گئیں۔

اِن دونوں روایات میں بتایا گیا ہے کہ جنابِ رقیہ بنتِ امِّ کلثوم کے ہاں اولاد نہیں ہوئی تھی جبکہ طبقاتِ ابن سعد کی روایت میں ہے کہ اُن کے ہاں ایک بیٹی بھی پیدا

ہوئی تھی اِس جھوٹ کو بھی ذرا غور سے پڑھیں اور فیصلہ اپنی عقل کے مطابق کریں کہ:

ابراہیم بن نعیم کے یہاں محمد پیدا ہوئے کی جن والدہ دخترِ عباس بن سعید تھی ، ابراہیم کے چار بیٹے کنیزوں سے پیدا ہوئے اُن کے نام یہ ہیں زید، عبداللہ، عبیداللہ، ابوبکر۔

اُن کی ایک اور بیٹی بھی تھیں جن کی والدہ رقیہ بنتِ عمر بن الخطاب تھیں رقیہ کی والدہ امِّ کلثوم بنتِ علی بن ابی طالب تھیں۔

یومِ حرہ میں ابراہیم بن نعیم بھی ایک سرگروہ تھے اُسی روز ۶۳ھ میں قتل کردیئے گئے۔

طبقاتِ ابنِ سعد ج۵، ص۱۸۴

بہرکیف واقعات کا یہ بُعد قارئین سے پوشیدہ نہیں رہا ہوگا۔ اِن تمام جھوٹے اور من گھڑت واقعات کو پڑھ کر اپنی اپنی عقل کو حاضر رکھ کر انصاف اور ایمان کے ساتھ ایک فیصلہ کریں کہ یہ ظلم کس کے ساتھ ہو رہا ہے آخر ایسی کون سی چیز تھی اہل بیت کے پاس جس کو حاصل کرنے کے لیے راویوں نے ایسی جھوٹی باتیں بنانی شروع کیں۔ جواب طلب؟؟؟

حاصل کلام روایات:

ان روایات کو پڑھ کر یہی محسوس ہوتا ہے کہ جھوٹ کو کسی بھی طرح سچ ثابت نہیں کیا جاسکتا بلکہ جھوٹ کو جس قدر الفاظ کے خوشنما پردوں میں چھپایا جائے گا اتنا ہی عریاں ہوتا جائے گا۔

ہم بارہا اِس حقیقت کو نمایاں کرنے کی کوشش کرچکے ہیں کہ اگر سیدہ امِّ کلثوم بنت علی کا نکاح جنابِ عمر سے ہوا ہوتا تو اُن کی شادی اور عُمر کے حساب سے جنابِ عمر کی شہادت کے وقت اُن کے بچوں کی عمریں ایک سے چار سال تک ہوسکتی تھیں جبکہ اُن

سے منسوب اولاد میں رقیہ بنتِ عمر کی عمر ایک یا دو سال سے زیادہ کسی بھی صورت میں ثابت نہیں کی جا سکتی مگر روایات کے مطابق جنابِ عمر نے اِس لڑکی کی شادی خود کی بلکہ وہ اُن کی خلافت کے زمانے ہی میں بیس سال کی عمر پا کر اپنے شوہر ہی کے ہاں فوت ہو گئیں۔

اِس فرق و تفاوت اور بُعدِ زمانی کو کسی طرح دور کیا جا سکتا ہے؟

اور اگر اِس ناممکن کو ممکن بنانا ممکن نہیں تو پھر اِس طرح سوچیئے کہ حضرت عمر کی رقیہ نامی بیٹی جس خاتون کے بطن سے تھی اُس کا نام امِّ کلثوم ہی تھا مگر وہ امِّ کلثوم بنتِ علی ہر گز نہیں تھیں۔ چنانچہ جہاں امِّ کلثوم کا نام آیا خوش ذوق راویوں نے وہاں بنتِ علی کا اضافہ کرنا جزوِ ایمان سمجھ لیا تا کہ جنابِ عمر کے ساتھ حضرت امِّ کلثوم بنت علی کے فرضی نکاح کو شہرتِ دوام کا حامل بنا دیا جائے۔

کیا عجیب انداز ہے افسانہ نگاروں کا:

اب جبکہ یہ قطعی طور پر ناقابل تردید حقیقت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شہادت کے وقت سیدہ امِّ کلثوم کی عمر مبارکہ صرف تیرہ تا زیادہ سے زیادہ چودہ سال تھی تو کیسے ممکن ہے کہ اُن کی بیٹی اِس سے بھی پہلے خلافتِ عمر کے زمانہ میں بیس سال کی عمر پا کر فوت ہو چکی ہو گی۔

فیصلہ کریں کہ جس طرح راویوں کی اختراع سے سیدہ امِّ کلثوم سے کئی برس بڑی اُن کی فرضی بیٹی پیدا ہوئی ہے اِسی طرح نکاحِ امِّ کلثوم کی کہانی بھی انہی کے ناپاک ذہنوں کی تراشیدہ ہے۔

کچھ مصنفین نے تو اِسی فرضی اولادِ اُمِّ کلثوم کو نکاحِ امِّ کلثوم کی دلیل بنا کر پیش کیا ہے مگر اُن کی بدقسمتی ہے کہ اِس جھوٹی دلیل نے بقیہ جھوٹ کو مزید برہنہ کر دیا ہے۔

عجیب بیانِ عقل ہے:

الاصابہ فی معرفۃ صحابہ میں اِس سلسلہ میں مزید گل افشانی اِس طرح کی گئی ہے کہ:

"وقال الزبیر زوج عمر بن الخطاب ابراهیم هٰذا ابنته قلت وعند البلاذری انه کانت عنده رقیة بنت عمر من امّ کلثوم بنت علی وقال مصعب الزبیری کانت تحت ابراهیم بن النخام بنت لعبید الله بن عمر بن الخطاب فماتت فاخذ عاصم بن عمر بن الخطاب بیده فادخله منزله واخرج الیه ابنتیه امّ عاصم وخفصه فزوجها له. فقیل له ترکت امّ عاصم وهی اجملها. فقال رأیت جاریة رائعة"۔

الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج۱، ص۹۶

ترجمہ: اور زبیر کہتے ہیں کہ جنابِ عمر بن الخطاب نے اپنی بیٹی کی شادی ابراہیم سے کی ہے میں کہتا ہوں کہ بلاذری کے ہاں یہی امر ہے کہ سیدہ امّ کلثوم بنت علی سے جنابِ عمر کی بیٹی رقیہ ابراہیم کی زوجیت میں تھی جبکہ مصعب الزبیری نے کہا کہ ابراہیم بن نخام کی زوجیت میں عبید اللہ بن عمر بن الخطاب کی بیٹی تھی جب وہ فوت ہوگئی تو عاصم بن عمر بن خطاب نے ابراہیم بن نخام کا ہاتھ پکڑا اور اُسے اپنے گھر لے گئے اور اُس کے سامنے دو بیٹوں امّ عاصم اور حفصہ کو پیش کیا اور اُسے کہا کہ اِن میں سے جو پسند آتی ہے اُس سے شادی کرلو، ابراہیم نے حفصہ کو پسند کیا اور اُس سے شادی کروالی، کسی نے کہا کہ تم نے امّ عاصم کو چھوڑ دیا حالانکہ وہ حفصہ سے زیادہ خوبصورت تھی تو اُس نے کہا کہ میں نے حیران کُن حسینہ دیکھی تھی۔

اولادِ عمر حقیقت کے آئینہ میں:

قارئین! مندرجہ بالا روایت میں بتایا گیا ہے کہ بلاذری وغیرہ کے مطابق ابراہیم بن نحام کی شادی جنابِ عمر کی بیٹی رقیہ بنتِ امِّ کلثوم بنت علی سے ہوئی تھی مگر دوسرا محقق کہہ رہا ہے کہ ابراہیم نے جنابِ عمر کی پوتی سے شادی کی تھی اور جب حضرت عمر کی یہ پوتی فوت ہوگئی تو اُس کے سامنے جنابِ عمر کی دو پوتیاں اور پیش کی گئیں جن میں سے ایک کو اُس نے پسند کرلیا۔

سیدہ امِّ کلثوم بنت علی کے دو مفروضہ بچوں میں سے ایک کے بارے میں وضاحت کر دی گئی ہے جبکہ دوسرا مفروضہ بچہ زید اکبر ہے زید اکبر کے بارے میں تحقیقی وضاحت پیش کرنے سے قبل ایک مرتبہ پھر جنابِ عمر فاروق کی اولاد کا وہ نقشہ پیش کیا جارہا ہے جسے آپ البدایہ والنہایہ وغیرہ کے حوالہ سے پہلے ملاحظہ کر چکے ہیں کہ:

حضرت عمر کی اولاد میں سے عبداللہ وعبدالرحمن وحفصہ تھے اُن کی والدہ زینب بنت مظعون تھیں۔

زید اکبر جن کا کوئی پسماندہ نہیں اور رقیہ اِن دونوں کی والدہ امِّ کلثوم بنتِ علی ابن ابی طالب تھیں، امِّ کلثوم کی والدہ فاطمہ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھیں۔ زید اصغر وعبیداللہ جو جنگِ صفین میں مقتول ہوئے اِن دونوں کی والدہ امِّ کلثوم بنتِ جرول تھیں (جبکہ اسلام نے عمر اور ابن کلثوم کے درمیان تفریق کر دی تھی۔)

★۔ عاصم کی والدہ جمیلہ بنتِ ثابت بن ابی افلح تھیں۔
★۔ عبدالرحمن اوسط جو ابو المجبر تھے اُن کی والدہ لہیہ کنیز تھیں۔
★۔ عبدالرحمن اوسط کی والدہ کنیز تھیں۔
★۔ فاطمہ کی والدہ امِّ حکیم بنتِ حارث تھیں۔
★۔ عیاض بن عمر کی والدہ عاتکہ بنتِ زید تھیں۔

★۔ زینب جو حضرت عمر کی اولاد میں سب سے چھوٹی تھیں اُن کی والدہ کا نام فکہیہ تھا جو کنیز تھیں۔

طبقاتِ ابن سعد ج۳، ص۵۵

گذشتہ اوراق میں ہم بتا چکے ہیں کہ جملہ اہل تواریخ وسیر کے حوالوں کے مطابق سیدہ امِّ کلثوم بنتِ علی نے جنابِ عمر کے جس بیٹے کو جنم دیا اُس کا نام زید اکبر تھا جبکہ جنابِ عمر کے دو بیٹے زید اصغر اور عبید اللہ جنابِ عمر کی بیوی امِّ کلثوم بنتِ جرول کے بطن سے تھے۔

اب صاف صاف جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ زید اکبر زید اصغر سے بڑے تھے اور زید اصغر عبید اللہ سے بڑے تھے اِس حقیقت کا اظہار ہم پہلے بھی کر چکے ہیں اور اب پھر اعادہ کر رہے ہیں تا کہ حقائق کو سمجھنا نہایت ہی آسان ہو جائے۔

زید اکبر اور زید اصغر کی عمریں:

بار بار بیان کردہ صورتِ حال کے مطابق جنابِ حضرت عمر فاروق کی شہادت کے وقت سیدہ امِّ کلثوم بنتِ علی کے مفروضہ بیٹے زید اکبر کی عمر تین یا چار سال بنتی ہے اور زید اصغر اگر اُن سے ایک سال بھی چھوٹے ہوں تو اُن کی عمر دو یا تین سال متعین کر سکتے ہیں۔

زید اصغر اور عبید اللہ کی عمریں:

اکثر اہلِ سیر کی ترتیب کے مطابق عبید اللہ ابن عمر زید الاصغر بن عمر سے چھوٹے ہیں اگر وہ اپنے بھائی سے ایک سال بھی چھوٹے ہوں تو شہادتِ حضرت عمر کے وقت اُن کی عمر ایک یا دو سال متصور ہو سکتی ہے۔

حقیقتاً عبید اللہ کی عمر:

اِس حقیقت کے اظہار کے بعد کہ اگر جنابِ عمر سے پیدا ہونے والے سیدہ امِّ کلثوم کے کسی بیٹے کا نام زید اکبر تھا تو اُس کی عمر تین یا چار سال اور اُن سے چھوٹے زید کی عمر دو یا تین سال اور اُن سے چھوٹے عبید اللہ کی عمر ایک یا دو سال ہو سکتی ہے۔ مگر حقیقت ہر گز ہر گز یہ نہیں بلکہ جنابِ عبید اللہ ابن عمر اپنے والدِ گرامی کی شہادت کے وقت ایک تند و تیز نوجوان تھے اور انہوں نے اپنے باپ کے قاتل کے خاندان سے اُسی روز انتقام لے لیا تھا۔ تسلی کے لیے طبقاتِ ابن سعد کی اِس عبارت کو بغور پڑھیں کہ:

عبید اللہ نے اُس روز یہ ارادہ کیا تھا کہ مدینے کے غلام قیدیوں کو بغیر قتل کیئے نہیں چھوڑیں گے مہاجرین اولین جمع ہوئے، انہیں عبید اللہ کا یہ ارادہ سخت گراں گزرا اِن پر سختی کی اور قیدیوں کے قتل سے روک لیا۔

عبید اللہ نے کہا واللہ میں اُن کو اور دوسروں کو ضرور بضرور قتل کروں گا (دوسروں سے مراد بعض مہاجرین تھے)۔

عبد اللہ نے جفیہ و ہرمزان اور دختر ابی لؤلؤہ کو قتل کر دیا تو لوگوں کو اندیشہ ہوا کہ کہیں انہیں سزا نہ دی جائے۔

ابی دجزہ نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ میں نے اُس روز عبید اللہ کو اِس حال میں دیکھا کہ عثمان اور وہ ایک دوسرے کی پیشانی پکڑ رہے تھے عثمان کہتے تھے خدا تجھے غارت کرے تو نے ایسے شخص کو قتل کیا جو نماز پڑھتا تھا تو نے ایک چھوٹی بچی کو اور ایک شخص کو قتل کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پناہ میں تھا۔

جب عبید اللہ بن عمر نے ہرمزان کو اور ابولؤلؤہ کی بیٹی کو قتل کیا تو جنابِ سعد بن ابی وقاص اُس کی پیشانی (یعنی سر کے بال) پکڑ کر کھینچتے

تھے۔

محمود بن لبید سے مروی ہے کہ اُس روز عبید اللہ ایک جنگجو درندے کی شکل میں تھے جو عجمیوں کو تلوار سے روکتے تھے یہاں تک کہ قید کردیئے گئے۔

زہری سے مروی ہے کہ جب جنابِ عثمان خلیفہ بنائے گئے تو مہاجرین وانصار متفق ہو کر انہیں عبید اللہ کے قتل پر جرأت دلاتے تھے مگر جنابِ عمرو بن العاص نے انہیں یہ کہہ کر روک دیا کہ عبید اللہ نے آپ کی خلافت سے پہلے یہ قتل کئے تھے۔ اِس لیے آپ اُن سے درگزر کریں۔

جب حضرت علی بن ابی طالب کی بیعت کی گئی تو انہوں نے عبید اللہ بن عمر کے قتل کا ارادہ کیا تو وہ بھاگ کر معاویہ کے پاس چلے گئے اور اُنہیں کے ساتھ رہے اور پھر جنگِ صفین میں قتل ہوئے۔

طبقاتِ ابن سعد ج۵، ص۳۳

روایات کو انصاف کے کٹہرے میں رکھ کر فیصلہ کرو:

شہادتِ حضرت عمر کے وقت سیدہ امِّ کلثوم بنتِ علی کی عمر مبارکہ تیرہ یا چودہ سال تھی اُن کے ہاں پیدا ہونے والے بیٹے زید اکبر سے چھوٹے زید اصغر سے بھی چھوٹے عبید اللہ ابن عمر ایک خونخوار درندے کی طرح اپنے باپ کے قتل کے بدلہ میں تین قتل کر دیتے ہیں جنابِ عثمان سے زور آزمائی بھی کر رہے ہیں، مہاجرین اولین اور انصار انہیں قتل کرنے کے مشورے دے رہے ہیں اور بالآخر انہیں گرفتار کر کے بند کر دیا جاتا ہے۔

کیا اِس شہزور اور بپھرے ہوئے نوجواں کی عمر ایک یا دو سال ہو سکتی ہے؟

اگر جواب نفی میں ہے تو اُن کی عمر کم از کم بیس سال متعین کرنا ہوگی اور پھر اُن کے بڑے بھائی زید اصغر کی عمر بائیس سال سے کیا کم ہوگی، اب آپ حساب لگائیں کہ زید اصغر اگر اپنے والد کی شہادت کے وقت بائیس سال کے ہوں تو زیدِ اکبر کی عمر کیا ہوگی ؟ یقیناً آپ اُن کی عمر تیئس سال یا چوبیس سال شمار کریں گے اِس سے کم عقل نہیں تسلیم کرتی۔

اگرچہ جنابِ زید اکبر کی عمر ایک مفروضہ کے تحت متعین کی گئی مگر یہ مفروضہ تاریخی حقائق کے قریب تر ہے اور اِن تینوں بھائیوں کی بیان کردہ عمریں دو چار سال زیادہ ہی ہو سکتی ہیں جبکہ کم ہونے کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اب جبکہ زید اکبر کی عمر اپنے والد کی شہادت کے وقت تیئس سال ہے اور اُن کی فرضی ماں سیدہ امِّ کلثوم بنتِ علی المرتضیٰ کی عمر وقتِ شہادتِ حضرت عمر تیرہ یا چودہ سال ہے تو پھر تعجب ہے کہ اُن لوگوں پر ذرا عقل سے کام لے لیتے تو کیا اُن کی توہین ہو جاتی تھی؟

افسوس صد افسوس کیا عزت صرف سیدہ، طیبہ، طاہرہ، معصومہ سیدہ امِّ کلثوم کی ہی اچھالنی ہے اسی سے تمہارا مقصد حل ہوگا افسوس ہے کیا تیرے ایمان کا تقاضا یہ ہے؟

کہاں ہے ارض و سماء کا مالک

یاد رکھو کہ تم آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عزت پر جب بھی حملہ کرو گے کہیں کوئی نہ کوئی اِس پاک سرزمیں پر گردن سامنے رکھ ہی دے گا۔ کہیں کوئی نہ کوئی اُٹھ کر پھر سے کربلا کے میداں میں آجائے گا ایسے تمہاری جاں نہیں بچ سکتی۔ ہاں ایک حل ہے جس سے تمہاری جاں بچ جائے کہ:

بجھا سکو تو دیا بجھا دو دبا سکو تو صدا دبا
دیا بجھے تو سحر ہو گی صدا دبے گی تو حشر ہو گا

یہ حل ہے تمارے لیے ورنہ تیار رہو ہر دور میں حرمتِ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جان قربان کرنے کے لیے مسلماں نکلیں گے۔

تعجب ہے ماں ابھی پیدا بھی نہیں ہوئی اور بیٹا چھت کی منڈیر پر چڑھا بیٹھا ہے اسی صورت میں مصنفین کتب نے جن بچوں کی ماں سیدہ امّ کلثوم بنتِ علی کو بنا رکھا ہے وہ بچے سیدہ امّ کلثوم بنتِ علی کے پیدا ہونے سے پہلے ہی بالغ بھی ہو چکے تھے۔

حقیقت وہی ہے جس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جس طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ساتھ سیدہ امّ کلثوم بنتِ علی کے نکاح کی فرضی داستاں تراشی گئی تھی ویسے ہی تصوّراتی تصویر میں رنگ بھرنے کے لیے فرضی اولاد بھی اُن کے ذمہ لگا دی گئی ہے۔

لاحول ولاقوّۃ الا باللہ العلی العظیم۔

تسلی کے لیے پھر غور کریں:

اِن فرضی روایات میں ایک جملہ یہ بھی ہے کہ جب جنابِ عمر کی شہادت ہوئی تو مولائے کائنات نے اپنی بیٹی امّ کلثوم کا ہاتھ پکڑا اور انہیں اپنے ساتھ اپنے گھر لے گئے

۔

اِس کے ساتھ ساتھ اہلِ تشیع کی کتب میں پیش کی جانے والی ایک اور روایت بھی موجود ہے جس کو نام نہاد مصنفین اہل سنت نے دلیل کے طور پر ہمیشہ کے لیے پیش پیش رکھا اور ایمانِ جاں ثبوتِ حقیت بنا رکھا ہے کہ:

"جب جنابِ عمر کی شہادت واقع ہوگئی تو سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم جنابِ عمر کے گھر گئے اور اپنی بیٹی امّ کلثوم کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے آئے"۔

بظاہر تو یہ بات اتنی حیران کن نہیں مگر چند سوالات ضرور پیدا ہوتے ہیں کہ:

★۔ کیا سیدہ امّ کلثوم کا اپنے شوہر کے گھر عدت گزارنا ضروری نہ تھا؟

★۔ کیا سیدہ امّ کلثوم نے اپنے مہر کے چالیس ہزار درہم کی کثیر رقم اپنے ساتھ لے لی تھی، اِس لیے کہ یہ رقم آپ نے اپنی ذات پر کہیں خرچ نہیں کی بلکہ روایات کے مطابق جنابِ عمر کے گھر میں ہمیشہ غربت وافلاس کی زندگی گزاری یہاں تک کہ جنابِ عمر کے دسترخواں پر روٹی کے ساتھ زیتون کا تیل یا بغیر کٹے نمک کی ڈلی ہوتی تھی ، جبکہ اُن کے سر کا آنچل اتنا مختصر تھا کہ اُس سے چہرہ ڈھانپنا بھی مشکل تھا جیسا کہ روایات میں مذکور ہے کہ انہوں نے جنابِ عمر سے کہا اگر مجھے غیر لوگوں کے سامنے بلوانا ہے تو ایسی چادر لے کر دیں جس میں خود کو چھپا سکوں۔

★۔ کیا جب مولائے کائنات اُن کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ لے گئے تھے اُن کے مفروضہ بچوں کو بھی ساتھ لے لیا تھا؟

★۔ یا انہیں بیت المال میں جمع کروا دیا تھا جبکہ دودھ پیتی بچی اور تین چار سال کے بچے کو ایسے گھر میں کسم پرسی کے عالم میں چھوڑ دینا ممتا کی توہین نہیں ہے؟

★۔ جس کی پرورش کرنے والا نہ دادا ہے اور نہ دادی بلکہ اگر کوئی ہے تو وہ چند سوتیلی مائیں یا چند سوتیلے بھائی بہنیں ہیں۔

★۔ کیا ایسی حالت میں فاتح خیبر بابِ علمِ مدینہ، اخی الرسول، زوج البتول کو علم نہیں تھا کہ یہ گناہ ہے اور پھر انہوں نے کیسے اپنے نواسوں کو ایسی حالت میں چھوڑ کر جانا گوارا کر لیا ہوگا؟ کیا اِس پر اُن کے ضمیر نے اِس بات کی اجازت دے دی؟

ذرا سوچیے:

بہر کیف اِن مفروضہ بچوں کے بارے میں مزید گفتگو کرنے سے پہلے کچھ مصنفین کے حوالہ جات اور حسنِ استدلال کا مشاہدہ ملاحظہ فرمائیں:

قال سلمت اباعبداللہ عن امرأۃ توفی عنہازوجہا این تعتدی فی بیت زوجہا اوحیث شائت قال بلاحیث شائت ثم قال ان علیّا صلواۃ اللہ علیکم لما مات عمر اتی الی امِّ کلثوم فاخذبیدھا فانطلق بھا الی بیتہ"۔

فروعِ کافی ج۲، ص۱۱۳

ترجمہ: (ابوعبداللہ) سیدنا امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے وہ عدت خاوند کے گھر میں گزارے یا جہاں چاہے گزارے؟ فرمایا کہ جہاں اُس کی مرضی ہو پھر فرمایا حضرت علی صلوٰۃ اللہ علیہ نے جنابِ عمر کے فوت ہونے پر اُمِّ کلثوم کا ہاتھ پکڑا اور انہیں اپنے گھر لے آئے۔

اِس پر کچھ مصنفین نے یوں تبصرہ فرمایا کہ:

جب امام جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ بعداز وفاتِ خاوند عورت عدت کہاں گزارے تو انہوں نے امِّ کلثوم کا حوالہ دے کر سمجھایا کہ ضروری نہیں خاوند کے گھر ہی عدت گزارے بلکہ اپنے والدین کے گھر بھی گزار سکتی ہے۔

اِس مفروضہ پر تبصرہ سے بلاتشکیک وترتیب یہ امر واضح ہے کہ نہ صرف فروعِ کافی میں بیان کردہ اہلِ تشیع کی یہ روایت درست ہے بلکہ اُن کا یہ استدلال بھی درست ہے کہ جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے وہ اپنی عدت کا زمانہ شوہر کے گھر کے علاوہ اپنے گھر میں بھی گزار سکتی ہے۔

ان مصنفین کا مقصد صرف روایت بیان کر دینے سے حل ہو چکا تھا مگر اِن روایات سے استدلال قائم کرنا ثابت کرتا ہے کہ یہ جب چاہیں خارجیت کے گڑھے سے چھلانگ لگا کر رافضیت کے گھڑے میں گر سکتے ہیں۔

بہر حال کچھ بھی ہو زیرِ نظر مسئلہ میں خوارج نے روافض کے اِس عقیدہ کو تسلیم کر لیا ہے جس عورت کا شوہر مر جائے اُس کا اپنے مرحوم شوہر کے گھر عدت گزارنا ضروری نہیں حالانکہ از روئے شرع ہرگز اِس کی اجازت نہیں بلکہ احادیثِ مبارکہ میں اِس کی جو صراحت موجود ہے وہ اِس طرح سے ہے کہ:

"قال محمد وبهذا ناخذ لا ينبغي للمرأة ان تنتقل من منزلها الذی طلق فیها زوجها طلاقا بائناً اوغیرہ ومات عنها فیه حتّٰی تنقضی عدتها وهو قول ابی حنيفة والعامة من فقهائنا"۔

(مؤطا امام محمد ج۲، ص۳۰۸۔)

ترجمہ: امام محمد نے کہا کہ ہمارا اِس پر عمل ہے کہ عورت کے لیے جائز نہیں کہ جب تک عدت نہ گزر جائے وہ اپنے گھر سے نہ نکلے جس میں اُس کے خاوند نے اُسے طلاقِ بائن دی ہے یا جس گھر میں وہ فوت ہوا ہے امام ابوحنیفہ اور ہمارے اکثر فقہاء کا قول یہی ہے۔

زینب بنتِ کعب سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے اپنے شوہر کے فوت ہونے پر گھر جانے کی اجازت دینے کے بعد دوبارہ بلا کر فرمایا کہ:

"کیف قلت؟ فردّت علیه القصة ذکرت له فقال! امکثی فی بیتك حتّٰی یبلغ الکتاب اجله قالت فاعتددت فیه اربعة اشهر وعشرا قالت فلما کان امر عثمان ارسل الی فسألنی عن ذالك فاخبرته بذالك فاتبعه وقضیٰ به"۔

مؤطا امام مالك ص ۴۷۳۔ مؤطا امام محمد ص ۳۰۸

تو نے کیا کہا تھا؟ میں نے پورا واقعہ دُہرایا آپ نے فرمایا کہ عدت گزارنے تک تم اپنے گھر میں ہی رہو وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے اِس گھر میں چار ماہ دس دِن گزارے اور کہا کہ جب حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دورِ خلافت آیا تو انہوں نے مجھے بلا کر عدت گزارنے کے متعلق پوچھا تو میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان بتا دیا کہ عورت ایامِ عدت فوت ہونے والے شوہر کے گھر میں گزارے۔

اور مؤطا امام مالک نے اِس سلسلہ میں ایک مکمل باب مقرر فرمایا ہے کہ:

"مقام المتوفی عنہا زوجہا فی بیتہا حتّٰی تحل"۔

عورت کا اُسی گھر میں عدت پوری کرنا ضروری ہے جہاں خاوند فوت ہوا یہاں تک کہ نکاح حلال ہو جائے۔

"عند سعید بن المسیب ان عمر بن الخطاب کان یرد المتوفی عنھن ازواجھن من البیداء یمنعھن الحج"۔

مؤطا امام مالك ص ۴۷۳

ترجمہ: سعید ابن مسیب سے روایت ہے کہ جنابِ عمر بن الخطاب فوت شدگان کی بیویوں کو بیداء سے لوٹا دیتے اور انہیں حج سے روک دیتے۔

"عن نافع عن عبداللہ بن عمر انہ کان یقول لا تبیت المتوفی عنہا زوجہا والمبتوتہ الا فی بیتہا"۔

مؤطاء امام مالك ص ۴۷۳

ترجمہ: نافع بن عبداللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے تو وہ "عدت پوری ہونے تک" اپنے شوہر کے گھر ہی شب بسری کرے۔

اور پھر بخاری شریف میں ایک روایت یوں بھی موجود ہے کہ:

عن مجاھد "والذی یتوفون منکم ویذرون ازواجاً" قال کانت ھٰذہ العدّت تعقد عند اھل زوجھا واجباً۔

بخاری شریف ج۳، ص۱۸۵ مطبوعہ جدید بیروت

ترجمہ: حضرت مجاہد فرمانِ الٰہی "والذین یتوفون" کی تفسیر میں فرماتے ہیں اِس آیت میں وفات کی عدت کا بیان ہے یہ عدت عورت کو خاوند کے گھر والوں کے پاس گزارنی واجب ہے۔

اگر ہم اِس ضمن میں تمام کتابوں کے حوالے جمع کرنا شروع کریں تو اصل مقصد سے دور ہوتے چلے جائیں گے اصل بات یہ ہے کہ جب بھی کوئی فرضی روایت وضع کی جائے گی تو اُس کے ہر جز میں جھول کا ہونا لازمی ہے لہٰذا یہاں بھی کذابیت کی یہ صورت پوری شان سے ظاہر ہے۔

کچھ مصنفین کی چند کتابیں پڑھ لینے کے بعد یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ اِن کو صرف اپنی کتابیں بھرنے کا شوق ہے لیکن یہ نہیں جانتے کہ محسن اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین سے روگردانی کرتے ہوئے آپ کی مقدس ومطہر اولادِ پاک کے ساتھ بے حیائی کی حد تک بے وفائی کرنا اِس جہاں میں بھی نام ونشان تک مٹا دے گی اور جہانِ آخرت میں بھی تباہی اور بربادی کے اندھے کنوؤں میں دھکیل دے گی۔

سبطِ علی کہاں چلے گئے:

اگر خوارج کی اِن فرضی روایات کو تسلیم کیا جائے کہ جنابِ امِّ کلثوم بنت علی المرتضیٰ جنابِ عمر کے وفات کے وقت اُن کی بیوی کی حیثیت سے اُن کے گھر میں موجود تھیں اور اُن کے پاس جنابِ عمر سے پیدا ہونے والے دو فرضی بچے بھی تھے جو گذشتہ صفحات میں بیان کردہ روایات کے مطابق اپنی ماں سے بھی کئی کئی برس زیادہ عمر کے تھے تاہم

اگر اِن بچوں کی عمریں سیدہ امِّ کلثوم کے فرضی نکاح کے وقت کی عمر کے مطابق فرض کر لیں تو اُن کے فرضی بیٹے زید الاکبر کی عمر تین یا چار سال اور فرضی بیٹی رقیہ کی عمر ایک یا دو سال ہی ممکن ہو سکتی ہے اِس سے زیادہ کا تصور ممکن ہی نہیں ۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر جنابِ عمر کی وفات کے بعد مولائے کائنات اپنی بیٹی امِّ کلثوم کا ہاتھ پکڑ کر جنابِ عمر کے گھر سے اپنے گھر لے آئے تھے تو اُن کے دو فرضی بچوں کو کیوں ساتھ نہ لائے جن میں ایک تین چار سالہ ننھا سا بچہ اور ایک دودھ پیتی بچی تھی ۔

کیا سیدۃ النساء العٰلمین کی آغوش میں پرورش پانے والی صاحبزادی جسے خود بھی روایات میں بنتِ رسول اللہ کے نام سے متعارف کروایا گیا ہے اتنی سنگدل ہو سکتی ہے کہ اپنے ننھے منھے معصوم بچوں کو شوہر کے گھر پھینک کر اپنے باپ کے گھر آجائے ۔

☆ ۔ کیا امام المتقین اور بابِ مدینۃ العلم اور دارِ مدینۃ الحکمت سیدنا حیدرِ کرار سے اِس غیر اخلاقی غیر فطری اور غیر مناسب فعل کا ارتکاب ممکن ہے؟ کہ وہ اپنی تیرہ چودہ سالہ معصوم شہزادی کی شیر خوار بچی اور ننھے بچے کو باپ کے بعد ماں کی طرف سے بھی یتیم کر دیں ۔

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح نکاحِ سیدہ امِّ کلثوم کی داستان فرضی ہے اِسی طرح اُن کے ہاں جنابِ عمر کے بچوں کا پیدا ہونا بھی قطعی طور پر فرضی افسانہ ہے ۔

غور فرمائیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان درست ہے کہ جس عورت کا شوہر مر جائے وہ چار ماہ اور دس روز اپنی عدت کا زمانہ اپنے شوہر کے ہاں گزارے تو اِس فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے انحراف کرتے ہوئے شیعہ حضرات کی اِس دلیل سے کس طرح استفادہ کیا جا سکتا ہے کہ عورت شوہر کے فوت ہو جانے کے بعد اپنی عدت گزارنے کے لیے شوہر کے گھر کی پابند نہیں ۔

اِس اظہارِ حقیقت کے بعد ہم اُن خوارج سے پوچھتے ہیں کہ اگر حضرت علی جنابِ عمر کی وفات کے بعد اپنی بیٹی کا ہاتھ پکڑ کے اپنے گھر لے آئے تھے تو انہوں نے اپنے فرضی نواسے اور شیر خوار فرضی نواسی کو کس کے سپرد کیا تھا؟

اگر یہ کہا جائے کہ سیدہ امِّ کلثوم اپنے اِن فرضی بچوں کو اپنے باپ سیدنا علی المرتضیٰ کرَّم اللہ وجہہ الکریم کے گھر لے آئی تھیں تو ثابت کرنا پڑے گا کہ ان کا بچپن کہاں اور کیسے گزرا اور کم از کم اِن کی زندگی کا کوئی ایک واقعہ ضرور بتانا پڑے گا۔

اگر مولائے کائنات کے گھر میں اُن کے موجود ہونے کا کوئی سراغ میسر نہیں آتا تو پھر حضرت جعفر کے بیٹوں کے گھروں میں ہی اِن کا وجود ثابت کر دیں جن کے ساتھ سیدہ امِّ کلثوم کا یکے بعد دیگرے نکاح ہوا جس نکاح کو خوارج بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت عمر کے فوت ہونے کے بعد سیدہ امِّ کلثوم کا نکاح حضرت عون بن جعفر سے اور حضرت عون کے فوت ہو جانے کے بعد حضرت محمد بن جعفر کے ساتھ اور پھر اُن کے فوت ہو جانے کے بعد حضرت عبداللہ بن جعفر کے ساتھ ہوا اور انہیں کی زوجیت میں وصال فرمایا۔

اگر ایک عورت بیوہ ہو جائے تو دوسرے مرد سے نکاح عدت گزارنے کے بعد کرے گی معلوم ہوا من وجہ عدت میں وہ نکاح میں ہی ہوتی ہے عدت گزارنے کے بعد دوسرے مرد سے نکاح حلال ہے دوسرا نکاح کرنے کے بعد پہلے خاوند کے نکاح میں نہیں رہتی دوسرا نکاح کر لینے کے بعد پہلے مرد کی منکوحہ کہنا شرعاً حلال نہیں۔ جبکہ اول سے آخر تک جتنے بھی مؤرخین ہیں انہوں نے سیدہ ام کلثوم کو زوجہ عمر کہا ہے جو کہ شرعاً بھی حلال نہیں بایں وجہ کہ سیدہ ام کلثوم کا نکاح یکے بعد دیگرے تین مردوں سے نکاح ہوا ہے۔ سیدہ ام کلثوم نے حضرت عبداللہ بن جعفر کے نکاح میں ہیں وصال فرما گئی تھیں۔

خوارج کی وضع کردہ روایات کے مطابق جناب حضرت عمر کی شہادت ۲۳ھ میں اور جنابِ سیدہ امّ کلثوم کا وصال مع اُن کے بیٹے زید الاکبر کے ایک ہی روز سن ۵۱ ہجری یا ۵۴ ہجری میں ہوا اِس حساب سے جنابِ زید الاکبر کی عمر بتیس یا چھتیس سال بنتی ہے۔ اِس لیے کہ اِن کی فرضی والدہ سیدہ امّ کلثوم بنتِ علی کی فرضی شادی سات یا آٹھ سال کی عمر میں ۱۷ھ میں جنابِ حضرت عمر سے ہوئی تھی اور زید الاکبر اگر اُن کے ہاں اُن کی نو دس سال کی عمر میں پیدا ہوئے ہوں تو حضرت عمر کی وفات کے وقت ۲۳ھ میں اُن کی عمر تین یا چار سال ہی ہو سکتی ہے۔

اب دو ہی صورتیں ہیں تو حضرت زید اور اُن کی چھوٹی ہمشیرہ رقیہ اور دو سال کی عمر میں جنابِ عمر کے گھر میں اپنے سوتیلے بہن بھائیوں اور سوتیلی ماؤں کی کفالت میں رہ گئے تھے یا پھر یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ وہ اپنی فرضی ماں سیدہ امّ کلثوم کے ساتھ پہلے اپنے نانا حضرت علی کے گھر میں رہے اور پھر جب ان کی ماں نے یکے بعد دیگرے حضرت جعفر کے بیٹوں سے نکاح کیا تو وہ اپنے اِن سوتیلے باپوں کے زیرِ کفالت رہے۔

یہاں ایک اور وضاحت بھی کرتے چلیں کہ اگر سیدہ امّ کلثوم نے اپنے فرضی شوہر جنابِ عمر کی شہادت کے بعد فرضی عدت کے ایام اُن کے گھر میں بھی گزارے ہوں تب بھی صورت یہی رہتی ہے کہ زید الاکبر اور رقیہ دونوں بہن بھائی کس کی کفالت میں اور کہاں پروان چڑھے۔

رشتہ داریاں کیسے اور کہاں کہاں ہوئیں:

گذشتہ اوراق میں ہم یہ روایات بیان کر چکے ہیں کہ جنابِ رقیہ بنتِ امّ کلثوم بنتِ علی کی شادی جنابِ حضرت عمر نے امّ کلثوم بنت علی کی بھی پیدائش سے قبل اپنے قبیلے

کے ایک شخص ابراہیم بن نعیم النخام عدوی سے کردی تھی اور وہ اپنے والد گرامی کی خلافت کے زمانہ میں ہی بیس برس کی عمر میں بغیر اولاد کے یا ایک بچی کو جنم دینے کے بعد وفات پا گئی تھیں۔ مگر اُن کے بھائی زید الاکبر کی شادی کہاں ہوئی ماہرین انساب اِس میں خاموش ہیں چاہیئے تو یہ تھا کہ اُن کے شادی بھی سیدہ امؓ کلثوم بنتِ علی کی ولادت سے قبل ہی کہیں کروادی ہوتی تو بہتر تھا مگر شاید اُن کی شادی کے اخراجات اِس لیے برداشت نہیں کیئے کہ انہوں نے تیس پینتیس سال کی عمر میں اپنی ماں کے ساتھ ہیفوت ہو جانا تھا۔

باب نمبر 4

حصہ اول

باب نمبر 4 کے حصہ اول میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد کے بارے میں مختصراً ذکر کیا گیا ہے جبکہ جنابِ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جس اولاد کو سیدہ امِّ کلثوم بنت فاطمہ سلام اللہ علیہما کے طرف منسوب کیا گیا ہے اُس کی مکمل وضاحت موجود ہے۔

لوذرا سنو داستانِ حقیقت جس کو ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی:

البدایہ والنہایہ میں ہے کہ:

وہ امِّ کلثوم بنتِ جرول ہے جس سے آپ کے ہاں عبیداللہ اور زید الاصغر پیدا ہوئے اور آپ نے اُسے مصالحت سے طلاق دے دی تھی۔

البدایہ والنہایہ ج۸، ص۲۸۰

اور پھر تاریخِ طبری میں یوں موجود ہے کہ:

زید اصغر اور عبیداللہ جو جنگِ صفین میں جنابِ معاویہ کی طرف سے مقتول ہوئے تھے اِن کی والدہ امِّ کلثوم بنتِ جرول خزاعی تھیں۔

تاریخ طبری ج۳، ص۲۴۸

صاحبِ البدایہ والنہایہ نے یوں حقیقت کو بیان کیا ہے کہ جنابِ عمر کے نو بیٹے تھے جن کے نام یہ ہیں:

زید اکبر، زید اصغر، عاصم، عبداللہ، عبدالرحمن اکبر، عبدالرحمن اوسط، عبدالرحمن اصغر، عبیداللہ، عیاض۔

البدایہ والنہایہ ج۸، ص۲۸۱

التنبیہ والاشراف میں یوں لکھا ہوا ہے کہ جنابِ عمر کے نو لڑکے ہیں۔

التنبیہ والاشراف مسعودی ص۱۳۵

۱۔ عبداللہ بن عمر جن کی کنیت ابا عبدالرحمن ہے انہوں نے اپنے باپ کے ساتھ مکہ معظمہ میں اسلام قبول کیا۔

۲۔ عبیداللہ بن عمر بن الخطاب یہ شدید گرفت کرنے والے تھے جب حضرت عمر شہید کیے گئے تو عبیداللہ نے اُن کے قاتل ابولؤلؤہ کی بیٹی، ہرمزان اور ایک عجمی شخص جفینہ کو قتل کر دیا اور وہ کہتے تھے کہ میں مدینہ منورہ میں

ہر عجمی کو قتل کر دوں گا، پھر جب مولائے کائنات نے اپنے دورِ خلافت میں "عبید اللہ" کو قصاص میں قتل کرنا چاہا تو وہ جنابِ معاویہ کے پاس بھاگ گئے اور جنگِ صفین میں جنابِ معاویہ کی طرف سے لڑتے ہوئے قتل ہوئے۔

۳۔ عاصم بن عمر بن خطاب. بہت نیک آدمی تھے ۷۰ھ میں فوت ہوئے۔

۴۔ ابوشحمہ "عبد الرحمن" بن عمر بن خطاب، اِن پر جنابِ عمر نے حد قائم کی تھی۔ جس سے ضربوں کی تاب نہ لاتے ہوئے مارے گئے اِن کے پیچھے کوئی اولاد نہیں تھی۔

۵۔ زید بن عمر بن خطاب یہ. بنی عویج اور بنی ازاح کے درمیان ہونے والی لڑائی میں پتھر لگنے سے فوت ہوئے اِن کی بھی کوئی اولاد نہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اور اُن کی والدہ اُمِّ کلثوم بنت جرول ایک ہی ساعت میں فوت ہوئے تھے۔

۶۔ مجبر بن عمر بن خطاب "عبد الرحمن اوسط" اِن کی اولاد تھی پھر وہ اولاد ختم ہوگئی اور اُن کے پیچھے کوئی نہیں۔

المعارف ابن قتیبہ ص۷۰

غیر جانبدار تجزیہ:

جنابِ حضرت عمر کے صاجزادوں کی تعداد کے بارے میں اور بھی بہت سی روایات پیش کی جا سکتی ہیں مگر ہمارا مقصد صرف زید الاکبر اور زید الاصغر کی عمر کے بارے میں معلوم کرنا ہے جس کے لیے یہ ساری بحث کی جا رہی ہے۔

جنابِ ابن قتیبہ کے برعکس تمام مؤرخین کا اِس پر اتفاق ہے کہ جنابِ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاجزادوں کی تعداد نو ہے، تاہم ہم نے یہ روایت اِس لیے درج

کر دی ہے کہ ابن قتیبہ کی تحقیق بھی قارئین کے سامنے آجائے۔

آمدم برسرِ مطلب مؤرخین ومحدثین کا اِس امر پر اجماع ہے کہ جنابِ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی امِّ کلثوم بنتِ جرول کو طلاق دے دی تھی کیونکہ جب مشرکین سے مناکحت نہ کرنے کے بارے میں آیاتِ قرآنیہ نازل ہوئیں تو جنابِ عمر نے اپنی مذکورہ بیوی کا اسلام قبول کرلینے پر رضامند کرنا چاہا مگر اُس نے اِسلام قبول کرنے سے انکار کردیا بالآخر سن ۶ ھ میں جنابِ حضرت عمر نے اُسے طلاق دے دی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اِس امر میں بھی مؤرخین کا اتفاق ہے کہ امِّ کلثوم بنتِ جرول سے جنابِ عمر کے دو صاحبزادے زید الاصغر اور عبیداللہ تھے اور یہ دونوں حضرات جنگِ صفین میں جنابِ معاویہ کی طرف تھے اور دونوں ہی جنابِ مولائے کائنات کے لشکر سے جنگ کرتے ہوئے قتل کر دیئے گئے تھے۔

اب سیدہ امِّ کلثوم بنتِ علی کے فرضی صاحبزادے زید الاکبر کی عمر کا ٹھیک ٹھیک حساب لگانا نہایت آسان ہوگیا ہے کہ جنابِ عمر نے اپنی جس بیوی کو ۶ ھ میں طلاق دی اُس کے دونوں لڑکے زید الاصغر اور عبیداللہ یقیناً سن ۶ ھ سے پہلے اِس عالم رنگ و بو میں تشریف لائے، چونکہ جنابِ عمر کی اِس خاتون سے شادی مکہ معظمہ میں ہوئی تھی اِس لیے اِن کی پیدائش ہجرت سے پہلے بھی ممکن ہے تاہم اگر ہجرت کے بعد بھی تسلیم کرلیں تو جب بھی اپنی ماں کے مطلقہ ہونے سے پہلے ایک کی عمر تین یا چار سال اور دوسرے کی عمر ایک یا دو سال سے کم کیا ہوگی، اب عبیداللہ بن عمر کے بڑے بھائی جناب زید الاصغر اگر سن ۲ ھ میں پیدا ہوئے ہوں تو لازم ہے کہ زید الاکبر اُن سے کم از کم ایک سال بڑے ہونے کی صورت میں ہجرت کے پہلے سال دنیا میں تشریف لائے ہوں۔

اِس تجزیہ کے مطابق جناب زید الاکبر اپنی فرضی والدہ جنابِ امِّ کلثوم بنتِ علی سے

تقریباً نو سال پہلے پیدا ہو جاتے ہیں۔

قارئین کو یہ یقین دلانے کے لیے کہ امِّ کلثوم بنتِ جرول کو جنابِ عمر نے سن ۶ یا ۷ھ میں ہی طلاق دی تھی ایک حوالہ پیشِ خدمت ہے کہ:

جنابِ عمر نے دوسرا نکاح عہدِ جاہلیت میں ہی (ملیکہ) امِّ کلثوم بنتِ جرول خزاعی سے کیا جس سے عبیداللہ پیدا ہوئے چونکہ یہ بیوی ایمان نہیں لائی اِس لیے اِس کو سن ۷ھ میں طلاق دے دی۔

تاریخ اسلام اکبر نجیب آبادی ج۱، ص۳۶۶

جنابِ اکبر شاہ نجیب آبادی نے عبیداللہ کے بھائی زید الاصغر کا ذکر کیوں نہیں کیا اِس کا جواب خوارج ہی دے سکتے ہیں۔ تاہم انہوں نے اِس عبارت میں ملحقہ عبارات سے یہ فسانہ کھولا ہے جس کو عقل کے ترازو پر تولنے کی اشد ضرورت ہے کہ:

> جنابِ عمر نے چھٹا نکاح ۷ھ میں امِّ کلثوم بنتِ علی ابن ابی طالب سے چالیس ہزار پر کیا اِن کے بطن سے رقیہ اور زید پیدا ہوئے۔

تاریخ اسلام اکبر نجیب آبادی ج۱، ص۳۶۶

ہوسکتا ہے کہ جنابِ اکبر شاہ صاحب نے یہ نکاح سترہ ہجری میں لکھا ہو اور کاتب نے سات ہجری لکھ دیا ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ علامہ شبلی نعمانی کی تحقیق سے آگے نکل جانے کے لیے سات ہجری ہی لکھ دیا ہو کیونکہ اُن کے نزدیک سیدہ امِّ کلثوم بنتِ علی حضرت عمر کی زوجیت میں پورے دس برس رہی ہیں۔ اِس طرح یہ نکاح ۱۳ھ میں بنتا ہے اِس حساب کی ضرب اور تقسیم بھی قارئین خود ہی کر لیں کیونکہ سات ہجری میں سیدہ امِّ کلثوم بنتِ علی کی ولادت باسعادت بھی نہیں ہوئی تھی اور ۱۳ھ میں آپ کی عمر مبارک تین چار سال تھی۔

بہر کیف مؤرخین کی اِن بھول بھلیّوں کو اُن کے کھاتہ میں ڈال کر جنابِ امِّ کلثوم

بنتِ علی کے فرضی بیٹے زیدِ اکبر کا ٹھکانہ تلاش کرنا چاہیے۔

زیدِ اکبر کہاں؟:

قارئین یہ تو جان ہی چکے ہیں کہ زید اصغر ابن عمر اور عبید اللہ ابن عمر جنگِ صفین میں جنابِ معاویہ کے لشکر میں تھے اور اِسی جنگ میں جنابِ مولائے کائنات سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے لشکر کے ہاتھوں قتل ہوئے، لیکن کسی مؤرخ نے یہ نہیں بتایا کہ زید اکبر جو زیدِ اصغر سے یقیناً بڑے تھے وہ اپنے فرضی نانا جان جنابِ مولائے کائنات کے لشکر میں تھے یا نہیں؟

اصولی طور پر انہیں اپنے نانا مولائے کائنات سیدنا علی المرتضیٰ کرّم اللہ وجہہ الکریم کے لشکر میں ہونا چاہیئے تھا مگر کتبِ تواریخ وسیر کی بار بار ورق گردانی کے باوجود اِس امر کی نشان دہی نہیں ہوسکی کہ وہ جنابِ مولائے کائنات کے لشکر میں تھے بلکہ اُن کی پوری زندگی کا صرف ایک ہی واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ:

اُن کی وفات سن ۵۱ ہجری میں پتھر لگنے سے ہوئی اور اُسی روز اُن کی فرضی والدہ امّ کلثوم بنتِ علی کا انتقال ہوگیا اور دونوں کا جنازہ بیک وقت اُٹھایا گیا اور ایک ہی وقت میں نمازِ جنازہ پڑھی گئی۔

عجیب بات یہ بھی ہے مولائے کائنات کے فرضی نواسے اور سیدہ امّ کلثوم بنتِ علی کے فرضی بیٹے جنابِ زید بن عمر بھی ماشاء اللہ اپنی فرضی والدہ کو مسرّتوں سے ہمکنار کرنے کے لیے جنابِ معاویہ کی صحبت میں رہ کر خیر و برکت حاصل کیا کرتے تھے۔

دلیل کے طور پر ملاحظہ فرمائیں کہ:

"قال جویریة بن سماء نال بسر ابن ارطاة علی ابن ابی طالب عند معاویة وزید بن عمر بن الخطاب جالس وعلی بسر ضرب حتّٰی شجة

وقال معاوية يازيد عمت الى شيخ من قريش سيد اهل الشام ، فضربته ، واقبل على بسر وقال تشتم على وهو جده وابوه الفاروق على رؤس الناس افكنت تراه يصبر على شتم على وكانت امّ زيد امِ كلثوم بنت على ابن ابى طالب"۔

عقد الفرید ج۵، ص۱۰۷

ترجمہ: یزید بن اسماء سے روایت ہے کہ معاویہ کی مجلس میں بسرا بن ارطاۃ نے حضرت علی کو گالی دی وہاں زید بن عمر بن خطاب بھی بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے بُسر کا سر پھاڑ دیا۔
معاویہ نے زید کو کہا تم نے ایسے بوڑھے کو مارا ہے جو قریش میں سے ہے اہلِ شام کا سردار ہے اور بُسر کو مخاطب کر کے کہا تو علی کو گالی دیتا ہے جبکہ وہ اِس کے نانا ہیں اور اِس کے باپ جناب عمر لوگوں کے سروں پر مسلط تھے کیا تو اِس سے یہ توقع رکھتا تھا کہ یہ علی کو گالی دینے پر صبر کر لے گا اور زید کی ماں امِّ کلثوم بنتِ علی تھیں۔

صاحب عقد الفرید علامہ ابن عبد ربہ بڑے رنگین طبع مصنف بلکہ مؤرخ ہیں ایک اور مقام پر حوالے کے طور پر یوں بھی لکھ چکے ہیں کہ:

فولدت له امِّ کلثوم زيد بن عمر ورقية بنت "هو الذى لطم سمرة بن جندب عند معاوية اذ تنقص عليًّا"۔

عقد الفرید ج۷، ص۸۸

یعنی امِّ کلثوم نے جنابِ عمر کے دو بچوں کو جنم دیا ہے جن کے نام زید بن عمر اور رقیہ بنت عمر ہیں اور یہ وہ زید ہے جس نے سمرہ بن جندب کو اُس وقت تھپڑ مار دیا تھا جب اُس نے جنابِ مولائے کائنات کی تنقیص کی تھی۔

اگر یہ سچ ہے تو؟

عقد الفرید میں بیان کردہ اِن دونوں حوالوں سے اِس امر کی نشاندہی ہوتی ہے کہ سیدہ امِّ کلثوم بنتِ علی کا بیٹا زید بن عمرو یسے تو معاویہ کے مصاحبوں میں تھا مگر جب معاویہ کے ہمنشیں مولائے کائنات سیدنا علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو گالیاں دیتے تو اُس کی غیرت ایک دم جاگ اُٹھتی اور پھر وہ کسی کا سر پھاڑ دیتا اور کسی کو تھپڑ مار دیتا، سبحان اللہ کیسا مؤدب اور غیرت مند نواسہ ہے کہ اُس مجلس کا رکن رکین بھی تھا جس میں اُس کے نانا کو گالیاں دی جاتی تھیں اور گالیاں دینے والوں کی پٹائی بھی کرتا رہتا تھا۔

اِن روایات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ زید بن امِّ کلثوم اپنے باپ کی شہادت کے بعد نہ تو اپنے نانا کے گھر گئے اور نہ ہی اپنے سوتیلے باپوں کے پاس رہے جن سے اُن کی والدہ نے یکے بعد دیگرے شادی کی بلکہ وہ شروع ہی سے اپنے دوسرے بھائیوں عبیداللہ اور زید الاصغر کے ساتھ معاویہ کے پاس چلے گئے اور انہی کے زیرِ عاطفت زندگی بسر فرمائی یہاں تک کہ جنگِ صفین میں اپنے نانا کے لشکر کے ہاتھوں دونوں سوتیلے بھائیوں کو قتل کروالینے کے باوجود بھی آخر تک جنابِ معاویہ کی سرکار اور دربار سے وابستہ رہے جہاں اپنے نانا مولائے کائنات کو گالیاں دینے والوں کی سرکوبی کیا کرتے تھے اور جنابِ معاویہ پھر بھی انہیں اِس لیے سینے سے لگائے رکھتے تھے۔

بہرکیف : اِن روایات کو سچ مان لینے سے صرف یہی صورت سامنے آتی ہے کہ جنابِ زید بن امِّ کلثوم بنتِ علی تمام عمر جنابِ معاویہ کے درباری رہے اور جس دن فوت ہونا تھا اُس دِن اپنی بیمار والدہ کے پاس آگئے تا کہ دونوں ماں بیٹا ایک ہی وقت میں فوت ہو کر اِس جہاں میں ہمیشہ ایک دوسرے سے جدا جدا رہنے کا اِزالہ

کرلیں، چنانچہ ماں بیٹے کی دنیوی زندگی کی عارضی جدائی آخرت کے دائمی ملاپ کا سبب بن گئی۔

"لا حول ولا قوۃ الا باللہ"۔

سوال کریں عقل سے کہ حقیقت کیا ہے:

قارئین کرام حقیقت یہ ہے کہ مؤرخین کے سامنے جب یہ وضعی اور واہی روایت آئی کہ جنابِ عمر نے سیدہ امّ کلثوم بنت علی سے نکاح کیا تھا اور اُن سے اُن کے دو بچے زید اور رقیہ پیدا ہوئے تھے تو جہاں بھی جنابِ عمر کی امّ کلثوم نامی کسی دوسری بیوی کا ذکر آیا انہوں نے پورے اہتمام کے ساتھ "بنتِ علی" کے الفاظ کا اضافہ کر دیا اور جہاں زید بن عمر کا ذکر آیا وہاں ابن امّ کلثوم بنت علی کا جملہ بڑھا دیا حالانکہ یہ روایات اتنی ناپختہ اور جھوٹی ہیں کہ اِن سے بڑھ کر جھوٹ کا تصوّر ہی موجود نہیں۔

اِس سے پہلے کہ ہم سیدہ امّ کلثوم کی فرضی اولاد کے بارے میں گفتگو ختم کریں یہ بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ بُسر بن ارطاۃ جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ زید نے اُس کا سر پھاڑ دیا تھا باوجود عمر رسیدہ ہونے کے انتہائی خونخوار اور خوفناک آدمی تھا، اول تو وہ اپنا سر پھاڑنے والے کو خود ہی چیر پھاڑ ڈالتا اور اگر وہ خود ایسا نہ کرتا تو جنابِ معاویہ ایسے شخص کو ایک لمحہ کے لیے بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے جو اُن کے انتہائی خاص آدمی اور اُن کے دربار کی زینت بُسر بن ارطاۃ کی معمولی سی توہین کا بھی مرتکب ہوتا۔

علاوہ ازیں اِس بات کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ سیدہ امّ کلثوم بنتِ علی کا بیٹا ایسی مجلس میں ایک لمحہ کے لیے بھی بیٹھنا گوارا کرتا جس میں سیدہ کے باپ کو گالیاں دی جاتی ہوں، اور پھر اِس سے بھی اہم امر یہ ہے کہ اگر اُسے سچ مچ سیدہ امّ کلثوم کا بیٹا مان

لیا جائے تو اُس کی عمر ۳۵ھ میں زیادہ سے زیادہ پندرہ سال بنتی ہے اِس عمر کا نوخیز بچہ معاویہ کے بڑے اور پہلوان جو عمر رسیدہ بھی ہیں کا سر پھاڑنے اور سمرہ بن جندب جیسے صحابی کو تھپڑ مارنے کی جرأت کیسے کرسکتا تھا۔

اگرچہ ہم سابقہ اوراق میں جنابِ معاویہ کے تذکرہ میں بُسر بن ارطاۃ کا ذکر کرچکے ہیں کہ وہ کیسا آدمی تھا تاہم یہاں کم ازکم ایک حوالہ پیش کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے تا کہ قارئین اندازہ کرسکیں کہ کیا جنابِ معاویہ کا کوئی درباری ایسے شخص کا سر پھاڑ سکتا ہے۔

بُسر بن ارطاۃ کا تعارف:

بُسر بن ارطاۃ من جملہ اُن لوگوں سے ہیں جنہیں حضرت عمر بن خطاب نے عمرو بن عاص کی مدد کے لیے فتح مصر کے وقت بھیجا تھا۔

بُسر جنگِ صفین میں جنابِ معاویہ کی طرف تھے مولائے کائنات اور اُن کے اصحاب کے لیے سخت تھے یحییٰ بن معین کہتے تھے کہ بُسر صحابی نہیں ہیں اور کہتے تھے کہ وہ بُرا آدمی تھا اِس لیے کہ اسلام میں اُس سے بہت سے ناشائستہ کام ہوئے منجملہ اس کے جو مؤرخین ومحدثین نے نقل کیا ہے یہ کہ اِس نے جنابِ عبید اللہ بن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہم کے دو کمسن بیٹوں کو اُس کی ماں کے سامنے ذبح کردیا تھا۔

معاویہ نے انہیں حجاز و یمن میں بھیجا تا کہ شیعانِ علی کو قتل کریں اور اُن کے یعنی معاویہ کے لیے لوگوں سے بیعت لیں چنانچہ یہ مدینہ منورہ میں آئے اور وہاں بہت بُرے بُرے کام کیئے اور یمن چلے گئے یمن میں اُس وقت عبید اللہ بن عباس جنابِ مولائے کائنات علی ابن ابی طالب کی طرف سے حاکم تھے عبید اللہ وہاں سے بھاگ گئے تو اِس نے اُن کے دو کمسن بیٹوں کو ذبح کردیا۔

اُسد الغابہ ج ۱، ص ۲۴۹

بعض نے کہا ہے کہ اُس نے یہ فعل مدینہ منورہ میں کیا تھا مگر پہلا قول زیادہ مشہور اور معتبر ہے۔

ابوعمر نے کہا دارِ قطنی میں لکھا ہے کہ بُسر بن ارطاۃ صحابی تو ہیں مگر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مستقیم نہیں رہے، بُسر جب مدینہ منورہ میں گیا تو لوگ وہاں سے بھاگ گئے جن میں جنابِ جابر بن عبداللہ اور ابوایوب انصاری وغیرہ (رضی اللہ عنہم) تھے بسر نے مدینہ منورہ میں بہت سے لوگوں کو قتل کیا اور یمن میں قبیلۂ ہمدان پر بھی تاخت کی اور اُن کی خواتین کو لونڈیاں بنالیا یہ سب سے پہلی مسلمان عورتیں تھیں جنہیں اسلام میں لونڈیاں بنایا گیا بُسر نے مدینہ میں بہت سے گھر بھی گرادیئے تھے۔

اُسد الغابہ ج۱، ص۲۴۹

بُسر بن ارطاۃ کے اِس تعارف کے ساتھ سیدہ امِّ کلثوم بنت علی کی فرضی اولاد کی بحث کو اِس یقین کے ساتھ ختم کیا جاتا ہے کہ قارئین پر اصل حقیقت آفتابِ نصف النہار کی طرح پورے طور پر واضح ہو چکی ہوگی اور اگر اب بھی کوئی شخص نکاحِ امِّ کلثوم کی روایات کو وضعی سمجھنے میں مضطرب ہو تو اُس کے لیے آئندہ اوراق میں اِن روایات کے راویوں کا تعارف پیش کیا جارہا ہے تاکہ آئندہ کسی کو بھی یہ فرضی واقعہ حقیقت کے روپ میں پیش کرنے کی جرأت نہ ہوسکے۔

باب نمبر 4

حصہ دوم

باب نمبر 4 کے حصہ دوم میں نکاحِ امّ کلثوم کا تاریخی پس منظر بیان کیا جائے گا پھر اِس کے بعد راویان کا تعارف بیان کیا جائے گا تا کہ معاملہ سمجھنے میں آسانی ہو جس سے حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے۔

نکاحِ امِّ کلثوم کی روایت کا تاریخی پسِ منظر:

اِس پر گفتگو کرتے ہوئے محدثِ ہزاروی علیہ الرحمہ نے اپنی تحقیق کے مطابق جنابِ عمر کے ساتھ نکاحِ امِّ کلثوم کے ضمن میں آنے والی روایات کو سنّیوں کی روایات ماننے سے انکار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ شیعوں کی وضع کردہ من گھڑت روایات ہیں۔

حالانکہ انہوں نے جو فرمایا وہ حقیقت ہی ہے بلکہ خارجیوں نے نادانستہ طور پر بھی خود ہی وہ تمام مواد جمع کر رکھا ہے جس سے واضح طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ روایتیں فی الحقیقت اہلسنت کی نہیں تھی مگر بعض وجوہ کی بنا پر ضرورتاً سنیوں نے بھی انہیں اپنا لیا ہے۔

بہر کیف خارجیوں نے اہل تشیع کی کتب سے جنابِ عمر کے ساتھ نکاحِ امِّ کلثوم کے ضمن جو روایات پیش کی ہیں اُن کے اور راویوں کے حوالہ جات کا اجمالی خاکہ یہ ہے کہ:

- ★۔ عمدۃ المطالب اور ناسخ التواریخ سے دیا گیا، مگر راویوں کا ذکر نہیں۔
- ★۔ منتہٰی الامال کا حوالہ بھی موجود ہے مگر راویوں کا ذکر موجود نہیں۔
- ★۔ الاستبصار کا حوالہ بھی موجود ہے لیکن راویوں کا ذکر نہیں کیا گیا۔
- ★۔ مجالس المؤمنین کا حوالہ ہے اُس میں راویوں کا ذکر موجود نہیں۔
- ★۔ مجالس المؤمنین اور مناقبِ ابن شہر آشوب میں بھی راویوں کے ذکر موجود نہیں۔
- ★۔ فروعِ کافی میں اِس روایت کے راوی بیان کیئے گئے ہیں جن کے نام یہ ہیں سلیمان بن خالد، امام جعفر صادق۔
- ★۔ طراز المذہب مظفری میں روایت نقل کی گئی ہے جبکہ راوی کا پتہ نہیں۔
- ★۔ نہج البلاغہ شرح ابن ابی حدید میں بھی نقل ہے مگر راویوں کا علم نہیں۔

★۔ مسالک الافہام میں یہ روایات موجود ہیں مگر راویوں کا ذکر نہیں۔
★۔ کتاب الشافی میں بھی نقل کی گئی ہیں مگر راویوں کا کوئی ذکر نہیں۔
★۔ شرح ابن ابی حدید اور ناسخ التواریخ میں بھی موجود ہیں مگر راویوں کا علم نہیں۔
★۔ منتخب التواریخ میں بھی روایت موجود ہے مگر راویوں کا ذکر موجود نہیں۔
★۔ ناسخ التواریخ میں بھی موجود ہے مگر راویوں کے ذکر کے بغیر۔
★۔ عمدۃ المطالب میں بھی موجود ہے لیکن راویوں کا ذکر نہیں۔
★۔ صاحبِ قربُ الاسناد میں بھی موجود ہے لیکن اس میں راویوں کا تذکرہ موجود ہے جبکہ راویوں کے نام درج ذیل ہیں کہ:

عبداللہ، محمد، موسیٰ، امام جعفر صادق، امام محمد باقر علیہما السلام عن ابیہ عن جدّہ

★۔ اعلام الوریٰ میں بھی موجود ہے راویوں کے ذکر کے بغیر۔
★۔ صافی شرح اصولِ کافی میں موجود ہے لیکن راویوں کے ذکر کے بغیر۔
★۔ تہذیب المتین میں بھی موجودہ ہے مگر راویوں کا ذکر نہیں۔
★۔ تاریخِ یعقوبی میں موجود ہے لیکن راویوں کا ذکر موجود نہیں۔
★۔ تہذیب الاحکام میں ایک روایت موجود ہے اُس کے راوی یہ ہیں:

جعفر بن محمد قمی، قداح، امام جعفر صادق، امام محمد باقر علیہما السلام

★۔ مناقبِ آلِ ابی طالب میں بھی راویوں کا ذکر نہیں کیا گیا۔
★۔ فروعِ کافی میں یہ روایت موجود ہے اُس میں راوی مذکور ہیں:

حمید بن زیاد، ابی سماعہ، محمد بن زیاد، عبداللہ بن سنان، معاویہ بن عمار، امام جعفر صادق علیہ السلام۔

★۔ فروعِ کافی میں ایک اور روایت بھی موجود ہے جس کے راوی درج ہیں:

محمد بن یحیٰ، احمد بن محمد بن عیسیٰ، حسین بن سعید، نضر بن سوید، ہشام بن سالم بن سلیمان خالد، امام جعفر صادق علیہ السلام۔

★۔ پھر ایک روایت کے اسناد یہ ہیں:

عبداللہ، محمد، موسیٰ، امام جعفر صادق علیہ السلام (عن ابیہ وعن جدہ علیا)

یعنی چھٹی بائیسویں اور تیئسویں تین روایتوں سیدنا امام جعفر صادق علیہ السلام پر منتہٰی ہوتی ہیں، بیسویں حوالے کی چوتھی روایت سیدنا امام باقر علیہ السلام پر منتہٰی ہوتی ہے اور پھر پندرہ نمبر کی پانچویں روایت امام جعفر صادق نے اپنے والدِ گرامی امام محمد باقر علیہ السلام سے اور اپنے جدّ امجد سیدنا امام علی زین العابدین سے بیان کی ہے۔

نسبِ رسول ج۲، ص۳۰۸

چونکہ شیعہ حضرات کے سلسلۂ رواۃ کے مطابق سیدنا امام جعفر صادق علیہ السلام کی روایات اپنے والدِ گرامی سیدنا امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہوتی ہیں اور یہ امر خارجیوں سے تو ہرگز مخفی نہیں، اگر ہم چاہیں تو نمونہ کے طور پر کتبِ شیعہ سے سینکڑوں روایات اِس سلسلہ میں نقل کرسکتے ہیں لیکن ہم نہ تو اپنے مضمون کو بوجھل کرنا پسند کرتے ہیں اور نہ ہی اپنے مقصد سے دور ہونا چاہتے ہیں لہٰذا یہی باور کروایا جارہا ہے کہ اہلِ تشیع کی الاماشاء اللہ تمام روایات سیدنا امام جعفر صادق کے حوالہ سے سیدنا امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہوتی ہیں اور اُن کو بہرصورت ہر روایت کا سلسلہ انہی دو مقدس ہستیوں تک پہنچانا ہوتا ہے خواہ وہ روایات درست ہوں یا کسی خوش ذوق اہلِ علم کی ذہنی کاوش کا نتیجہ ہوں۔

اہلسنت کی مختلف کتابوں میں سیدہ امِّ کلثوم کے نکاح پر من گھڑت دلیلیں نقل ہیں حیران ہوں کہ اتنا ظلم کیوں ہوتا جارہا ہے آئے دن اِس ظلم میں اضافہ ہی ہوتا چلا جارہا ہے۔ دیکھئے صاحبِ تاریخِ طبری نے المدائنی کے حوالہ سے بے سند روایت کو بیان کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ صاحبِ الاصابہ نے مختلف روایتوں سے نقل کیا جن کے

نام درج ذیل ہیں کہ:

ابن وہب، عبدالرحمن بن زید اسلم، عن ابیہ وعن جدہ۔

پھر امِّ کلثوم کی دوسری شادی کا اقرار کیا گیا جس کے لیے ابوبشر دولابی نے اپنی کتاب ذرّیتِ طاہرہ کے حوالہ سے اسناد ابی اسحٰق حسن بن حسن بن علی سے پیش کیا۔

پھر حضرت جعفر کے بیٹوں سے یکے بعد دیگرے نکاحِ امِّ کلثوم کو پیش کیا گیا۔ دارِ قطنی کی کتاب" الاخوات" طبقاتِ ابن سعد سے بھی حوالہ جات نقل کیے گئے۔

ایک اور مقام پر جنابِ عمر کا پیغامِ نکاح سیدہ معصومہ کے لیے اور نکاح کی دوسری روایت جن کے راوی کچھ یوں بتائے گئے کہ انس بن عیاض، امام جعفر صادق، امام محمد باقر اور پھر حق مہر کے لیے بھی روایتوں کو گھڑا گیا جس کے لیے عطاء خراسانی نے حوالہ پیش کیا۔ پھر امِّ کلثوم اور زید کی نمازِ جنازہ پڑھانے والے اشخاص کا نام یوں دیا گیا سندِ صحیح ہے کہ عبداللہ ابن عمر نے پڑھائی اور پھر یہ بھی دوسری روایت میں کہا گیا ہے کہ سعید بن عاص نے جنازہ پڑھایا۔

اور پھر الاستیعاب میں نقل کردہ روایات کے راویوں کی حالت یہ ہے کہ نکاحِ امِّ کلثوم کے پیغام اور نکاح کے پورے افسانے میں کسی قسم کی کوئی سند بیان نہیں کی گئی۔ نکاحِ امِّ کلثوم کی دوسری مختصر روایت کا سلسلۂ اسناد، عبدالوارث، قاسم، الخشنیؒ، ابن ابی عمر، سفیان، عمرو بن دینار، محمد بن علی یعنی امام محمد باقر علیہ السلام کے نام پیش کیئے گئے۔ جبکہ یہ بھی صراصر جھوٹ ہے۔

اور پھر نکاحِ امِّ کلثوم کے ساتھ ساتھ حق مہر پر ایک اور روایت پیش کی گئی جس کے راوی کچھ اِس طرح سے ظاہر کیئے گئے کہ عبدالرحمن بن زید بن اسلم عن ابیہ عن جدہ نے اسے نقل کیا ہے۔

پھر اُسد الغابہ میں ملغوبہ راویتوں کا سلسلہ اسناد بھی ایسے ہی ہے۔ اس کتاب میں

متعدد روایتوں کے اجتماع سے نکاحِ امّ کلثوم کا پورا افسانہ موجود ہے مگر سند نام کی کوئی چیز موجود نہیں۔ چالیس ہزار درہم کے مہر کی کہانی سیدہ امّ کلثوم کے دو بچوں کا تذکرہ اور ماں بیٹے کا ایک ہی دِن فوت ہونے اور دونوں کا اکٹھا جنازہ پڑھے جانے کی پوری داستاں موجود ہے مگر سلسلۂ اسناد کا نہ آغاز ہے اور نہ ہی انجام ہے۔

جبکہ خارجیوں نے اہلِسنت کی جن چند کتابوں کے حوالے دیئے ہیں اُن میں سے انہوں نے کنزالعمال کے حوالہ سے جو روایات پیش کی ہیں وہ اِس طرح ہیں کہ:

"عن ابی جعفر ان عمر بن الخطاب خطب الی علی بن ابی طالب ابنته امِّ کلثوم"۔

یہ پوری روایت نقل کرنے کے بعد اِس نے اِس روایت کے تحت مزید یہ حوالے بھی دیئے ہیں جن میں سے کنزالعمال، طبقاتِ ابن سعد، ذخائرالعقبیٰ، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، الاستیعاب وغیرہ ان میں سرِّ فہرست ہیں۔

بہر کیف جنابِ عمر کے ساتھ سیدہ معصومہ کے نکاح کے ضمن میں آنے والی تمام روایات من گھڑت ہیں کیونکہ یہ اختراع ہے اور شیعہ کی ایجاد ہے اور اِس مسئلہ کو گھڑ کر وہ جنابِ عمر کی توہین کا راستہ بنانا شروع کر رہے ہیں، جو کہ تا حال جاری ہے لیکن کم علمی کی بناء پر اِنہیں باتوں کو اہلسنت نے کرامت سمجھتے ہوئے اپنی کتابوں میں ذکر کر دیا جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تاہم اِس نکاح کے ضمن میں آنے والی اکثر روایات کے راویوں کی فہرست ہم نے اپنے طور پر قارئین کے لیے پیش کر دی ہے۔

راویوں کا تعارفی خاکہ

امام محمد باقر علیہ السلام:

جگر گوشۂ بتول سیدنا امام محمد باقر علیہ السلام سے بڑھ کر اور کون ثقہ ہوسکتا ہے آپ کی زبانِ اقدس سے جھوٹی اور غلط بات کا نکلنا متصور ہی نہیں ہوسکتا، آپ کی والدہ کے دادا جان بھی صدیق اکبر ہیں آپ کے والد کے دادا جان بھی صدیق اکبر ہیں وہ اِس طرح کے آپ کی والدہ ماجدہ امّ فرد سلام اللہ علیہا سیدنا ابو بکر صدیق کے بیٹے جنابِ محمد بن ابو بکر کی پوتی ہیں۔

آپ کے والدِ گرامی جو ابو السادات امام الائمہ سید السجاد، فاتحِ کرب و بلا سیدنا و مرشدنا امام العارفین امام زین العابدین بن شہزادۂ گلگون ریحانِ رسول سیدنا امام حسین علیہ السلام سیدنا حیدرِ کرّار مولائے کائنات علی ابن ابی طالب کے پوتے ہیں۔

ابو بکر بھی صدیق اکبر ہیں، جنابِ مولائے کائنات بھی صدیق اکبر ہیں۔

جن کی ماں ایک صدیق کی پوتی ہو اور باپ دوسرے صدیق اکبر کا پوتا ہو اور وہ خود امامِ زمانہ اور امامِ برحق ہو اُس کی زبانِ فیضِ ترجمان کس طرح کذب و افتراء سے آشنا ہو سکتی ہے۔

یہ ممکن نہیں کہ اُس گھرانے کا کوئی فرد ہو اور اُس پر متہم بالکذب ہونے کے الفاظ استعمال کیئے جائیں۔ اِس کے ساتھ ہی ساتھ اِس بات کو بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ کاذبین و واضعین حدیث نے ہزاروں جھوٹی حدیثیں گھڑ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منسوب کر رکھی ہیں اور اِن روایتوں کو صحابہ کرام کے حوالہ سے نقل کر رکھا ہے اور یہ ایسی حقیقت ہے کہ جس سے انکار کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ اگر کوئی شخص کسی صحابی سے منسوب کر کے جھوٹی روایت بیان کرتا ہے تو اِس میں اُس صحابی کا کیا قصور ہے۔

ایسے ہی کاذبین اور رواضعین نے اپنی ہزاروں ذہنی اختراعوں پر قال صادق اور قال باقر کے غلاف چڑھا رکھے ہیں اس میں سیدنا امام جعفر صادق اور سیدنا امام محمد باقر علیہما السلام کا کیا قصور ہے۔

سیدہ امِّ کلثوم کے بارے میں خوارج اور روافضکی ہر دور کی کتب میں آنے والی پوری اور کامل روایت سیدنا امام باقر علیہ السلام پر منتہی ہوتی ہے۔

جبکہ سنیوں کی بعض کتب میں اِس روایت کا کوئی مختصر ٹکڑا دوسرے راویوں سے بھی مروی ہے مگر یہ سب کے سب غیر ثقہ لوگ ہیں اور اِن کی کسی بھی بات پر محدثین کو اعتبار نہیں۔ علاوہ ازیں یہ روایت اصولِ حدیث کے مطابق امام باقر علیہ السلام تک منتہٰی ہو جانے کی وجہ سے منقطع ہے۔ اور دوسرے کذاب راویوں کے بیان کردہ ٹکڑے بھی یا تو منقطع ہیں یا مرسل، اندریں صورت ایسی روایت کو کس طرح درست تسلیم کیا جا سکتا ہے جبکہ اِس میں حضرت عمر، سیدنا حیدرِ کرار اور سیدہ امِّ کلثوم بنت علی کی توہین وتحقیر بھی پائی جاتی ہو۔

سیدنا امام باقر علیہ السلام سے منسوب روایتوں میں صرف ایک سند کو حضرت امام زین العابدین علی بن حسین علیہما السلام تک پہنچایا گیا ہے اور ایسا کر لینے سے بھی یہ روایت منقطع ہی قرار پاتی ہے جبکہ باقی تمام اسناد محض سیدنا امام باقر علیہ السلام تک پہنچ کر دم توڑ دیتے ہیں، اِس میں شک نہیں کہ علماءِ اہلسنت نے انتہائی قلیل تعداد میں امام باقر علیہ السلام سے روایت لی ہیں مگر اُن کا سلسلۂ اسناد یقیناً کسی نہ کسی صحابی تک پہنچتا ہے جبکہ زیرِ بحث روایت شروع ہی امام باقر علیہ السلام سے کی جاتی ہے اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ انہوں نے یہ روایت امام زین العابدین علیہ السلام سے سنی ہو گی مگر امام زین العابدین نے اِس کا سماع کس سے کیا یہ کون بتائے گا؟۔

اگر یہ فرض کر لیں کہ یہ قصہ اُن کو اُن کی پھوپھی سیدہ امِّ کلثوم یا اُن کے والد گرامی

جنابِ امامِ حسین علیہ السلام نے سنایا ہوگا تو یہ کیسے باور کرلیا جائے کہ اُن کی پھوپھی نے اُنہیں یہ لغو اور لچر جملے سنائے ہونگے کہ جنابِ حضرت عمر نے مجھ سے چھیڑ چھاڑ کی تھی جس کے جواب میں میں نے انہیں ناک توڑ دینے اور آنکھیں پھوڑ دینے کی دھمکی دی تھی اور میں نے بُرا بھلا کہا تھا وغیرہ وغیرہ۔ اور سیدنا امامِ حسین علیہ السلام بھی انہیں یہ فرضی اور مکروہ واقعہ کس طرح سنا سکتے تھے۔

گویا یہ مفروضہ قائم کرنا بھی انتہائی دشوار بلکہ ناممکن اور محال ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ منقطع اور مکروہ و رکیک روایت نہ امام محمد باقر علیہ السلام نے کسی سے سنی اور نہ کسی کو سنائی بلکہ یہ سب کچھ دشمنانِ حیدر و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا کیا دھرا ہے بہرکیف! سیدنا امام محمد باقر علیہ السلام سے منسوب روایت کے علاوہ راویوں کا تعارف پیشِ خدمت ہے سیدہ امِّ کلثوم کے مہر اور اولاد وغیرہ کے متعلق بیان کردہ روایت کا راوی جس کو عبدالرحمن بن زید اسلم کہا جاتا ہے۔

راویوں کا اقتدار:

گزشتہ صفحات میں ذکر کی گئی روایات میں سے روایت نمبر ا کو محمد بن اسحاق نے عاصم بن عمر بن قتادہ سے روایت کیا ہے۔

عبدالرحمن بن زید اسلم کا تعارف:

"عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم العمری اخو عبداللہ واسامہ"۔قال ابویعلیٰ موصلی سمعت یحییٰ بن معین یقول بنوزید بن اسلم لیسوابشئ وروی عثمان دارمی ، عن یحییٰ : ضعیف، وقال البخاری عبدالرحمٰن ضعفہ علیؓ جداً،وقال النسائی: ضعیف،وقال احمد: عبداللہ ثقة،والآخران ضعیفان۔

میزان الاعتدال للذهبی، ج۲، ص۵۶۴ البیروت

ترجمہ: عبدالرحمن بن زید بن اسلم عبداللہ اور اسامہ کا بھائی۔
ابو یعلی موصلی نے کہا ہے کہ میں نے یحییٰ بن معین سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ زید بن اسلم کے بیٹے کوئی چیز نہیں ہیں۔
عثمان دارمی نے یحییٰ سے روایت کی ہے کہ عبدالرحمن بن زید بن اسلم ضعیف ہے بخاری نے کہا عبدالرحمن بن زید بن اسلم انتہائی ضعیف ہے۔ نسائی نے کہا کہ یہ ضعیف ہے، امام احمد نے کہا عبدالرحمن اور اِس کا بھائی اسامہ دونوں ضعیف ہیں اور اِن کا تیسرا بھائی عبداللہ ثقہ ہے۔

''قد قال فی کتاب الدخل الی معرفة الصحیح من السقیم عبدالرحمن بن زیدبن اسلم روی عن ابیه احادیث موضوعة (قلت) عبدالرحمن بن زیدبن اسلم ضعیف باتفاقهم یغلط کثیراً وصدق شیخ الاسلام ۔ وقال البیهقی عبدالرحمن بن زیدبن اسلم ضعیف"۔

احادیثِ الضعیفه والموضوعة از ناصر الدین البانی ج۱، ص۳۹

ترجمہ: کتاب الدخل میں ہے کہ عبدالرحمن بن زید بن اسلم اپنے باپ سے بناوٹی اور وضعی حدیثیں بیان کرتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ عبدالرحمن بن زید بن اسلم محدثین کے نزدیک بالاتفاق ضعیف ہے اور بہت زیادہ غلط روایتیں بیان کرتا ہے اور شیخ الاسلام نے اِس امر کی تصدیق کی ہے۔

"وقال ابن حبان کان یقلب الاخبار وهولایعلم حتّٰی اکثرذالك فی روایته رفع المراسیل واسناد الموقوفنامستحق الترك، وقال ابونعیم نحوماسبق عن الحاکم روی ابیه احادیثِ موضوعه"۔

ترجمہ: اور ابن حبان نے کہا عبدالرحمن بن زید بن اسلم بغیر جانے

احادیث کو بدل دیتا تھا اور اُس کی روایت میں یہ امر بہت زیادہ ہے کہ وہ مرسل اور موقوف روایتیں بیان کرتا ہے اور وہ اِس کا مستحق ہے کہ اُس کی روایت چھوڑ دی جائے اور نقل نہ کی جائے، اور ابو نعیم نے بھی اِس سے قبل حاکم سے یہی بیان کیا ہے کہ عبد الرحمن بن زید بن اسلم اپنے باپ سے وضع اور من گھڑت روایت بیان کرتا تھا۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے غیر منسوب دوسری روایت کے راوی اِس طرح ہیں، ابی اسحق عن حسن بن حسن بن علی۔

یعنی حضرت علی کرّم اللہ وجہہ الکریم کے پوتے جنابِ حسن بن حسن سے ابی اسحق نے روایت کی ہے۔

مذکورہ روایت کے راوی (دولابی) کا تعارف:

یہ روایت علامہ دولابی نے اپنی کتاب ذریت طاہرہ میں ابی اسحاق سے نقل کی ہے، اب اگر یہ ابی اسحق جناب دولابی کے زمانہ کا آدمی ہے تو سیدنا حسن بن حسن یعنی حسن مثنّٰی علیہ السلام تک مزید متعدد اسناد کی ضرورت ہے اور اگر جناب حسن بن حسن کے زمانہ کا آدمی ہے تو جناب دولابی تک کئی سندوں کی ضرورت ہے جبکہ اوپر کی طرف کم از کم ایک سند مزید ہو تو سیدنا امامِ حسن بن علی یا کسی دوسرے زیادہ عمر کے صحابی تک پہنچا جا سکتا ہے گویا کہ اِس روایت کا سلسلۂ اسناد دونوں طرف سے کٹا ہوا ہے۔ کیونکہ جب دولابی کی ولادت ۲۲۴ھ میں ہوتی ہے اور وہ باوجود ایک اچھے مصنف ہونے کے ضعفاء میں شمار ہوتے ہیں۔

''کان الدولابی من اھل الصنعت حسن التصنیف و کان یضعف ولد سنۃ اربع و عشرین و مائتین''۔

ترجمہ: جنابِ دولابی اہلِ صنعت میں سے عمدہ تصنیف کرنے والے اور روایت

کے اعتبار سے ضعیف ہیں اُن کی ولادت ۲۲۴ھ میں ہوئی۔

ابواسحٰق کا تعارف:

جنابِ دولابی کا ضعیف ہونا اور اسنادِ روایت کا دونوں طرف سے منقطع ہونا ہی اِس روایت کے کمزور ہونے کے لیے کافی ہے جبکہ دولابی نے جس ابواسحٰق سے روایت کی ہے اُس کا کچھ اتا پتہ محدثین کے ہاں نہیں پایا جاتا کیونکہ ابواسحاق نام کے راویوں سے کسی نے بھی حسن بن حسن بن علی سے روایت نہیں کی۔

بہرکیف ابواسحٰق نامی راویوں کا تعارف بھی اِس طرح ہے کہ:

ابواسحٰق شیخ حجازی روی عن موسیٰ بن ابی عائشة "مناکیر" قال ابن حبان لایجوز الاحتجاج بمارو ی۔

ترجمہ: ابواسحٰق بن شیخ حجازی موسیٰ بن ابی عائشہ سے منکر روایتیں بیان کرتا ہے۔ابن حبان نے کہا اُس سے حجت پکڑنا جائز نہیں۔

اور پھر یوں موجود ہے کہ:

ابواسحٰق والدوسی عن ابی ھریرۃ مجھول۔

ابواسحٰق الدوسی جو حضرت ابوہریرہ سے روایت بیان کرتا ہے وہ مجہول ہے۔

ابی اسحٰق الکوفی، قال الازدی لیس بثقة،

ابی اسحٰق الاشجعی عن عمرو بن قیس الملائی ماعلمت احدا روی عنه غیر ابی النضر ھاشم،

ابواسحٰق القزینی وعنه ابن حبان واہ، وقال دارِ قطنی لجھول

ابواسحٰق الخوارزمی عن عاصم الاحول ضعفه دارِ قطنی

ابواسحٰق الجرشی عن الاوزاعی بخبر باطل،

ابواسحٰق الھاشمی عن ابی ھریرۃ لایعرف،

ابو اسحٰق مولٰی بنی ھاشم عن ابی سعید لا یعرف،
ابو اسحٰق مولٰی عن عمرو بن العاص اظنہ الذی قبلہ،
ابو اسحٰق مولٰی عبد اللہ بن حارث عن ابی ھریرۃ، لعل الثلاثۃ واحد۔

ابو اسحق الکوفی، ازدی نے کہا یہ ثقہ نہیں، اور پھر ابو اسحق اشجعی عمرو بن قیس ملائی سے روایت کرتا ہے میں نہیں جانتا کہ سوائے ابو نضر ہاشم کے کسی نے اُس سے روایت کی ہو، ابو اسحق قزینی سے ابن حبان نے واہی (من گھڑت) روایتیں بیان کی ہیں، دارِ قطنی نے کہا یہ مجہول ہے، ابو اسحق جو عطاء بن ابی رباح سے روایت بیان کرتا ہے اور اس سے ضمرہ بن ربیعہ نے روایت کی ہے وہ بھی مجہول ہے۔ ابو اسحق خوارزمی عاصم الاحول سے روایت کرتا ہے دارِ قطنی نے اِسے ضعیف کہا ہے۔ ابو اسحق جرشی اوزاعی سے باطل خبریں بیان کرتا ہے، ابو اسحق ہاشمی جو ابو ہریرہ سے روایت کرتا ہے مجہول ہے۔ ابو اسحق مولیٰ بن ہاشم جو ابی سعید سے روایت کرتا ہے مجہول ہے، ابو اسحق مولیٰ عمرو بن عاص کا گمان ہے کہ یہ وہی ہے جس کا ذکر پہلے ہوا ہے۔ ابو اسحق مولیٰ عبد اللہ بن حارث ابو ہریرہ سے روایت کرتا ہے کہ ہوسکتا ہے یہ تینوں نسبتیں ایک ہی شخص کی ہوں۔

ابو اسحق نامی اِن راویوں میں سے الدولابی نے جس سے بھی یہ روایت نقل کی ہوگی قابل احتجاج نہیں جبکہ جنابِ دولابی خود بھی باوجود اپنی تصانیف کو صنائع بدائع سے آراستہ کرنے کے ضعیف قرار پاتے ہیں علاوہ ازیں جس روایت میں دو صدیوں کے طویل زمانہ میں پانچ چھ راویوں کے بجائے صرف ایک ہی راوی موجود ہو اور وہ بھی غیر معروف اور مجہول تو ایسی روایت کو کہاں تک ثقاہت کا درجہ دیا جاسکتا ہے۔

ابو اسحق کی روایت ذخائر العقبیٰ میں درج ہے اس کے بارے میں محمد بن قطان نے کہا ہے کہ ابن اسحق کذاب ہے۔
مالک نے کہا ہے کہ ابن اسحق دجال ہے، اور سلیمان تیمی نے کہا ہے کہ ابن کذاب ہے۔ دارِ قطنی کا نظریہ ہے کہ ابن اسحق قابل احتجاج نہیں۔

میزان الاعتدال ج ۳، ص ۴۶۱، ۴۶۰، ۴۶۹

تیسری روایت کے راوی کا تعارف بھی پیش کیا جارہا ہے تا کہ قارئین کو فیصلہ کرنے میں آسانی ہوسکے۔

تیسری روایت کے راوی (عطاء خراسانی) کا تعارف:

امامِ محمد باقر سے تیسری روایت عطاء خراسانی کے حوالہ سے بیان کی گئی ہے جو ہر قسم کے راویوں سے مبرّہ ومنزّہ ہے جبکہ اِسے تو صرف عطاء خراسانی کے قول کا نام دیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ الخراسانی کا تعارف باقلانی نے کچھ یوں پیش کیا ہے کہ:

عطاء بن اسلم الخراسانی. قال الکوثری فی النکت (ص ۶۳) ضعیف بالاتفاق۔

احادیث الضعیفہ والموضوعہ از باقلانی ج ۲، ص ۲۸۳

کوثری نے اپنی کتاب نکت کے صفحہ ۶۳ پر کہا ہے کہ عطاء بن اسلم الخراسانی بالاتفاق ضعیف ہے۔

بہر کیف! اِس منقطع اور مرسل روایت کے پہلے اور آخری راویوں جنابِ وکیع بن الجراح اور عطاء الخراسانی کا ثقہ ہونا بھی تسلیم کرلیا جائے اور صرف درمیان کے راوی ہشام بن سعد کو ہی موضوعِ سخن بنالیں تو جب بھی اِس روایت کا وضعی ہونا ثابت ہوجاتا ہے اِس لیے کہ یہ راوی بھی اُسی وضاعِ حدیث زید بن اسلم کا پروردہ ہے۔ جس سے اُس کا بیٹا عبدالرحمن بن زید بن اسلم وضعی حدیثیں لے کر نشر کیا کرتا تھا بلکہ اِس راوی کے ذمہ

تو یہ بھی تھا کہ زید بن اسلم کی گھڑی ہوئی حدیثوں کا پوری قوت سے اثبات بھی کرے۔

چوتھی روایت کے راوی کا تعارف:

ایک اور روایت جنابِ امِّ کلثوم اور اُن کے فرضی بیٹے کی بیک وقت نمازِ جنازہ پڑھی جانے کے متعلق ہے اِس میں سلسلۂ اِسناد کو مکمل فقدان کے باوجود کہا گیا ہے کہ بسندِ صحیح یہ جنازہ جنابِ عبداللہ بن عمر نے اور دوسری سند سے سعید بن عاص نے پڑھایا تھا۔

حالانکہ اِن کتابوں کے حوالہ میں نہ کہیں صحیح سند موجود ہے اور نہ دوسری سند کا وجود ہے اندریں صورت یہی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر اور جنابِ سعید بن عاص دونوں ہی شانہ بشانہ مصلّٰی امامت پر کھڑے تھے اور دونوں ہی اپنی اپنی قرأت میں تکبیریں وغیرہ کہہ رہے تھے اور اہلِ مدینہ دونوں کے پیچھے فرضِ کفایہ کی ادائیگی کررہے تھے اور یہ کوئی حیراں کن بات نہیں دو جنازوں کے لیے دو امام کچھ زیادہ تو نہیں ہوتے جبکہ ایک روایت میں ہے کہ اِن دو کے ساتھ سات جنازے اور بھی تھے یعنی کل نو افراد کی نمازِ جنازہ بیک وقت پڑھائی گئی ایسی صورت میں تو دو اماموں کا شانہ بشانہ کھڑے ہوکر نمازِ جنازہ پڑھانا قطعاً غیر معمولی بات نہیں بلکہ اماموں کی تعداد نو بھی ہوجاتی تو پریشانی نہ تھی ہاں اگر نو سے زیادہ امام متصور کیئے جائیں تو پھر سوچنا پڑے گا۔

پانچویں روایت کے راوی (ابنِ وہب) کا تعارف:

غیرِ امام محمد باقر سے پانچویں روایت کے راویانِ کرام وہی ہیں جو پہلی روایت کے راوی ہیں، یعنی ابن وہب، عبدالرحمن بن زید بن اسلم عن ابیہ۔

پہلی روایت کے ضمن میں اِس بزرگ کا لمبا چوڑا تعارف بیان کردیا گیا ہے وہ

بہرحال کافی ہے یعنی عبدالرحمن بن زید اپنے باپ زید بن اسلم کے ذاتی کارخانہ کی تیار کردہ روایتیں ابن وہب کے وسیلہ سے نشر کرتا تھا۔

امام باقر علیہ السلام سے منسوب پہلی روایت کے راوی:

ان روایات میں سے تین روایتیں تو وہ ہیں جو سیدنا امام جعفر سے منسوب ہیں اور انہی تک ہی منتہی ہو جاتی ہیں۔

اب جبکہ یہ روایت حدیث کی کسی بھی قسم میں شمار نہیں ہوتی تو اِسے ایک بزرگ ترین ہستی کے نام سے منسوب کیا ہوا قول ہی کہا جاسکتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ ایک فرقہ کے مخصوص انداز میں اِس قول تک بذریعہ اسناد رسائی حاصل کی گئی ہے۔

چنانچہ پہلی روایت میں سلسلۂ اسناد اِس طرح ہے کہ:

ابن ابی عمر المقدسی، سفیان، عمرو، امام باقر علیہ السلام۔

یہ روایت بھی دونوں طرف سے منقطع ہے بلکہ اِس میں واضح طور پر اِس امر کی نشان دہی ہوتی ہے کہ یہ بھی سیدنا امام محمد باقر علیہ السلام سے منسوب کردہ وہی قول ہے جس کا تذکرہ ہم بار بار کر چکے ہیں سلسلۂ اسناد میں بیان کردہ راویوں میں نہ سفیان کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ یہ کون ہیں اور نہ ہی عمرو کے متعلق وضاحت کی گئی ہے گویا یہ کھلی ہوئی تدلیس کسی مخصوص مدلس کا کارنامہ ہے جس میں ایک وضعی روایت کو خواہ مخواہ راویوں سے آراستہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاہم اگر دونوں راوی سفیان عن عمرو بن دینار ہیں تو اِن کا تعارف امام باقر علیہ السلام سے منسوب تیسری روایت کے راوی میں پیش کیا جا رہا ہے۔

امام باقر علیہ السلام سے منسوب دوسری روایت کے راوی:

انس بن عیاض، امام جعفر صادق امام محمد باقر علیہ السلام۔

یہ روایت بھی سوفیصد سیدنا امام باقر علیہ السلام پر منتہی ہوتی ہے اس کا سلسلہ اسناد بھی منقطع ہے جبکہ نیچے بھی صرف ایک راوی انس بن عیاض ہے جس نے سیدنا امام جعفر صادق علیہ السلام کے حوالہ سے یہ وضعی قول امام باقر علیہ السلام سے منسوب کیا ہے۔

اِس بظاہر منقطع معضل، بباطن وضعی قول کو کس طرح لائق اعتناء سمجھا جا سکتا ہے جبکہ اِس کا اکلوتا راوی انس بن عیاض بھی محدثین کے نزدیک غیر معروف ہے۔

سیدنا امام باقر علیہ السلام سے منسوب تیسری روایت کے راوی:

عبدالوارث، قاسم، الخشنی، ابن ابی عمرو، سفیان، عمرو بن دینار، امام باقر علیہ السلام

مذکورہ راویان کا تعارف:

پہلے راوی "عبدالوارث عن القاسم ذکرہ البخاری فی الضعفاء" یعنی عبدالوارث قاسم سے روایت کرتا ہے بخاری نے اِس کا ذکر ضعفاء میں کیا ہے، اِس روایت کے آخری راوی عمرو بن دینار ہیں یہ ایک ہی نام کے تین راوی ہیں جن میں ایک عمرو بن دینار قہرمان آل الزبیر ہیں جو سالم بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں اب ایک ہی عمرو بن دینار باقی ہے جس سے عبدالوارث روایت بیان کرتا ہے اور وہ بصری میں ہے اور اُس کا تعارف اِس طرح ہے کہ:

عمرو بن دینار البصری یکنی ابا یحییٰ، روی عن سالم بن عبداللہ وصیفی بن حبیب، وعنہ الحماد ان وعبدالوارث او ابن علیہ، قال احمد: ضعیف، وقال البخاری! فیہ النظر، وقال ابن المعین! ذاھب وقال مرۃ لیس بشیٔ، وقال النسائی! ضعیف

میزان الاعتدال، ج۳، ص۴۵۴، میزان الاعتدال ج۳، ص۲۵۹

ترجمہ: عمرو بن دینار کی کنیت ابا یحییٰ ہے، یہ سالم بن عبداللہ اور صیفی حبیب سے روایت کرتا ہے۔اور اُس سے حماد ان ، عبدالوارث اور ابن علیہ روایت کرتے ہیں، امام احمد بن حنبل نے کہا یہ ضعیف ہے، امام بخاری نے کہا کہ اِس کی روایت میں ءأمل کرو، حافظ ابن معین نے کہا کہ ذاہب ہے اور ایک مرتبہ کہا یہ کوئی چیز نہیں، امام نسائی نے کہا یہ ضعیف ہے۔

طبقاتِ ابنِ سعد میں مذکور راویوں کا تعارف:

پھر یہی روایت جس کو طبقات ابن سعد میں بیان کیا گیا ہے اور اِس بیان کردہ روایت (نکاحِ امِّ کلثوم) کے راوی جن کے نام اور تعارف ذکر کیا جارہا ہے غور سے پڑھنے کی درخواست ہے،

وکیع بن الجراح، ہشام بن سعد، عطاء الخراسانی

وکیع بن الجراح کا تعارف:

وکیع بن الجراح کے بارے میں میزان الاعتدال میں یوں ذکر کیا گیا ہے کہ:

قال ابن المدائنی فی التھذیب، و کیع کان فیہ تشیع قلیل"۔

میزان الاعتدال، ج۴، ص۳۳۶

ترجمہ: ابن مدائنی نے تہذیب میں کہا ہے کہ وکیع میں قدرے تشیع تھا۔

ہشام بن سعد کا تعارف:

ہشام کے بارے میں محدثین نے یوں جرح کی ہے کہ:

ھشام بن سعد ابو العباد مدنی ، مولیٰ بنی مخزوم یقال لہ یتیم زید اسلم صحبہ وا کثر عنہ، وروی عن عمرو بن شعیب والمقبری، ونافع، وعنہ ابن وھب، والقعبنی وجماعۃ کثیرۃ، قال احمد! لم یکن بالحافظ، وکان یحیٰ القطان لایحدث عنہ، وقال

احمد ایضاً : لم یکن الحکم الحدیث ، وقال ابن معین : لیس بذالك القوی ولیس بمتروك، وقال النسائی : ضعیف، وقال مرة لیس بالقوی ، وقال ابن عدی مع ضعفه یکتب حدیثه ، واما ابوداؤد : فقال هواثبت الناس فی زیدبن اسلم ، وقال الحاکم : اخرج له مسلم فی الشواهد، وقال ابوحاتم : هو ابن اسحق عندی واحد۔

میزان الاعتدال ج۴ص ۲۲۸،۲۲۹

ترجمہ: ہشام بن سعد ابوعباد مدنی مولیٰ بنی مخزوم محدثین کہتے ہیں کہ وہ زید بن اسلم (زید بن اسلم وہی ہے جس کا بیٹا عبدالرحمن بن زید بن اسلم اِسی اپنے باپ زید بن اسلم کی گھڑی ہوئی روایتیں بیان کرتا تھا) کی صحبت میں رہتا تھا اور اکثر روایات اُسی سے بیان کرتا تھا، اور عمرو بن شعیب ،مقبری اور نافع سے بھی روایت کرتا تھا اور اُس سے ابن وہب، قعنبی اور بہت سے لوگوں نے روایت بیان کی ہے۔امام احمد نے کہا کہ وہ حافظ الحدیث نہیں تھا،یحییٰ القطان اُس سے حدیث نہیں لیتے تھے،امام احمد نے یہ بھی کہا ہے کہ اُس کی روایت مضبوط نہیں ہوتی، ابن معین نے کہا وہ قوی بھی نہیں اور متروک بھی نہیں،ابن عدی نے کہا کہ اُس کے ضعف کے باوجود اُس کی حدیث لکھتا ہوں ابوداؤد نے کہا کہ وہ زید بن اسلم کے حق میں اثبت الناس ہے، حاکم نے کہا کہ مسلم نے شواہد میں اُس کی تخریج کی ہے،ابوحاتم نے کہا کہ میرے نزدیک وہ اور ابن اسحاق ایک جیسے ہی ہیں۔

عطاء الخراسانی کا تعارف:

عطاء الخراسانی کا مکمل تعارف گزشتہ اوراق میں موجود ہے تسلی کے لیے پچھلے

صفحات کا مطالعہ کریں طوالت کے پیش نظر ذکر کرنا مناسب نہیں ۔

ذخائر العقبیٰ کی روایتیں:

محب طبری نے ذخائر العقبیٰ میں نکاحِ امِّ کلثوم کے سلسلہ میں جن راویوں سے روایت نقل کی ہے وہ اِس طرح ہیں کہ: ابن اسحق، عاصم بن عمر بن قتادہ۔

ابنِ اسحق اور صاحبِ ذخائر العقبیٰ کا دور:

اِس روایت کے آخری راوی ابن اسحق اور صاحب ذخائر العقبیٰ کے درمیان صدیوں کا فاصلہ ہے جبکہ پہلے راوی جنابِ عاصم بن عمر بن قتادہ تابعی کے اوپر بھی کوئی راوی موجود نہیں اندریں صورت ایسی روایت کو کہاں تک پذیرائی دی جا سکتی ہے یہ اہلِ علم سے مخفی نہیں، ضرورت پڑھنے پر اُس کو بھی سامنے رکھا جائے گا۔

دوسری روایت کے راوی جن کو عطاء الخراسانی کہا جاتا ہے اُن کی حجیت کا تعارف تو پیش کیا گیا ہے اب اُن کی سند کے بارے میں مختصر سا تعارف ملاحظہ فرمائیں۔

عطاء الخراسانی کی اسناد:

خراسانی نے کسی سے نہ ہی خود یہ روایت کی ہے اور نہ ہی اُن سے راوی نے آگے بات بڑھائی ہے گویا یہ قول اُن کا اپنا تیار کردہ ہے یا سنی سنائی بات ہے تاہم جناب عطاء الخراسانی کا تعارف پیش کیا جا چکا ہے۔

اِس کے بعد ایک اور روایت پیش کی گئی جس کے راوی کا نام المستظل ہے اِس کا تعارف بھی پیش کیا جا رہا ہے۔

المستظل کا تعارف اور اسناد:

اِس کا راوی صرف ایک ہی ہے اور اُس کا نام المستظل ہے جس سے ابن سمان نے اپنی کتاب میں چند جملوں پر مبنی یہ روایت نقل کی ہے اور یہ روایت کنز العمال میں

بھی موجود ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ جنابِ المستظل کون ہیں صحابی ہیں، یا تابعی ہیں یا محض کسی کتاب کے مصنف ہیں؟

اس کے بعد ایک اور روایت کو بھی دلیل بنایا گیا جبکہ اِس روایت کو ذکر کرنے والے محب طبری ہیں اور انہوں نے ابن سمان کی کتاب سے یہ روایت نقل کی ہے جبکہ ابن سمان نے اِسے جس سے نقل کیا ہے ذرا اِس کا تعارف بھی پڑھ لیں۔

ابنِ سمان کی نقل کردہ روایت کا تعارف:

ابن سمان نے اِسے واقد بن عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے اپنے کسی گھر والے سے یہ بات سنی ہے یوں تو اِس امر پر بھی بات ہو سکتی ہے کہ واقد نے اپنے کسی گھر والے سے بات سنی مگر اِس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ راویانِ حدیث میں واقد بن محمد کا نام کم از کم علامہ ذہبی نے تو نقل نہیں کیا بلکہ اُن کے نزدیک واقد نام کے یہ راوی ہیں:

۱۔ واقد بن یزید الرقاشی

۲۔ واقد بن حافظ ابی یعلی

۳۔ واقد بن ابی واقد

۴۔ واقد بن عبدالرحمن بن سعد بن معاذ

۵۔ واقد بن عمرو بن سعد

میزان الاعتدال ج۴، ص۳۳۰

بایں ہمہ اِس راوی کے سلسلۂ نسب سے یوں معلوم ہے کہ یہ شخص حضرت عبداللہ ابن عمر بن الخطاب کا پوتا ہو گا جس نے اپنے گھر کی روایت اپنے کسی گھر والے سے بیان کی ہے مگر یہ بات نہیں محمد بن عبداللہ بن عمر نامی راوی جو تابعین یا تبع تابعین سے روایت کرتا ہے اُس کا دادا عمر العمری ہے۔

ابن حبان نے اُس کے متعلق کہا ہے کہ "لا یجوز الاحتجاج به" یعنی اِس شخص سے حجت پکڑنا جائز نہیں۔

اور اگر یہ شخص جنابِ عمر بن الخطاب کی اولاد سے ہے تو حافظ ذہبی نے اِس کے بارے میں اِس طرح وضاحت کی ہے کہ:

قالت هو اخو الاقال، وقيل لا بل هو ابن عبدالله ابن عمر بن القاسم بن عبيدالله بن عاصم بن خطاب۔

اگر یہ صورت ہے اور اِس کا بیٹا واقد ہے تو وہ جنابِ عمر کی نویں پشت سے قرار پائے گا جو اپنے کسی گھر والے سے ایسی روایت بیان کرتا ہے جو سینہ بسینہ چلی آ رہی تھی۔

اور اگر واقد نامی راوی تابعی یا تبع تابعی ہے تو پھر صورتِ حال اور بھی سنگین ہے، کیونکہ جنابِ ابن سمان نے اُن سے یہ روایت براہِ راست صدیوں بعد نقل کی ہے، ملاحظہ فرمائیں کہ:

"الموافقة بين الصحابة واهلبيت لابن السمان متوفى خمس واربعين واربع مائة"۔

کشف الظنون، ج۲، ص۱۸۹

یعنی کتاب الموافقت ابن سمان کی تالیف ہے جو ۴۴۵ ھ میں فوت ہوئے، بہرکیف اِس روایت کے وضعی ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ ناقل نے نہ صرف یہ کہ دانستہ تدلیس سے کام لیتے ہوئے راوی کا نام مبہم رکھا ہے بلکہ اُوپر یا نیچے کسی راوی کا نام بیان نہیں کیا بلکہ کسی نہ کسی طرح اِس قول کو سیدنا امام باقر علیہ السلام سے منسوب کرنے کی ناپاک و ناکام کوشش کی ہے۔

جبکہ اِس کے بعد ایک اور بڑی ہی عجیب بات کی سیدہ معصومہ کے جنازے کے بارے میں بھی من گھڑت روایات کو پیش کیا گیا تاہم اُس پر بھی حقیقت کو قلم کی زینت

بنانا سعادت مندی سمجھتے ہوئے ہم قلم کو حرکت دے رہے ہیں کہ مطالعہ فرمائیں۔

سیدہ امِّ کلثوم کا جنازہ:

حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ سیدہ امِّ کلثوم سلام اللہ علیہا کے نکاح کی الف لیلوی داستان کو مکمل کرنے لیے اِس وضعی ٹکڑے کا بھی اضافہ کیا گیا ہے کہ اُن کی اور اُن سے پیدا ہونے والے حضرت عمر کے بیٹے زید الاکبر کی اموات ایک ہی ساعت میں واقع ہوئیں اور ایک ہی وقت میں دونوں کا جنازہ بھی اُٹھایا اور پڑھایا گیا اور یہ واقعہ سن ۵۱ھ یا سن ۵۴ھ میں پیش آیا۔

چونکہ کوئی بھی فرضی واقعہ ماہ و سال کی قید سے آزاد ہوتا ہے اِس لیے بیان کرنے والوں سے چند سال آگے پیچھے ہو جائیں تو یہ قابل گرفت بات نہیں۔

تاہم! ہم راویوں کی اِسی بحث میں بتا چکے ہیں کہ روایت نقل کرنے والوں سے جنازہ پڑھانے والے کسی ایک بزرگ کا فیصلہ کن تعین نہیں ہوا بلکہ ہر ایک یا دو حضرات کا نام ذکر کیا ہے اور وہ ہیں حضرت عبداللہ ابن عمر اور حضرت سعید بن العاص، ناقلین میں سے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ صحیح سند کے ساتھ یہ جنازہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے پڑھایا ہے اور دوسری سند سے سعید بن العاص امام بنے تھے۔

انہیں ناقلین نے یہ بھی فرما رکھا ہے چونکہ حضرت سعید بن العاص مدینہ منورہ کے گورنر تھے لہٰذا اقرین قیاس یہی ہے کہ جنازہ کی نماز انہوں نے ہی پڑھائی ہوگی جب کہ اِن لوگوں کے نزدیک اُس روایت کی سند صحیح نہیں جس میں فرائضِ امامت جنابِ سعید بن العاص کو سونپے گئے ہوں۔

اب ہم قارئین کو گذشتہ صفحات میں پیش کی گئی اپنی اُس تحقیق کی طرف متوجہ کریں گے جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ زید الاکبر نامی اگر کوئی شخص حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ

کا بیٹا تھا تو وہ سیدہ امّ کلثوم بنتِ علی کے بطن سے نہیں ہوسکتا اس لیے کہ ایک تو جنابِ حضرت عمر کے حساب سے وہ سیدہ امّ کلثوم سے بھی بڑی عمر کا ثابت ہوتا ہے اور دوسری سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ معاویہ کا درباری تھا حالانکہ اصولی طور پر اُسے اپنی ماں کے پاس ہونا چاہیے تھا کیونکہ امّ کلثوم کا بیٹا ہونے کی صورت میں جنابِ حضرت عمر کی شہادت کے وقت اُس کی عمر تین یا چار سال بنتی ہے۔ اور کوئی بھی ماں اپنے شوہر کے فوت ہوجانے کے بعد اِس عمر کے بچے کو اپنی سوکنوں اور سوتیلے بیٹوں کے پاس نہیں چھوڑ سکتی، نیز یہ کہ اگر زید الاکبر کو سیدہ امّ کلثوم بنت علی بیٹا مان لیا جائے تو ۳۵ھ میں جب عبید اللہ بن عمر مدینہ منورہ سے بھاگ کر معاویہ کے درباری بنے تھے اُس وقت اِس کی عمر صرف پندرہ سال ہوسکتی ہے۔ یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ پندرہ سال کا لڑکا اپنے نانا، اپنی ماں اور سوتیلے باپوں کے زیرِ عاطفت پرورش پانے کے بعد بلاوجہ اپنے گھر والوں کو چھوڑ کر اپنے خاندان کے مخالف کیمپ میں پناہ تلاش کرتا پھرے اور پھر وہاں جب اُس کے خاندان کی تنقیص کا سلسلہ شروع ہوجائے تو وہ لوگوں کے سر پھوڑنا اور تھپڑ لگانا شروع کردے۔

حقیقت یہ ہے کہ اِس افسانے کا ایک سِرا کہیں بھی دوسرے سرے سے نہیں ملتا۔ نیز یہ اگر زید الاکبر معاویہ کا درباری تھا تو ۵۱ھ میں اپنی ماں امّ کلثوم کے پاس کیسے تھا؟

اور اگر وہ شروع ہی سے اپنی ماں اور نانا کے پاس تھا تو اُس کے حالاتِ زندگی کہاں ہیں؟

جنگِ صفین کے وقت اُس کی عمر سترہ یا اٹھارہ برس بنتی ہے مگر اُس کا اِس جنگ میں شریک ہونا کہیں ثابت نہیں۔

۴۰ھ میں امیر المؤمنین مولائے کائنات سدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی

شہادت واقع ہوئی تو سیدہ امِّ کلثوم بنت علی اپنے والد کے ہاں موجود تھیں اور اُن کا وہاں موجود ہونا اور اپنے باپ کے غم میں گریہ وکناں رہنا ہر طرح ثابت ہے مگر زید الاکبر نامی اُن کے بیٹے کا کہیں بھی اور کسی بھی طریقہ سے تذکرہ موجود نہیں۔

یہاں تک کہ ۵۱ھ میں سیدہ امِّ کلثوم کا جناب عمر سے بیٹا ہونے کی صورت میں اس کی عمر اکتیس یا بتیس سال بنتی ہے مگر کسی بھی حوالہ سے نہ کہیں اُس کی شادی کا ذکر ہے اور نہ اولاد کا تذکرہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ سب فرضی افسانہ ہے اور پھر حضرت امِّ کلثوم بنتِ علی کا سن ۵۱ھ یا ۵۴ھ میں فوت ہونا متفق علیہ نہیں جبکہ معتبر کتب میں یہ روایات موجود ہیں کہ آپ سن ۶۱ھ اپنے برادرِ گرامی جنابِ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ معرکہ کربلا میں موجود تھیں اور یزید کے دربار میں بھی پہنچائی گئی تھیں۔ جن میں سے چند ایک روایات آئندہ صفحات میں پیش کی جائیں گی۔ حالانکہ خارجیوں نے اپنا مطلب پورا کرنے کے لیے شیعوں کی روایتوں سے استدلال کرتے ہوئے انہیں ۵۴ھ میں یومِ وصال کہنے پر بضد ہیں اگر شیعوں کی یہ روایت سچی ہے تو دیگر محدثین کی سن ۶۱ھ والی روایات کہاں جائیں گی۔

بہرکیف! اِس وضعی کہانی پر کسی بھی صورت اعتبار نہیں کیا جاسکتا کہ جنابِ امِّ کلثوم بنتِ علی نے جنابِ عمر کے ایک بیٹے اور ایک بیٹی کو جنم دیا ہے اور دلیل یہ ہے کہ سیدہ امِّ کلثوم کا نکاح جنابِ عمر سے ہوا تھا اب جبکہ یہ دلیل قطعی طور پر غلط اور باطل ثابت ہو چکی ہے تو ثابت ہوا کہ اِس فرضی نکاح کا تمام افسانہ وضعی اور غلطِ محض ہے جسے اہلِ تشیع نے جنابِ امام باقر علیہ السلام کی طرف منسوب کر رکھا ہے اور اہلسنت نے اُن سے اپنی کتابوں میں اِس لیے سجا رکھا ہے کہ اِس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امیر علی علیہ السلام کے خوشگوار تعلقات کا اظہار ہوتا ہے چونکہ ان روایات کے راویوں پر بھی بات

ہو چکی ہے اب اِس روایت کے آخری وضعی ٹکڑے کی بات کرنا نہایت ہی ضروری ہے جس کے لیے اگلے حصہ کو ملاحظہ فرمائیں۔

۞ ۞ ۞ ۞ ۞

سیدہ امِّ کلثوم کا سلسلۂ مناکحت

سیدہ معصومہ امِّ کلثوم کے نکاح کے سلسلہ میں کچھ حقیقت سے پردہ یوں اُٹھایا جارہا ہے کہ:

"قال ابن اسحاق حدثنی والدی اسحاق بن یسار عن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب قال لما تایمت امّ کلثوم بنت علی من عمر بن الخطاب دخل علیها حسن وحسین اخواها فقالا لها انك من عرفت سیدۃ نساء العالمین وبنت سیدتهن وانك والله ان امکنت علیا من رمتك لیتکحنك بعض ایتامہ وإن اردت ان تصیبی بنفسك مالا عظیماً لتصبیه فوالله ماقاما حتّٰی طلع علی رضی الله عنه یتکی علٰی عصاہ فجلس فحمد الله واثنٰی علیه ثم ذکر منزلتهم من رسول الله صلی الله علیه (وآلہٖ) وسلم وقرابتکم منه قالوا صدقت رحمك الله فجزاك الله عنا خیراً فقال ای بیتة إن الله قد جعل امرك بیدك فانا احب ان تجعلیه بیدی فقالت ای ابت انی والله لامرأۃ الرغب مایرغب فیه النساء واحب ان اصیب ماتصیب النساء من الدنیا فانا ارید ان انظر فی امر نفسی فقال لاوالله یابنیة ماھٰذا من رایك ماھو الارأی ھذین ثم قام فقال والله لاکلم رجلا منهم اوتفعلین فاخذ الثوبه وقالاً اجلس یاابت فوالله ماعلی هجرتك من صبرا جعلی امرك بیدہٖ قالت قد فعلت قال فانی قد زوجتك من عون ابن جعفر وانه لغلام ثم رجع الٰی بیته فبعث الیها باربعة الآف درهم وبعث الٰی ابن اخیه فادخلها علیه قال حسن فوالله ماسمعت بمثل عشق منها لهٗ منذ خلقها الله عزوجل"

ذخائر العقبیٰ باب اول فصل ۸، ص ۱۷۰، تاریخ خمیس ج ۲، ص ۳۸۵

ترجمہ: امامِ حسن مثنٰی بن حسن بن علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالٰی عنہم بیان کرتے ہیں کہ جب جنابِ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے وصال کے بعد سیدہ امِّ کلثوم رضی اللہ تعالٰی عنہا بیوہ ہو گئیں تو ان کے دونوں بھائی حسن وحسین اِن کے پاس تشریف لائے اور دونوں نے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ تم سیدۃ النساء العالمین ہو اور دنیا کی تمام عورتوں کی سردار کی بیٹی ہو خدا کی قسم! اگر تم نے اپنا معاملہ اپنے باپ علی المرتضیٰ کے سپرد کر دیا تو وہ اپنے بھائی جعفر شہید کے کسی بیٹے سے تمہاری شادی کر دیں گے۔ اور اگر تمہارا ارادہ یہ ہو کہ زندگی وافر مال واسباب کے ساتھ گزرے تو ایسا ہو سکتا ہے۔ بخدا! ابھی یہ دونوں بھائی وہاں سے اُٹھے نہ تھے کہ اُدھر سے علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالٰی عنہ اپنے عصا پر سہارا لگائے تشریف لے آئے۔ آپ نے فرمایا اے امِّ کلثوم اور میرے صاجزادو! تم اپنے مرتبے اور مقام کو بخوبی جانتے ہو اے اولادِ فاطمہ! میں نے تمہیں اپنی بقیہ اولاد پر ترجیح دی ہے کیونکہ تمہیں ایک خاص مرتبہ اور مقام رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ (وآلہٖ) وسلم سے حاصل ہوا ہے۔ انہوں نے فرمایا اللہ آپ پر رحم کرے اور اللہ ہماری طرف سے آپ کو بہترین جزاء عطا فرمائے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ اے بیٹی! اللہ نے تجھے اپنے بارے میں خود مختار کیا ہے تو میں چاہتا ہوں کہ تو اپنا اختیار خود ہی استعمال کرے۔ سیدہ امِّ کلثوم بولیں ابا جان! میں ایک عورت ہونے کی وجہ سے خواہش رکھتی ہوں، جو دوسری عورتیں رکھتی ہیں اور دیگر عورتوں کی طرح میں بھی چاہتی ہوں کہ دنیا کا کچھ ساز وساما مجھے بھی مل جائے میں باعزت زندگی بسر کرنا چاہتی ہوں اور میں اپنے معاملہ میں غور وفکر کرنا چاہتی ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ جو تم کہہ رہی ہو یہ صرف تمہاری ہی رائے نہیں بلکہ تمہارے بھائی حسن وحسین کی بھی

یہی رائے ہے۔ یہ کہہ کر آپ اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمانے لگے میں تم میں سے کسی کے ساتھ گفتگو نہیں کروں گا۔ ہاں اگر تو اپنا معاملہ اور اختیار میرے سپرد کر دے۔ یہ سن کر حسنین کریمین نے آپ کی چادر پکڑ لی اور کہا کہ ہم آپ کی جدائی برداشت نہیں کر سکتے آپ تشریف رکھیں پھر اِن دونوں بھائیوں نے اپنی بہن امِّ کلثوم سے کہا کہ بہتر یہی ہے کہ تم اپنا معاملہ ابا جان کے سپرد کر دو، جب امِّ کلثوم نے اپنا اختیار حضرت علی المرتضیٰ کو تفویض کر دیا، تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تیرا عقد عون بن جعفر سے کر دیا۔ عون ان دنوں خوب جواں تھے حضرت علی گھر تشریف لے گئے، اور چار ہزار درہم آپ نے امِّ کلثوم کی طرف بھیجے، پھر اپنے بھتیجے عون بن جعفر کی طرف پیغامِ نکاح بھیجا، ایجاب وقبول کے بعد آپ نے امِّ کلثوم کو عون کے گھر بحیثیت بیوی روانہ کر دیا۔ امام حسن بیان کرتے ہیں کہ امِّ کلثوم اور ان کے خاوند عون بن جعفر کے درمیان جو یگانگت پیار و محبت میں نے دیکھی ہے کسی اور جوڑے میں ایسی سننے دیکھنے میں نہیں آئی۔

الاصابہ کی بقیہ روایت:

"ابو بشر الدولابی فی الذریة الطاهرة من طریق ابی اسحٰق عن الحسن والحسین فقالا لها ان اردت ان تصیبی بنفسك مالا عظیما لتصبین فدخل علی فحمد الله واثنی علیه وقال ای بنیة ان الله قد جعل امرك بیدك فان احببت ان تجعلیه بیدی فقالت یا ابتانی امراة رغب فیما ترغب فیه النساء واجب ان اصیب من الدنیا فقال هٰذا من عمل هذین ثم قام یقول والله لا اکلم واحدا منهما اوتفعلین فاخذنها وسالاها ففعلت فتزوجها عون بن جعفر بن ابی طالب وذکر الدار قطنی فی کتاب الاخوة ان عونا

مات عنها فتزوجها اخوه محمد ثم مات عنها فتزوجها اخوه عبداللہ بن جعفر فماتت عنده وذكر ابن سعد نحوه وقال فی آخر فكانت تقول انی لا یستحیی من اسماء بنت عمیس مات ولداها عندی فاتخوف علی الثالث قال فهلكت عنده ولم تلد لاحد"۔

الاصابہ ج۲، ص۴۹۲

ترجمہ: ابو بکر دولابی نے ذریتِ طاہرہ میں ابو اسحاق کے طریق سے حسن بن حسن بن علی سے روایت بیان کی ہے کہ جنابِ عمر کی وفات کے بعد جب سیدہ امّ کلثوم بیوہ ہوگئیں تو حسنین کریمین اُس کے پاس آئے اور اُسے کہا کہ اگر تو اپنی ذات کے لیے زیادہ مال چاہتی ہے تو ضرور حاصل کر، پھر حضرت علی تشریف لائے تو انہوں نے اُس پر اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور فرمایا کہ اے بیٹی!

بے شک اللہ نے تیرا امر تیرے ہاتھ میں دے رکھا ہے اگر تو اپنی پسند چاہتی ہے تو وہ تیرے ہاتھ میں ہے۔ سیدہ امّ کلثوم نے کہا! ابا جان میں عورت ہوں جس طرح دیگر عورتیں دنیا کے مال سے رغبت رکھتی ہیں میں بھی چاہتی ہوں مجھے بھی ملے، حضرت علی نے فرمایا کہ یہ کام تیرے دونوں بھائیوں کا ہے پھر آپ نے کھڑے ہو کر کہا! میں تم دونوں میں سے کسی کے ساتھ بات نہیں کروں گا، یا تم وہ کام کرو جو میں چاہتا ہوں تو انہوں نے آپ کے حکم کے مطابق حضرت عون بن جعفر بن ابی طالب سے سیدہ امّ کلثوم کا نکاح کر دیا۔

دارِ قطنی نے کتاب الاخوت میں ذکر کیا ہے کہ جب عون بن جعفر کا وصال ہو گیا تو سیدہ امّ کلثوم کی شادی اُن کے بھائی محمد بن جعفر سے کر دی گئی اور جب وہ بھی فوت ہو گئے تو اُن کی شادی عبداللہ بن جعفر سے ہوئی اور وہ وہیں فوت ہوئیں۔

ابن سعد نے بھی ایسا ہی ذکر کیا ہے اور اِس ذکر کے آخر میں کہا کہ اُمّ کلثوم

فرمایا کرتی تھیں مجھے اسماء بنتِ عمیس سے حیاء آتی ہے کہ اُس کے دو بیٹے میرے پاس فوت ہوئے ابھی تیسرے کے فوت ہو جانے کا خوف ہے، کہا کہ وہ عبداللہ بن جعفر کی زوجیت میں فوت ہوئیں اور اُن کے لیے کسی بچے کو جنم نہیں دیا۔

الاصابہ فی تمیز الصحابہ کی یہ عبارت اُسی روایت کا حصہ ہے جس کے چند جملے خارجیوں نے بھی نکاحِ امِّ کلثوم کے سلسلہ میں نقل کیئے ہیں۔

سیدہ امِّ کلثوم کے سلسلہ مناکحت کی یہ روایت اکثر طور پر انہی راویوں سے مروی ہے جن کا تعارف وضعی ٹکڑوں کو ملا کر ترتیب دیا ہے تاہم اِسے جن چند دیگر راویوں کے حوالہ سے پیش کیا گیا ہے اُن کے تعارف سے پہلے آپ ذخائر العقبیٰ سے پیش کی جانے والی اِس روایت کے چند جملے ملاحظہ فرمائیں۔

ا۔ وضعی جملہ:

"دخل علیھا حسن وحسین اخواھا فقال لھا انك عرفت سیدۃ نساء العالمین وبنت سیدتھن"۔

یعنی جنابِ امامِ حسن اور امامِ حسین سیدہ امِّ کلثوم کے بھائی اُن کے پاس تشریف لائے اور انہیں کہا کہ آپ جانتی ہیں کہ آپ تمام جہاں کی عورتوں کی سردار ہیں اور اُن (عورتوں) کی سردار کی بیٹی ہیں۔

کیا سیدہ امِّ کلثوم سیدۃ النساء العالمین ہیں؟

سیدۃ النساء العالمین، سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عطا فرمودہ اعزاز نصِ حدیث سے ثابت ہے اور یہ خطاب سوائے سیدہ فاطمۃ الزہرا اور حضرتِ مریم امِّ عیسیٰ کے اور کسی کے لیے نص سے ثابت نہیں علماء کے اِس مسئلہ پر طویل مباحث

موجود ہیں، ہمارا مسئلہ صرف یہ ہے کہ سیدہ امِّ کلثوم سلام اللہ علیہا یقیناً امامین طاہرین سیدنا حسنین کریمین علیہا السلام کی چھوٹی ہمشیرہ اور اعلیٰ ترین شان کی مالک ہیں مگر وہ اپنی والدہ سیدہ فاطمۃ الزہرا سے افضل اور اُن کی سردار نہیں ہو سکتیں اِس لیے کہ اگر آپ کو سیدۃ النساء العالمین تسلیم کیا جائے تو انہیں اپنی ماں کی بھی سردار ماننا پڑے گا جیسا کہ محدثین نے وضاحت کر رکھی ہے کہ سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا بُضعۃ الرسول ہونے کی فضیلت کے اعتبار سے اور فرمانِ رسول سیدۃ النساء العالمین کے پیشِ نظر اپنی والدہ ماجدہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ کی بھی سردار ہیں۔

سیدنا حسنین کریمین سیدہ امِّ کلثوم کے بڑے بھائی ہیں دونوں حضرات کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صغیر صحابی ہونے کا بھی شرف حاصل ہے اور وہ یقیناً جانتے تھے کہ ہماری والدہ سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا ہی سیدۃ النساء العالمین ہیں اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ یہ مخصوص اعزاز سوائے اُن کی والدہ کے اور کسی کے لیے ثابت نہیں، اور یقیناً سیدہ امِّ کلثوم نے بھی اپنی والدہ مکرمہ کو ملنے والے اِس اعزاز کے بارے میں سُن رکھا ہو گا اندریں صورت حسنین کریمین کا اپنی چھوٹی ہمشیرہ کو یہ فرمانا کہ تم تو جانتی ہو کہ تم سیدۃ النساء العالمین ہو یہ ناممکن ہی نہیں بلکہ محال بھی ہے۔ اور پھر حضرت امِّ کلثوم کا اِس بات کو تسلیم کر لینا اِس سے بھی محال تر ہے کیونکہ اِس سے پہلے انہیں کسی نے بھی اِس خطاب سے مخاطب نہیں کیا ہو گا۔

نیز یہ کہ اگر آپ سیدۃ النساء العالمین ہیں تو پھر آپ کا کفو کہاں سے تلاش کیا جائے گا۔ اگر خوارج کی رگِ شرارت پھڑکنا شروع کر دے تو اُس کے لیے آسان سا جواب یہ ہے حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ فاطمۃ الزہرا کو یہ خطاب اُن کی شادی کے بعد عطا فرمایا تھا اور اُس سے پہلے بھی یہ اہتمام کر رکھا تھا کہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ الکریم آپ کی بیٹی کی موجودگی میں دوسری شادی نہ کریں اور یہ اعزاز بھی سوائے سیدۃ

النساء العالمین سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے اور کسی کے لیے ثابت نہیں۔

۲۔ وضعی جملہ:

"وانك والله ان امكنت عليا من رمتك ليتحنك بعض ايتامه وان اردتِ ان تصيبني بنفسك مالا عظيما لتصيبيه ، فوالله ماقاما"۔

ترجمہ: حسنین کریمین نے اپنی بہن کو فرمایا اگر تم نے علی کو اختیار دے دیا تو وہ تیرا بیاہ اپنے کسی یتیم سے کر دیں گے اور اگر تم چاہتی ہو کہ تمہیں بہت سارا مال ملے تو خدا کی قسم اِس کا انتظام ہوسکتا ہے۔

کیا یہ حقیقت ہے؟

اگر یہ حقیقت ہے کہ اِس جملہ میں حسنین کریمین کا اپنی بہن کو یہ کہنا کہ اگر تم نے علی کو اختیار دے دیا تو وہ تیرا بیاہ اپنے کسی یتیم سے کر دیں گے؟

نہیں یہ حقیقت نہیں بلکہ اتنا بڑا جھوٹ ہے کہ اِس کے آگے ہر بڑے سے بڑے جھوٹ کا دم ٹوٹ جائے گا۔

کیا امامین کریمین اپنے والدِ گرامی سیدنا حیدرِ کرّار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ اِس طرح سے کرسکتے تھے؟۔

اگر آپ سے کوئی یہ سوال پوچھے کہ کیا آپ لوگ اپنے والدین سے ایسی گفتگو کرسکیں گے یا نہیں یا اِس طرح سے باتیں کرسکیں گے یا نہیں؟ تو یقینا جواب نہیں میں ملے گا۔ اگر آپ لوگ اِس انداز سے اپنے والد کا تذکرہ نہیں کر سکتے تو سلطان المؤ دبین کے نواسے اور سیدۃ النساء العالمین کی آغوش میں پرورش پانے والے معصوم بچے کس طرح کہہ سکتے تھے کہ اگر تم نے علی کو اختیار دے دیا؟

اِس روایت کے واہی اور جھوٹی ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ اِس میں سیدنا امامِ حسن اور سیدنا امامِ حسین علیہما السلام پر بے ادبی کی تہمت لگائی گئی ہے اور مولائے کائنات کا تذکرہ ادنٰی سے ادنٰی آدمی سے بھی کمتر انداز میں کیا گیا ہے۔

جنابِ حسنین کریمین علیہما السلام سے اپنے والدِ گرامی سے بھی کمتر انداز میں کیا گیا ہے، جنابِ حسنین کریمین سے اپنے والدِ گرامی کے بارے میں اِس ناشائستہ زبان میں گفتگو کروانا ہی واضعین روایت کے جہنم رسید ہونے کے لیے کافی ہے چہ جائیکہ ایسی روایت سے استدلال کرتے ہوئے ایک اور جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کی کوشش کی جائے۔

فی الحقیقت اِس جملہ کا ایک ایک لفظ خاندانِ رسالت کے خلاف زہر آلود تیروں جیسا ہے سلطنتِ فقر کے شہزادوں اور شہزادی پر اِس سے بڑی تہمت اور کیا ہوگی کہ انہیں دنیوی مال و دولت پر مر مٹنے والوں میں ثابت کیا جائے۔

حق یہ ہے کہ نہ تو امامین کریمین اپنے والدِ گرامی کا تذکرہ صرف اُن کا نام لے کر سکتے تھے اور نہ ہی اپنی ہمشیرہ کو یہ مشورہ دے سکتے تھے کہ اگر تو نے اُن کو اختیار دے دیا تو وہ تیری شادی اپنے کسی یتیم سے کر دیں گے تاکہ تو غربت میں زندگی گزارے اور نہ ہی فقر و فاقہ میں خوش رہنے والے یہ شہزادگانِ رسول و بتول اپنی ہمشیرہ کو اپنے والدِ گرامی کی مخالفت کرتے ہوئے کسی امیر و کبیر سے شادی کا تصور دے سکتے تھے۔

۳۔ وضعی جملہ:

"حتی طلع علی رضی اللہ عنه تیکئ علی عصاہ فجلس، فقال! ای بنیة ان اللہ قد جعل امرك بیدك فانا احب ان تجعلیه بیدی فقالت ای ابت انی واللہ لاامراۃ رغب مایرغب فیه النساء واحب ان نصیب مانصیب النساء من الدنیا ارید ان انظر فی

امر نفسی ، فقال ! واللہ یابنیۃ ماھذا من رائك ماھوالا رأی ھذین ثم قال فقال واللہ لا اکلم رجلاً منھم "۔

ترجمہ: یہاں تک حضرت علی اپنے عصاء کے سہارے چلتے ہوئے تشریف لے آئے اور بیٹھ گئے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اے بیٹی اللہ تعالیٰ نے تیرے امر کا اختیار تیرے ہاتھ میں دے رکھا ہے اور ہم بھی چاہتے ہیں کہ تو اپنا اختیار خود ہی استعمال کرے۔

حضرت امِّ کلثوم نے کہا ابا جان! واللہ میں عورت ہونے کے ناطے اُسی چیز کو پسند کرتی ہوں جس سے دوسری عورتیں رغبت رکھتی ہیں اور اُن کی طرح میں بھی دنیوی مال ومتاع کی خواہش مند ہوں آپ مجھے اپنے معاملے میں سوچنے دیں۔

یہاں سے عبارت کے اگلے حصہ کا خوارج نے یوں ترجمہ کیا ہوا ہے کہ حضرت علی نے کھڑے ہو کر کہا اے بیٹی! خدا کی قسم یہ تمہاری رائے نہیں بلکہ اِن دونوں حسن و حسین کا کیا پروپیگنڈا ہے خدا کی قسم میں تم میں سے کسی کے ساتھ بات نہیں کروں گا۔

یہاں کتنی بے ایمانی سے خوارج نے ترجمہ کیا ہے کہ تیرے ساتھ تیرے بھائیوں کی بھی یہی رائے ہے۔

ایک اور جھوٹ کہ جس کی جڑیں ہی بے بنیاد ہیں:

اِس روایت کی ابتداء میں ہے کہ حضرت عمر کے فوت ہونے کے بعد سیدہ امِّ کلثوم کی شادی کی بات اُن کے بھائیوں حسنین کریمین نے چلائی ،گویا سیدہ امِّ کلثوم نے فرضی عدّت کا دور بجائے شوہر کے گھر کے اپنے باپ کے گھر گزار لیا ہے تو اُن کی دوسری شادی کی بات شروع ہوگئی جو مندرجہ ذیل عبارتوں کی صورتوں میں ظہور پذیر ہوئی ہے۔

سب سے خاص بات یہ ہے کہ سن ۲۴ ھ کے ابتدائی مہینوں کی بات ہے اور اُس

وقت مولائے کائنات کی عمر مبارک کا چوالیسواں سال شروع ہوا تھا اِس واقعہ کے گیارہ سال بعد آپ نے تاجِ خلافت سنبھالا اور اپنے دورِ خلافت میں آپ نے جنگِ جمل اور صفین جیسی شدید جنگیں لڑیں اور اِن دو بڑی جنگوں کے بعد آپ نے جنگِ نہروان میں ایک ایک خارجی کو تلاش کر کے قتل کیا یہاں تک کہ اِس جنگ سے بچنے والے خارجی دس سے زیادہ نہ تھے۔

عجیب بات ہے ہم تو شیعوں کو اِس لیے بُرا جانتے ہیں کہ وہ مولائے کائنات شیرِ خدا علی المرتضیٰ کو کمزور ثابت کرتے ہیں ۔جبکہ میں یہ کہتا ہوں کہ خوارج ،روافض کو بجائے مولائے کائنات کو کمزور کہنے کے اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھنے کی ضرورت ہے کہ وہ اپنے دلائل کو کمزور ہی کہہ دیں تو یہ بھی اُن کے لیے مفید ہو سکتا ہے جو اپنے غلط اور گھٹیا مؤقف میں ایسی روایات پیش کرتا ہے جن میں میرے جدِّ امجد کو چوالیس سال سے بھی کم عمر میں لاٹھی کا سہارا دلوا دیا تا کہ وہ اس کے سہارے آسانی سے چل سکیں۔جبکہ اِس عمر کے کئی سال بعد مولائے کائنات نے خیبر کو فتح کرتے ہوئے خیبر کے بڑے دروازے کو اپنے ایک ہاتھ میں تھام کر اُسے ڈِھال بنا رکھا تھا اِس پر تاریخ شاہد ہے کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔

مولائے کائنات کی شان میں گستاخی:

پہلی بات تو یہ ہے کہ اِس روایت کے کسی جملہ میں یہ اشارہ موجود نہیں کہ مولائے کائنات کو بہن بھائیوں کے درمیان ہونے والے اِس مشورہ کی خبر کس نے دی تھی تاہم اِس امر کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو بھی اِس روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خود ہی اپنی بیٹی کو اُس کے امور کا اختیار دے دیتا ہے اور خود ہی حیلے بہانے سے دیا ہوا یہ اختیار اُس سے چھین لیا گیا ہو۔تاہم کچھ سوالات اٹھتے ہیں کہ:

کیا یہ بابِ علمِ مدینہ اور دارِ حکمت کے دروازے کی شان ہے؟
کیا یہ سید الاولیاء اور امام المتقین کی شان ہے؟
کیا یہ کسی جلیل القدر صحابی رسول کی شان ہے؟

اگر نہیں تو پھر ایسی واہی اور غلیظ روایت سے استدلال کرنے والے کو گستاخِ صحابہ کہنے سے کون سا امر مانع ہے اِس لیے کہ اِس روایت میں مرکزِ دائرہ ولایت منبعِ فیوض و برکات، شجاعت و صداقت کے علم بردار، مولائے کائنات سیدنا حیدرِ کرار پر یہ افتراء کیا گیا ہے کہ آپ نے اپنی بیٹی کو اپنی مرضی کی شادی کرنے کا اختیار دے کر حیلہ سازی کرتے ہوئے اِن الفاظ کے ساتھ یہ اختیار چھین لیا کہ تم نے یہ بات خود نہیں کی بلکہ تمہیں یہ بات تیرے بھائیوں نے سکھائی۔

اِس روایت میں اُن پاکیزہ فطرت اور دین پر دنیا کی ہر راحت قربان کر دینے والے شہزادگانِ بتول پر ہوسِ مال و زر کی تہمت لگائی ہے جن کی فطرت ہی پاک تھی اور جنہوں نے آنکھیں ہی فقر و فاقہ کے ماحول میں کھولی تھیں اور تہمت کا یہ سلسلہ یہیں پر ہی نہیں ختم کر دیا بلکہ بات کو یہاں تک پہنچا دیا کہ انہوں نے اپنی بہن کو کسی امیر کبیر سے شادی کرنے کے لیے اپنے والدِ محترم کے انتخاب کو بھی مسترد کر دیا اور اپنے باپ کو اِس قدر دکھ پہنچایا کہ اُن کے باپ نے اُن سے قطع تعلق کر لیا۔

کیا یہ رسولِ ہاشمی کا گھرانہ ہے؟ جس میں رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے " علی منی و انا منہ" کی سند حاصل کرنے والے حیدرِ کرّار رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے اپنی بیٹی کو اختیار دے دیتے ہیں اور جب وہ اپنا اختیار استعمال کرتی ہے تو اُس سے قطع تعلق کرتے ہیں۔

کیا یہ شہزادیٔ کونین، ملکۂ فردوس بریں اور مملکتِ فقر کی سلطانہ، خاتونِ جنت سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے بیٹے اور بیٹی ہیں جو دنیا کے مال کی ہوس میں صلہ رحمی

جیسے فرائض کو قربان کر رہے ہیں۔

کیا یہ وہی امامین حسنین کریمین علیہما السلام ہیں جن کو امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت کے جوانوں کے سردار اور دنیا میں اپنے پھول اور اپنی خوشبو قرار دیتے ہیں مگر وہ اپنے والدِ گرامی کی نافرمانی اور بغاوت کے مشورے کر رہے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

شرم آنی چاہیے خوارج کو کہ وہ محض سیدزادیوں کو غیر سیدوں کی بیویاں بنانے کے لیے اِس قسم کے بے سروپا اور جھوٹی روایتوں سے اپنا مؤقف مضبوط کرنا چاہتے ہیں جن کے ایک ایک جملے اور ایک ایک لفظ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان کی عزّت وحرمت پر کیچڑ اچھالا گیا ہے۔

اور پھر جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہے کہ یہ لوگ ایسے ایسے افسانے تراشتے ہیں کہ عقل حیراں رہ جاتی ہے اِس روایت میں ہے کہ حضرات حسنین کریمین نے اپنی ہمشیرہ کو کہا کہ اگر تم نے علی کو اختیار دے دیا تو وہ تمہیں اپنے یتیموں سے بیاہ کر دیں گے اور علی کے اِن یتیموں سے اُن کی مراد حضرت جعفر کے بیٹے ہیں۔(لاحول ولاقوۃ الاباللہ)

شہزادۂ ابوطالب دودمان وخاندانِ عبدالمطلب وقارِ خاندان بنو ہاشم اور جنت کے باغات میں پرواز کرنے والے سیدنا جعفر طیّار رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شہادت پاک جنگِ مؤتہ میں ۸ھ کو ہوئی اِس روایت کے مطابق حضرت عمر کی شہادت بلکہ سیدہ امِّ کلثوم کی فرضی عدّت گزرنے کے بعد دوسری شادی کی بات ۲۴ھ میں ہوتی ہے۔یعنی سیدنا جعفر طیار کی شہادت کے سولہ سال بعد یہ واقع پیش آیا اگر اُن کا سب سے چھوٹا بیٹا محمد اُن کی شہادت کے وقت دو سال کا بھی ہو تو اِس وقت اٹھارہ سال کا بھرپور ہاشمی نوجوان ہو گا جبکہ جنابِ سیدہ امِّ کلثوم کی شادی پہلے اُن کے بڑے بھائی جنابِ عون بن جعفر سے ہوئی تھی جو یقیناً اپنے چھوٹے بھائی سے دو تین سال بڑے ضرور ہوں گے گویا اُن کی عمر مبارکہ کم از کم اِس وقت بیس اکیس سال ہو گی۔

کیا شرعی اعتبار سے یتیم کی عمر کا تعین کر کے یہ بتا سکتے ہیں کہ جس روایت میں اٹھارہ سے اکیس سال کے جوانوں کو یتیم کہا جاتا ہو تو وہ کہاں تک درست ہو سکتی ہے اور اگر اِس روایت کا ہر پہلو اور ہر زاویہ کذب و افتراء سے ترتیب دیا گیا ہے تو کیا اِس سے استدلال کرنے والے کا شرم سے ڈوب مرنا مناسب ہے۔

کیا سیدنا جعفر طیّار کے یہ نوجوان شہزادے اُس وقت کس یتیم خانہ کے مہتمم کی کفالت میں پرورش پا رہے تھے؟ کہ اُن کے پاس آسائش زندگی نام کی کوئی چیز موجود ہی نہیں تھی، کیا جنابِ جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ یتیم گداگری کیا کرتے تھے، انصاف کے ساتھ بتائیں یہ گستاخیاں نہیں تو اور کیا ہیں؟ یہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ عداوت نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ بغض نہیں تو اور کیا ہے؟۔

اور پھر کیا پورے مدینہ منورہ میں خاندانِ ہاشمی ہی غربت و افلاس کا شکار تھا؟ کیا یہ لوگ بھیک مانگ کر گزارہ کر رہے تھے؟ (العیاذ باللہ)

حقیقت یہ ہے کہ جھوٹ کا یہ طومار اِس لیے باندھا گیا ہے کہ کسی طرح جنابِ عمر کے ساتھ سیدہ امِّ کلثوم کا فرضی نکاح حقیقت بن جائے حالانکہ ایں خیال است ومحال است وجنوں کے سوا کچھ بھی نہیں۔

اہلبیتِ پاک سے گستاخیاں بے باکیاں
لعنت اللہ علیکم دشمنانِ اہلبیت

کیا یہ جھوٹ ہے؟

اِس روایت میں بتایا گیا ہے کہ جب حضرت علی کرّم اللہ وجہہ الکریم نے اپنے بیٹوں اور بیٹی سے قطع تعلقی کا اظہار فرما دیا تو حضرات حسنین کریمین نے منت سماجت کر کے انہیں منا لیا اور سیدہ امِّ کلثوم کا معاملہ کلّی طور پر اپنے باپ کے سپرد کر دیا۔ تو انہوں نے

سیدہ اُمِّ کلثوم کا نکاح جنابِ عون بن جعفر سے چار ہزار حق مہر کے عوض کر دیا۔ اِس عبارت پر ذرا پھر سے غور کریں کہ:

"قال فانی قد زوجتك من عون ابن جعفر وانه لغلام ثم رجع الی بیته فبعث الیها باربعة الآف درهم وبعث الی ابن اخیه، فادخلها علیه"۔

یعنی جب سیدہ امِّ کلثوم نے اپنا معاملہ جنابِ علی کے سپرد کر دیا تو مولائے کائنات نے فرمایا کہ میں نے تیرا عقد عون بن جعفر سے کر دیا ہے عون بن جعفر اُس وقت لڑکے تھے پھر حضرت علی اپنے گھر کی طرف واپس گئے اور چار ہزار درہم بطور حق مہر اپنی بیٹی کو بھیج دیئے اور اُسے اپنے بھتیجے کے گھر بھیجا اور وہ اُس کے پاس چلی گئی۔

مولائے کائنات گھر تشریف لے گئے اور چار ہزار درہم آپ نے امِّ کلثوم کی طرف بھیجے پھر اپنے بھتیجے عون بن جعفر کی طرف پیغامِ نکاح بھیجا ایجاب و قبول کے بعد آپ نے امِّ کلثوم کو عون کے گھر بحیثیت بیوی روانہ کر دیا۔

خیانتِ مجرمانہ سے کام لیتے ہوئے عبارت میں خودساختہ جملے شامل کرنے کی کوشش میں مصروف رہے پہلے قارئین کو اِس روایت کے جملہ آغاز کی طرف متوجہ کرتے ہیں کہ امامِ حسن اور امام حسین علیہما السلام نے اپنی بہن سیدہ امِّ کلثوم سے کہا:

واللہ ان امکنت علیا من رمتك لیتکحنك بعض ایتامه۔

یعنی خدا کی قسم اگر تو نے اپنی شادی کا اختیار علی کو دے دیا تو وہ تجھے اپنے کسی یتیم سے بیاہ دیں گے۔

اِس جملے کے برعکس اکثر نے خود اعتراف بھی کیا ہے کہ عون بن جعفر جس سے حضرت علی، سیدہ امِّ کلثوم کی شادی کروانا چاہتے تھے وہ خوب جواں تھے۔

کیا خوب جواں شخص پر جسکا باپ فوت ہو چکا ہو یتیم کا اطلاق ہوسکتا ہے؟ اگر ہو

سکتا ہے تو قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کی کسی کتاب سے یا لغت عربی ہی کی کسی کتاب سے اِس کا ثبوت تلاش کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ ویسے قارئین کے لیے صرف ایک حوالہ ہم پیش کر دیتے ہیں تاکہ فیصلہ کرنے میں آسانی ہو سکے کہ:

الیتیم "جمع یتامٰی ویتائم "من فقد اباہ ولم یبلغ۔

المنجد ص ۹۲۳

ترجمہ: یتیم جمع ہے یتامٰی اور یتائم کی اور یہ نابالغ بچے کو کہتے ہیں جس کا باپ فوت ہو گیا ہو۔

جبکہ ایک ناقابل تردید اور قطعی امر موجود ہے کہ یتیم کا اطلاق نابالغ بچے پر ہوتا ہے اور یتیم علی یعنی حضرت عون بن جعفر جو کہ صغیر صحابہ میں شامل ہیں اُس وقت بقول نام نہاد مصنفین کے بھی خوب جواں تھے تو اندریں صورت یہ کیسے ممکن ہے کہ سیدنا امامِ حسن اور امامِ حسین علیہما السلام نے بیک زباں انہیں یتیمِ علی کہہ دیا ہوگا۔

(لعنت اللّٰہ علی الکاذبین)

ایجاب وقبول کی عبارت کیوں؟

ایجاب وقبول کی عبارت کیوں بنائی گئی اِس بات کی سمجھ بھی نہیں آ رہی اس کو سمجھنے کے لیے پہلے خود ساختہ جملہ کو پھر سے غور کریں کہ:

"اپنے بھتیجے عون بن جعفر کی طرف پیغامِ نکاح بھیجا اور ایجاب و قبول کے بعد رخصتی کر دی"۔

جیسا کہ ہم پہلے بھی بتا چکے ہیں کہ زیرِ نظر وضعی عبارت میں یہ امر موجود ہی نہیں کہ مولائے کائنات نے جنابِ عون بن جعفر کو نکاح کا پیغام بھیج کر بلوایا اور ایجاب وقبول ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ جنابِ عمر کے ساتھ سیدہ امِّ کلثوم کے فرضی نکاح کی روایت میں بھی

اِس طرح کہیں ضروریاتِ نکاح یعنی ایجاب وقبول اور گواہوں وغیرہ کا ذکر نہیں ملتا البتہ مبلغ چالیس ہزار درہم حق مہر کا تذکرہ ضرور کیا گیا ہے مگر یہ خطیر رقم خود ساختہ دُلہن نے کب لی اور کہاں خرچ کی اِس کا سُراغ آج تک نہیں لگ سکا بلکہ اِس جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لیے مزید جھوٹ گھڑے گئے کہ جنابِ عمر کے گھر چالیس ہزار درہم فرضی مہر لینے والی کے پاس ایسی چادر بھی موجود نہ تھی جس سے وہ اپنا بدن چھپا کر اجنبی مہمان کے ساتھ کھانے میں شریک ہو سکتی؟

اتنی بڑی خیالی رقم کی مالکہ فرضی دُلہن نمک کی ڈلی اور تیل کے ساتھ روٹی کھایا کرتی تھی اور اُس نے کسی بادشاہ کی ملکہ کو تحفہ بھیجنا چاہا تو اُسے صرف دو دینار کی خوشبو میسر آسکی اور جب حاجت مندوں کو چادریں تقسیم کی جا رہی تھیں تو لوگوں نے اُس کی حالتِ زار پر ترس کھاتے ہوئے بچی ہوئی چادر اُسے دے دینے کی سفارش کی مگر یہ سفارش اِس لئے مسترد کر دی گئی کہ اُس کا بنتِ رسول ہونا فرض کر لیا گیا تھا۔

اور پھر جب اِس شادی کے تذکرہ کے ساتھ دوسری شادی کا اہتمام کیا گیا تو نمک کی ڈلی اور تیل سے روٹی کھانے والی یہ فرضی دُلہن خوب جواں یتیم کے افلاس کدے میں جانے کے بجائے کسی ایسے امیر کبیر سے شادی کی خواہشمند تھی جو اُسے دنیوی آسائش مہیا کر سکے اور پھر بات یہیں پر ہی نہیں ختم کر دی بلکہ اُس کے باپ نے اُس کے حق مہر کے چار ہزار درہم بھی اُسی وقت اُسے اپنی جیب سے ادا کر دیئے۔

یہ کیسی شادی ہے کہ اپنی بیٹی کا حق مہر خود باپ ادا کرتا ہے اور بغیر دولہا سے پوچھے بلکہ بغیر دولہا اور گواہوں کی موجودگی کے خود ہی نکاح کر کے بیٹی کو دولہا کے گھر بھیج دیتا ہے۔ صرف بھتیجے کے گھر ہی نہیں بلکہ جنابِ عمر کے ہاں بھی ایسے ہی بھیج دیا۔ (العیاذ باللہ)

ہم پوچھتے ہیں کہ کیا شریعت میں یہ نکاح ممکن ہے جس میں نہ گواہ ہوں اور نہ دولہا

سے پوچھا گیا ہو اور نہ دولہا اور دلہن نے ایجاب و قبول کیا ہو؟ جبکہ بخاری نے ایک باب مقرر کیا ہے" لا نکاح الا ببینۃ" یعنی گواہوں کے بغیر نکاح نہیں۔

بخاری شریف کتاب النکاح

آپ کا بھی یقینا جواب یہی ہو گا کہ ایسی صورت میں نکاح نہیں ہوسکتا اور اگر نہیں ہوسکتا تو جنابِ حضرت عمر کے ساتھ فرضی نکاح کے وقت بھی یہی صورت ہے صرف اِن دونوں نکاحوں میں فرق یہ ہے کہ پہلے نکاح کے وقت مہر کی رقم چالیس ہزار تھی جو شوہر نے ادا کرنا تھی اور جس سے ایک پائی بھی دُلہن کو حاصل ہونا ثابت نہیں کیا جاسکتا جبکہ دوسرے نکاح کے وقت مہر کی رقم چار ہزار تھی جو شوہر کے بجائے دُلہن کے باپ نے اُسی وقت ادا کر دی اِس لیے کہ اُس کا شوہر اکیس سالہ یتیم اور بیکار بچہ تھا۔

(نعوذ باللہ)

اِس روایت پر تبصرہ اِس وضاحت کے ساتھ ختم کیا جاتا ہے کہ اِس کا ایک ایک جملہ بغور پڑھ لیں آپ کو کہیں یہ الفاظ نہیں ملیں گے کہ دُلہن کے ساتھ اُس کے پہلے شوہر سے پیدا ہونے والے دو بچے بھی تھے جن میں ایک تین چار سال کا لڑکا زید الاکبر اور ایک دودھ پیتی بچی رقیہ بنتِ عمر تھی۔

راویوں کا تعارفی خاکہ:

خوارج کے پیش کردہ حوالہ جات ذخائر العقبیٰ اور تاریخِ خمیس کے راوی یہ ہیں:

محمد بن اسحٰق، اسحٰق بن یسار، حسن بن حسن بن علی

علامہ ذہبی اسحٰق بن یسار کا تعارف اِس طرح کرواتے ہیں کہ:

اسحٰق بن یسار والد ابن اسحٰق، قال! ابو الحسن دارِ قطنی لا تحتج بہ۔

یعنی اسحق کے باپ اسحق بن یسار کے بارے میں ابوالحسن دارِقطنی نے کہا اِس سے دلیل نہیں پکڑی جا سکتی یعنی وہ لائق احتجاج نہیں۔

نیز یہ کہ الاصابہ میں بھی اِسی ابن اسحق بن یسار کی بیان کردہ روایت ہے جسے الدولابی کی کتاب ذریتِ طاہرہ کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے حالانکہ اِس اسحق بن یسار اور الدولابی کی عمروں کے درمیان صدیوں کا فاصلہ موجود ہے۔

خوارج کی ایک اور بے ایمانی:

علاوہ ازیں یہ روایت سیدنا حسن بن حسن بن علی سے مرسل بیان کی گئی ہے کیونکہ سیدہ امِّ کلثوم کے پہلے فرضی نکاح کے وقت اُن کے برادرِ گرامی جنابِ امام حسن علیہ السلام کی اپنی عمر مبارکہ تیرہ سال تھی اور اِس دوسری شادی کے وقت بھی حسن بن حسن پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، تاہم خوارج نے بے ایمانی کرتے ہوئے اور دھوکا دینے کے لیے اِس روایت کے آخری جملہ کے ترجمہ میں ہاتھ کی صفائی ضرور دکھائی ہے مگر بے ایمانی سے صرف نامرادی ہی حاصل ہوتی ہے۔

روایت کا آخری جملہ یہ ہے کہ:

"قال حسن فواللہ ماسمعت بمثل عشق منہا لہ منذ خلقہا اللہ عزّوجل"۔

امامِ حسن خلیفہ بیان کرتے ہیں کہ امِّ کلثوم اور اُن کے خاوند کے درمیان جو یگانگت اور پیار و محبت میں نے دیکھی کسی جوڑے میں ایسی سننے اور دیکھنے میں نہیں آئی۔

یہ روایت ناقابل احتجاج راوی اسحق بن یسار نے جنابِ حسن بن حسن رضی اللہ عنہما سے منسوب کر کے بیان کی ہے اور اِس میں یہ نہیں بتایا گیا کہ جنابِ حسن بن حسن نے اِسے کس سے سنا تھا چونکہ یہ روایت منقطع اور مرسل تھی اِس لیے خوارج نے ترجمہ میں یہ چالاکی

دکھادی کہ حسن بن حسن کو امامِ حسن خلیفہ بنادیا یعنی یہ بات حسن بن علی نے کہی ہے۔

جبکہ ہم پوچھتے ہیں کہ آخر اِس چالاکی کی ضرورت کیا تھی جبکہ پوری کی پوری روایت ہی جھوٹ کا پلندہ ہے اگر یہ پوری روایت بھی بجائے حسن بن حسن کے امام حسن بن علی سے منسوب کی ہوتی تو بھی راویوں کا ناقابل حجت اور روایت کا خلافِ واقعہ ہونا ہی اس کا مسترد کردینے کے لیے کافی تھا۔

اپنی طرف سے لفظِ خلیفہ کا اضافہ کردینا سوائے بے حیائی اور دشمنی کے کچھ بھی نہیں اور پھر (**سمعت**) کا ترجمہ (دیکھا) صرف اس لیے کردینا کہ چونکہ جنابِ حسن بن حسن اِسے سنا ہوا قصہ بیان کررہے ہیں اور روایت میں یہ الفاظ موجود نہیں کہ کس سے سنا اِس لیے اِسے کسی شخص سے منسوب کردیا جائے جو چشم دید گواہ ہے۔

چونکہ یہ روایت ان وضعی روایات کا ایک حصہ ہے جنہیں واضعین نے حسبِ ضرورت راویوں کے نام سے تیار کرکے اکثر طور پر سیدنا محمد باقر علیہ السلام سے اور بعض نے جنابِ حسن بن حسن علیہما السلام وغیرہ سے منسوب کررکھا ہے اور ناقلین نے بھی اِس ملغوبہ کو جوں کا توں چوم چاٹ کر اپنی تصنیفات کا حصہ بنالیا حالانکہ اِن ناقلین میں اُن محدثین میں سے بھی بعض لوگ موجود ہیں جن کے اپنے قائم کردہ معیارِ حدیث پر یہ وضعی ملغوبہ کسی بھی طرح پورا نہیں اترتا۔

ہمارے سامنے خوارج کے پیش کردہ حوالوں کے علاوہ بھی اور بہت سے حوالے موجود ہیں جن میں اِس ملغوبہ کے لیے بعض واضعین نے دیگر سلسلہ ہائے اسناد کا انتخاب بھی کیا ہے مگر اُن کے رواۃ اِن سے بھی گئے گزرے ہیں جن کا تعارف پیش کیا جا چکا ہے، مثلاً اُسدالغابہ میں جنابِ حسن بن حسن تک اِس روایت کو اِس طرح پہنچایا گیا ہے۔

عبدالوہاب بن علی بن علی امین، ابوالفضل محمد بن ناصر، خطیب ابوطاہر محمد بن احمد بن

ابی الصغراء ابوالبرکات احمد بن عبدالواحد بن الفضل بن نظیف بن عبداللہ القراء ابومحمد الحسن بن رشیق ، ابوالبشر محمد بن احمد بن حماد الدولابی احمد بن عبدالجبار یونس بن بکیر ، ابن اسحق حسن بن حسن بن علی ابن ابی طالب ،

ان میں ابتدائی راویوں میں یہ لوگ ہیں ۔

۱۔ ابو بشر محمد بن احمد بن حماد الدولابی

۲۔ احمد بن عبدالجبار

۳۔ یونس بن بکیر

۴۔ محمد بن اسحق

۵۔ حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب علیہم السلام

پہلے راوی کے متعلق پہلے بھی بتایا جاچکا ہے تاہم دوبارہ پھر دیکھیں کہ محمد بن احمد بن حماد الحافظ ابو بشر الدولابی ،

"وقال ابن یونس! کان الدولابی من اھل الصنعت حسن التصنیف و کان یضعف ، ولد سنة اربع وعشرین ومائتین" ۔

میزان الاعتدال ج۳، ص۴۵۹

ترجمہ: محمد بن حماد حافظ ابو بشر دولابی ابن یونس نے کہا اِس کی تصنیف صنائع بدائع سے مرصع ہوتی ہے لیکن ضعیف ہے ۔

علاوہ ازیں یہ کہ صاحبِ اسد الغابہ نے اِس روایت کے راویوں کی خانہ پُری کی بھرپور کوشش کی ہے مگر دولابی نے جس شخص سے روایت لی ہے اُس کے اور اِس کے درمیان اب بھی دو تین صدیوں کا فاصلہ موجود ہے ۔

بہرکیف دوسرے راوی کا تعارف یہ ہے:

"احمد بن عبدالجبار العطاروی ، روی عن ابی بکر عیاش ،

قال مطين كان يكذب . قال دارِ قطني لابأس به قد اثنى عليه ابو كريب، واختلف فيه شيوخنا ولم يكن من اصحاب الحديث، وقال ابوحاتم ليس بالقوى . وقال ابن ابى عدى كان ابن عقدة لايحدث عنه "۔

میزان الاعتدال ج۳، ص۴۵۹

احمد بن عبد الجبار عطاروی ابی بکر عیاش سے روایت کرتا ہے، مطین نے کہا یہ جھوٹا ہے، دارِقطنی نے کہا اگر ابو کریب اِس کی روایت کی تحسین کر دے تو کچھ حرج نہیں، ذہبی نے کہا ہمارے شیوخ کا دارِقطنی کی بات سے اختلاف ہے کیونکہ احمد بن عبد الجبار اصحابِ حدیث سے نہیں، ابو حاتم نے کہا قوی نہیں، ابن عدی نے کہا ابن عقدہ اُس سے حدیث نہیں لیتے تھے۔

تیسرے راوی یونس بن بکیر ہیں بعض محدثین کے نزدیک ثقہ بھی ہیں مگر اکثر نے انہیں ثقہ نہیں مانا۔

"یونس بن بکیر واصل الشيبانى، روى عن الاعمش وهشام بن عروه وابن اسحق، قال ابن معين صدوق، وقال ابو حاتم محله الصدق، وقال ابوزرعه اما فى الحديث فلا لا اعلمه ممايىنكر عليه، وقال ابوداؤد ليس بحجة عندى ياخذ كلام ابى اسحق فيوصله بالحديث . وقال ابن معين ايضاً ثقة الاانه مرجئ يتبع السلطان، وقال نسائى ليس بالقوى، وقال العجلى كان يونس على المظالم لجعفر بن برمك ضعيف الحديث وقال النسائى مرة . ضعيف، وقال العجلى هو وابنه بكر بعض الناس يضعفونهما . وقال ابن معين ثقه، وقال ابن المدائنى قد كتبت عنه ولست احدث عنه، وقال محمد بن عثمان بن ابى شيبة قال لى يحيى الحمانى لاستحل

الروایة عنه مات سنة تسع وتسعین ومائة"۔

میزان الاعتدال ج۴، ص۴۷۸

ترجمہ: یونس بن بکیر بن واصل شیبانی ، اعمش ، ہشام بن عروہ ، اور ابن اسحق سے روایت کرتے ہیں ، ابن معین نے کہا سچا ہے ، ابوحاتم نے کہا اُس کا محل صدق ہے ، ابو زرعہ نے کہا میں نے اُس کا انکار کرتے کسی کو نہیں دیکھا، ابو داوٗد نے کہا میرے نزدیک وہ حجت نہیں وہ ابی اسحق کی باتیں حدیث میں ملا دیتا ہے ، ابن معین نے یہ بھی کہا کہ وہ مرجیئ اور بادشاہ کا اطاعت گزار ہے، نسائی نے کہا قوی نہیں، عجلی نے کہا یونس جعفر برمکی کا کارندہ اور ضعیف ہے، نسائی نے ایک مرتبہ کہا ضعیف ہے ، عجلی نے کہا اُسے اور اُس کے بیٹے کی بعض لوگوں نے تضعیف کی ہے، ابن معین نے کہا ثقہ ہے، ابن مداینی نے کہا میں نے اُس سے لکھا ہے مگر اُس سے حدیث نہیں لی ، محمد بن عثمان بن ابی شیبہ نے کہا مجھے یحییٰ حمانی نے کہا اُس سے روایت لینا جائز نہیں یونس بن بکیر سنہ ۱۹۹ ہجری میں فوت ہوئے۔

محمد بن اسحق ہے جس پر گزشتہ صفحات میں اُس کے باپ کے حوالہ سے گفتگو ہو چکی ہے تاہم وہاں اُس نے اپنے باپ کی وساطت سے جناب حسن بن حسن تک روایت پہنچائی تھی جبکہ یہاں باپ کا واسطہ منقطع کرتے ہوئے لمبی اور سیدھی چھلانگ سے براہِ راست حسن بن حسن تک پہنچ گیا۔

پانچواں نمبر سیدنا حسن بن حسن ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے جن کے بارے میں گفتگو ہو چکی ہے کہ یہ روایت اُن سے منسوب کی گئی ہے اور وہ اِن دونوں نکاحوں کے وقت ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔

اُسد الغابہ ایک اور روایت:

چونکہ اُسد الغابہ میں نقل کیئے گئے ملغوبہ کی ایک روایت کے رواۃ پر بات چل رہی تھی لہٰذا یہاں اِس کتاب کی اُس روایت پر بھی ہلکا سا تبصرہ کر لیتے ہیں جو خوارج نے اپنے مؤقف میں پیش کی ہے۔

"قال انی مفارقکم فبکت امّ کلثوم من وراء الحجاب فقال لها اُسکتی فلوترین ما اراى لمابکیت قال فقلت یاامیر المؤمنین ماذا اترای قال هٰذهِ الملائکة وفودوالنبیون وهٰذا محمد صلی الله علیه (وآله) وسلم یقول یاعلی البشر تما تصیر الیه خیرمما انت فیه هٰذه امّ کلثوم هی ابنة علی زوج عمر بن الخطاب"۔

اسد الغابہ ج۴، ص۳۸

ترجمہ: جنابِ علی المرتضیٰ نے حاضرین سے فرمایا کہ میں تمہیں چھوڑے جا رہا ہوں، اس پر امّ کلثوم پردے کے پیچھے سے رو پڑیں، آپ نے اُسے فرمایا کہ چپ کر جا، اگر تجھے وہ کچھ نظر آتا جو میں دیکھ رہا ہوں تو تجھے رونا نہ آتا، پوچھا اے امیر المؤمنین آپ کو کیا دکھائی دے رہا ہے؟ فرمایا یہ فرشتوں کی جماعت اور گروہِ انبیاء کھڑا ہے اور یہ ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو فرما رہے ہیں اے علی تمہیں خوشخبری ہو جدھر تم جا رہے ہو وہ اِس سے کہیں بہتر ہے۔ جس میں اُس سے پہلے تم تھے، یہ امّ کلثوم علی المرتضیٰ کی صاجزادی اور عمر بن الخطاب کی زوجہ تھیں۔

اِس پوری روایت پر تبصرہ کی قطعاً ضرورت نہیں اِس لیے کہ یہ ایک قرار واقعی حقیقت ہے مگر اِس کا آخری جملہ یقیناً توجہ طلب ہے جس میں روایت نقل کرنے والے

نے اپنی طرف سے سیدہ امِّ کلثوم کا یہ تعارف پیش کیا ہے کہ:

"ھٰذہٖ امِّ کلثوم ھیَٔ ابنۃ علی زوج عمر بن الخطاب"۔

ترجمہ: یہ امِّ کلثوم حضرت علی کی بیٹی اور حضرت عمر بن الخطاب کی بیوی ہیں۔

سیدہ امِّ کلثوم کی پہلی اور دوسری شادی کے بارے میں روایتیں ملاحظہ کر چکے ہیں پہلی یقینا فرضی تھی اور دوسری یقینا حقیقی تاہم حقیقی شادی کو پہلی شادی کا ضمیمہ بنانے کے لیے جو روایت گھڑی گئی وہ یقینا جھوٹی اور وضعی ہے۔

بتانا صرف یہ ہے کہ اگر سیدہ امِّ کلثوم کی پہلی شادی جنابِ عمر سے ہوئی بھی ہوتی تو یہاں یہ تعارف کیسے درست ہوسکتا ہے جبکہ آپ اِس وقت سیدنا جعفر طیار رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے بیٹے کے نکاح میں تھیں اور اِس نکاح کو سترہ برس کا طویل عرصہ گزر چکا ہے۔ حالانکہ جنابِ عمر کے ساتھ فرضی نکاح کے بعد اُن کے گھر میں رہنے کا فرضی دورانیہ چھ سال ہے۔

کیا مصنفین یہ بتا سکتے ہیں کہ سترہ برس کی موجودہ ازدواجی زندگی پر ابتدائی فرضی چھ سالہ ازدواجی زندگی کو کیوں ترجیح دی گئی کیا کسی خاتون کا تعارف صرف اُس کے پہلے شوہر کے حوالہ سے کرانا ہی ضروری ہے یا موجودہ شوہر کا بھی کچھ حق ہوتا ہے کہ اُس کا ذکر بھی تعارف کا حصہ بن سکے۔

بہر کیف! جھوٹ ہزار پردوں میں بھی جھوٹ ہی رہتا ہے مگر معلوم یہ ہوتا ہے کہ بعض لوگ اِس فرضی نکاح نامے پر دستخط کرنے کے لیے اِس قدر بے چین ہیں کہ جہاں بھی انہیں سیدہ امِّ کلثوم کا نام لکھا ہوا نظر آتا ہے وہاں حضرت عمر سے شادی کا ذکر ضرور ٹھونس دیتے ہیں۔

ابنِ شہاب زہری:

نکاحِ امِّ کلثوم کی روایت کے راویوں میں بعض لوگوں نے ابن شہاب زہری کا نام بھی شامل کر رکھا ہے ۔شارحین حدیث اس روایت کے دیگر محل نظر پہلو نمایاں کرنے کے علاوہ اس امر کو بھی خلجانِ طبع کا باعث قرار دیتے ہیں کہ زہری کے اس قول میں ترتیبِ واقعات جو برقرار نہیں رکھا گیا۔

چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ نے زہری کے بارے میں ان الفاظ کا ذکر کیا ہے کہ: "ابن شہاب زہری منقطع ہے"۔

پھر اعلیٰ حضرت امامِ اہلسنت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں زہری کو محدثین پا برا ہوا کہتے ہیں۔

رسائل رضویہ ج ۲، ص ۱۶۹

پھر شیخ المحققین شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ ابن شہاب زہری کا تعارف پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وہ اگرچہ تابعی ہیں مگر نہایت چھوٹی عمر کے تابعی ہیں، یعنی کسی سے روایت کے لینے یا روایت کے محفوظ کرنے کی اس وقت ان میں صلاحیت نہیں تھی یہی وجہ ہے کہ اُن کی بیان کردہ متصل روایتوں کے راوی ضعیف ہوتے ہیں"۔

مزید تسلی کے لیے اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ کی عبارت بھی ملاحظہ فرمائیں:

"زہری تابعی است وتابعی صغیر است ورجال آں اسناد کہ بطریق ارسال آمدہ قوی تر اند ومضبوط تر اند بخلاف اسناد متصل کہ بعضے رجال وے ضعیف اند"۔

اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ج ۳، ص ۵۲۷

ترجمہ: زہری تابعی ہے لیکن صغیرسن تابعی ہے اور اس کے رجال جو بطریق مرسل آئے ہیں وہ قوی اور مضبوط ہیں، جب کہ اس کے برعکس متصل اسناد کے بیان کردہ بعض راوی ضعیف ہوتے ہیں۔

اندریں حالات ان مرسل اور منقطع روایات کو فضائل ومناقب میں نہیں بلکہ ایک واجب الاحترام ہستی کے گھرانے کے خلاف استعمال کرنا زبردستی اور تحکم نہیں تو اور کیا ہے۔

صحاحِ ستہ کی روایات:

پوری کوشش کے ساتھ عقدِ امِّ کلثوم کے ضمن میں آنے والی بہت سی روایات جمع کی گئی ہیں جن میں بخاری کی ایک روایت سے بھی اپنے مؤقف میں استفادہ کرلیا گیاہے مگر مزعومہ صحاحِ ستہ میں ایک اور بھی روایت ہے۔جو یا تو اِن لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل رہ گئی یا اُسے دانستہ نقل نہیں کیا کیونکہ اُس میں اِن کے پیش کردہ دیگر بہت سے حوالوں کی تردید پائی جاتی ہے۔

بہرکیف! یہ روایت نسائی شریف میں موجود ہے کہ جس میں بخاری وغیرہ کی روایتوں کی طرح عقدِ امِّ کلثوم کا تذکرہ تو موجود نہیں تاہم سیدہ امِّ کلثوم بنتِ علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالےٰ عنہم کا جنابِ عمر کی بیوی ہونا ثابت کیا جاسکتا ہے ذرا غور کریں کہ:

"اخبرنا محمد بن رافع قال انبأنا عبدالرزاق قال انبأنا ابن جریج قال سمعت نافعا یزعم ان ابن عمر صلی علی تسع جنائز جمعیا ، فجعل الرجال یلون الامام والنساء یلین القبلۃ فصفھن صفا واحدا وضعف جنازۃ امِّ کلثوم بنت علی امرأۃ عمر بن الخطاب وابن لھا یقال لہ زید وضعا جمیعاً والامام یومئذٍ سعید بن العاص وفی الناس ابن عمر وابوھریرۃ وابوسعید وابوقتادہ فوضع الغلام ممایلی الامام"۔ (نسائی شریف ج۱ ، ص۲۸۰)

ترجمہ: ہمیں محمد بن رافع نے انہیں عبدالرزاق نے خبر دی کہا کہ ہمیں ابن جریج نے بتایا کہ میں نے نافع سے سنا اُن کا گمان تھا کہ حضرت عبداللہ ابن عمر نے نو جنازوں پر اکٹھی نماز پڑھی مردوں کے جنازوں کو امام کے پاس اور عورتوں کے جنازوں کے قبلہ کی طرف رکھا گیا اور اِن سب کو ایک ہی

صف شمار کیا اور امِّ کلثوم بنت علی زوجۂ عمر بن خطاب اور اُن کے بیٹے زید کا جنازہ بھی اِن تمام کے ساتھ رکھا اور اُس روز امام سعید بن عاص تھے اور لوگوں میں ابن عمر، ابو ہریرہ ابو سعید اور ابو قتادہ بھی امامت کرتے تھے پس لڑکے کا جنازہ امام کے پاس رکھا۔

اِس روایت کے ہر راوی پر مطلق جرح ہو سکتی ہے علاوہ ازیں اِس میں ابن جریج سے روایت کرنے والے عبدالرزاق بھی ہیں جو باوجود ثقہ ہونے کے جنابِ معاویہ کے بارے میں یہ روایت لائے ہیں کہ:

"عن ابی سعیدٍ مرفوعاً اذا رایتم معاویۃ علی منبری فاقتلوہ"۔ (میزان الاعتدال للذہبی ج۲، ص۶۱۳)

ترجمہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جب تم معاویہ کو میرے منبر پر دیکھو تو اُسے قتل کر دو۔

بہر کیف راویوں پر جرح کا حق محفوظ رکھتے ہوئے اِس روایت کی عبارت کو زیرِ تبصرہ لانے پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

عجائبات میں سے ایک عجوبہ:

اِس روایت میں پہلا عجوبہ یہ ہے کہ ابتدائی راوی کوئی یقینی حدیث، روایت یا واقعہ بیان نہیں کر رہے بلکہ انہوں نے اپنا گمان ظاہر کیا ہے اور گمان گمان ہی ہوتا ہے یقین نہیں ہوتا۔

2۔ عجوبہ:

اِس روایت میں ایک عجوبہ یہ ہے کہ متعدد کتابوں سے پیش کردہ روایت کے برعکس اِس میں بتایا گیا ہے کہ جنابِ عبداللہ ابن عمر نے اکٹھے نو جنازوں پر بیک وقت نماز پڑھی جن میں جنابِ امِّ کلثوم اور اُن کے بیٹے کا جنازہ بھی شامل تھا جبکہ اُس

روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمر نے جنابِ امِّ کلثوم اور اُن کے بیٹے کے صرف دو جنازوں پر بیک وقت نماز پڑھی اب یا تو متعدد کتابوں سے پیش کردہ اُس روایت کو باطل کہنا پڑے گا جس میں دو جنازے اکھٹے پڑھائے گئے یا نسائی کی اِس روایت کو باطل قرار دینا ہوگا جس میں اکٹھے نو جنازوں پر بیک وقت نماز پڑھنے کا تذکرہ ہے۔

3۔ عجوبہ:

اِس روایت میں تیسرا عجوبہ یہ ہے کہ اِس سلسلہ کی دیگر روایتوں کی طرح اِس میں جنابِ ابن عمر اور جنابِ سعید بن عاص ہر دو کو بیک وقت امام ظاہر کیا گیا ہے اور قطعی فیصلہ نہیں ہو پاتا کہ اِن (دونوں) حضرات میں سے یقینی طور پر کس نے نماز پڑھائی گویا تمام سلسلہ ظن وگمان پر ہی چل رہا ہے۔

سب سے بڑا عجوبہ:

اِس روایت میں سب سے بڑا عجوبہ یہ ہے کہ اِس میں سیدہ امِّ کلثوم کے فرضی بیٹے کے لیے یہ جملہ بیان کیا گیا ہے کہ " فوضع الغلام ممایلی الامام" یعنی لڑکے کا جنازہ امام کے پاس رکھا گیا ہے۔

روایت بنانے والے نے جب ماں بیٹے کا تذکرہ کرنا چاہا تو اُس کے ذہن میں ایک روایتی صورت تھی کہ ایک ماں کے جنازہ کے ساتھ اُس کے چھوٹے سے لڑکے کا جنازہ بھی رکھا ہوا تھا۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ غلام کا معنی لڑکا ہے اور یہ لفظ زیادہ سے زیادہ عنفوانِ شباب کی عمر تک استعمال ہوتا ہے جبکہ جوان آدمی کے لیے لفظِ شباب مستعمل ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ سیدہ امِّ کلثوم کے جس فرضی بیٹے کو اِس روایت میں غلام کہا گیا ہے کیا حقیقتاً

اُس کی کتنی عمر فرض کی جاسکتی ہے۔

خوارج کے مطابق یہ دونوں اموات ایک ہی روز بلکہ ایک ہی ساعت میں سن ۵۱ھ یا ۵۴ھ میں واقع ہوئیں۔ اِس سے پہلے متعدد بارہم بیان کرچکے ہیں کہ اگر سیدہ امِّ کلثوم کے اِس فرضی نکاح کو مان لیا جائے اور جنابِ عمر کے پیدا ہونے والے زید نامی اُن کے فرضی بیٹے کو تسلیم کرلیا جائے تو اُس کی ولادت اپنی بہن رقیہ سے قبل جنابِ حضرت عمر کی زندگی میں ہو چکی ہوگی۔

چونکہ جنابِ عمر کی شہادت کے وقت اُن کی اولاد میں سے سب سے چھوٹی زینب نامی لڑکی تھی لہٰذا رقیہ بنتِ عمر کی عمر ایک یا دو سال اور اُس کے بڑے بھائی زید کی عمر تین یا چار سال سے کم متصور نہیں ہوسکتی۔

اِس سیدھے سے حساب کے مطابق جنابِ زید بن عمر کی ولادت ۱۶ھ میں ہوتی ہے جبکہ وفات کا سال اگر ۵۴ھ ہو تو اُن کی عمر ۳۵ سال بنتی ہے اور اگر ۵۱ھ تسلیم کریں تو ۳۲ سال بنتی ہے جبکہ ۳۵ یا ۳۲ برس کے شخص پر غلام کا اطلاق نہیں ہوتا گویا جس طرح واضعین پہلے امِّ کلثوم بنتِ ابوبکر اور جنابِ حضرت عمر کو اور بعد میں امِّ کلثوم بنت علی اور حضرت عمر کو نوجوان جوڑوں کی خیالی صورتوں میں متصور کئے ہوئے ہیں اِسی طرح یہاں زید بن عمر کو بھی ایک چھوٹا سا نوخیز لڑکا تصور کئے ہوئے ہیں۔

حالانکہ تاریخی اعتبار سے جنابِ عمر کی عمر مبارک فرضی شادی کے ایام میں ستاون برس، حضرت امِّ کلثوم بنتِ ابوبکر کی عمر مبارک چار برس اور امِّ کلثوم بنتِ علی کی عمر مبارک سات سال تھی، ایسے ہی زید بن عمر کی عمر اُن کی وفات کے وقت پینتیس سال یا کم از کم بتیس سال بنتی ہے۔ اور اِس عمر کے شخص کا اطلاق لفظِ غلام پر نہیں ہوسکتا۔

بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی:

قارئین یوں تو زیرِ بحث روایت کا ہر زاویہ پکار پکار کر اِس کے مبنی بر کذب ہونے کی گواہی دے رہا ہے مگر اِس کی جو صورت ہم اب بیان کرنے والے ہیں اِس کے پیشِ نظر اور پسِ منظر میں تو اِس روایت کو حضرت عمر کے ساتھ نکاحِ امِّ کلثوم کی دلیل بنانے والوں کا جنازہ نکل جاتا ہے۔ کیونکہ مشہور کہاوت ہے کہ بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی ایک نہ ایک دن وہ چھری کے نیچے ضرور آہی جاتی ہے یہی بات ہے کہ کب تک روایات گھڑتے رہیں گے ایک نہ ایک دن سب حقیقت سامنے آہی جائے گی۔

امِّ کلثوم اور اُن کے بیٹے زید بن عمر کی نمازِ جنازہ کے بیک وقت پڑھے جانے کے بارے میں جو حوالے پیش کئے ہیں اُن کے اقتباسات کی چند جھلکیوں پر پھر سے غور کر لیں تاکہ سمجھنے میں آسانی رہے کہ:

۱۔ سب سے پہلے منتخب التواریخ سے یہ عبارت دیکھیں کہ:

"اخرجت جنازۃ امِّ کلثوم بنت علی و ابنها زید بن عمر و فی الجنازۃ الحسن و الحسین و عبد اللہ ابن عمر"۔

۲۔ امِّ کلثوم کا امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ کی موجودگی میں مدینہ میں انتقال ہوا اور اتفاق کی بات ہے کہ اُسی روز اُن کے بیٹے زید بن عمر کا انتقال ہوا۔

۳۔ امِّ کلثوم جو حضرت عمر کی زوجہ تھیں اِن کی نمازِ جنازہ میں اِن کے دونوں حقیقی بھائی امامِ حسن اور امامِ حسین شریک تھے۔

۴۔ امِّ کلثوم کا نکاح حضرت عمر سے ہوا اُس سے زید پیدا ہوئے زید اور اُن کی ماں امِّ کلثوم کا ایک ہی دِن انتقال ہوا دونوں کا جنازہ ایک ساتھ ہوا جس میں حسنین کریمین شامل ہوئے تھے۔

تاہم شیعوں کی کتابوں کے حوالاجات سے یہ بات سامنے آ گئی تھی کہ امّ کلثوم اور اُس کے بیٹے کی نمازِ جنازہ پڑھنے والوں میں ایک ایسے بزرگ کا بھی نام آتا ہے جن کا وصال اِس نمازِ جنازہ سے ایک عرصہ پہلے ہو چکا تھا چنانچہ اِس نے اِس سلسلہ کی روایات نقل کرنے کے بعد انتہائی چالاکی سے عبارت کا وہ حصہ حذف کر دیا ہے جس سے ان کے جھوٹ کا پول کھل جانا لازمی تھا، بہرحال جھوٹ کا یہ پول تو اب بھی کھل ہی رہا ہے آپ اِن کی حذف کردہ عبارتیں ذرا غور سے پڑھیں کہ:

۱۔ "ماتت امّ کلثوم و ابنھا زید فی وقت واحد و صلی علیھما ابن عمر قدمہ الحسن بن علی"۔

تاریخ الخمیس دیار بکری، ج۲، ص۲۸

ترجمہ: امّ کلثوم اور اُس کا بیٹا زید ایک ہی وقت میں فوت ہوئے اور اُن پر ابن عمر نے نماز پڑھی جنہیں امام حسن بن علی نے آگے کر دیا تھا۔

۲۔ "ثم مات ھو زید بن عمر و امہ فی وقت واحد و صلی علیھما ابن عمر قدمہ الحسن بن علی"۔

الاستیعاب حاشیہ الاصابہ ج۴، ص۴۹۲

ترجمہ: پھر یہ زید بن عمر اور اُس کی ماں ایک ہی وقت میں فوت ہو گئے اور اِن پر عبداللہ ابن عمر نے نماز پڑھی جنہیں امام حسن بن علی نے امامت کے لیے آگے کیا تھا۔

۳۔ باخبار وکیع بن جراح از زید بن حبیب از شعبی ہم مثل اور مزید یہ کہ عبداللہ بن عمر پیچھے حسن حسین پسران ِ علی اور محمد بن حنفیہ اور عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن جعفر شامل تھے۔

طبقاتِ ابن سعد ج۸، ص۴۸۳

۴۔ باخبار عبیداللہ بن موسیٰ باخبار اسرائیل از سدی از عبداللہ میں ابن عمر کے پاس موجود تھا آپ نے امِّ کلثوم اور زید کی ایک ساتھ نماز پڑھائی اور امام کے متصل جنازہ رکھا، نمازِ جنازہ پڑھنے والوں میں جنابِ حسن اور حسین بھی موجود تھے۔

طبقاتِ ابنِ سعد ج۸، ص۴۸۴

ایک عجوبہ اور وہ بھی عجیب سا:

ایک اور عجوبہ ہے اور وہ بھی عجیب سا عجوبہ ہے کہ اِن مصنفین (جو سیدہ معصومہ کے عقدِ نکاح پر من گھڑت روایات کو پیش کر رہے ہیں) کی تحقیق کے مطابق امِّ کلثوم زوجۂ عمر اُن کے بیٹے زید بن عمر کی نمازِ جنازہ پڑھنے والوں میں سیدنا امامِ حسن علیہ السلام کا اسمِ گرامی بھی شامل ہے اِس امر کو ذہن میں رکھتے ہوئے اب چند مصنفین کی تحقیق کے مطابق امِّ کلثوم زوجۂ عمر اور اُن کے بیٹے کی وفات کا سال غور سے آنکھیں کھول کھول کر عقل کے پردہ کو پھاڑ کر حقیقت کو ملاحظہ فرمائیں کہ:

امِّ کلثوم بنتِ علی المرتضیٰ جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عقد میں تھیں یہ امِّ کلثوم کبریٰ کے نام سے مشہور ہیں یہ کربلا نہیں گئیں اِن کا وصال ۵۴ھ سے قبل ہی ہو گیا تھا جبکہ واقعۂ کربلا ۶۰ھ میں رونما ہوا۔

"امِّ کلثوم الکبریٰ بنتِ امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب زوجۃ عمر بن الخطاب توفیت باالمدینۃ وسلطنت معاویۃ وامارۃ سعید بن العاص علی المدینۃ وذالک قبل ۵۴ھ"۔

بحوالہ اعیانِ الشیعہ ج۳، ص۴۸۵

نام نہاد مصنفین مختلف حوالوں کی روشنی میں ایک طویل بحث نقل کر لینے کے بعد ماحاصل کلام یوں نکالتے ہیں کہ:

ا۔ سیدہ امِّ کلثوم بنت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کا وصال ۵۴ ھ کے لگ بھگ ہوا ہے یہ وہی صاحبزادی ہیں جن کی والدہ سیدہ خاتونِ جنت فاطمۃ الزہراء ہیں۔

اکثر کتابوں میں جنابِ امِّ کلثوم زوجۂ عمر اور اُن کے بیٹے زید بن عمر کی وفات کا سال ۵۱ ھ بتایا گیا ہے تاہم خارجیوں کی تحقیق مزید کے مطابق اُن کی وفات کا سال ۵۴ ھ بتایا جا رہا ہے۔

اب صورتِ حال یہ ہے کہ اِن ہستیوں کے فوت ہونے کا تعلق ۵۴ ھ سے ہو یا ۵۱ ھ سے دونوں صورتوں میں سیدنا امامِ حسن علیہ السلام کی اِن کے جنازہ میں شرکت ناممکن اور محال ہے، کیونکہ امامِ عالی مقام سید امامِ حسن علیہ السلام ثقہ روایت کے مطابق ۴۹ ھ میں مقامِ شہادت پر فائز ہو چکے تھے اور اِس حقیقت کے اظہار کے لیے سینکڑوں حوالہ جات پیش کیئے جا سکتے ہیں اور یہ امر خارجیوں سے بھی پوشیدہ نہیں بلکہ وہ اپنی کئی ایک تصانیف میں اس حقیقت کا اعتراف بھی کرتے ہیں لیکن یہاں پر آ کر معلوم نہیں کس وجہ سے امامِ حسن کا ثبوت پیش کر رہے ہیں۔

اب جبکہ یہ حقیقت کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ وہ روایت جس میں بتایا گیا ہے کہ امِّ کلثوم بنت علی اور اُن کے بیٹے زید بن عمر کا انتقال ایک ہی وقت ہوا۔ ہر زوایہ سے جھوٹی اور بناوٹی ہے تو اِسے جنابِ عمر کے ساتھ سیدہ امِّ کلثوم کے نکاح کی دلیل کس طرح بنایا جا سکتا ہے، اندازہ فرمائیں کہ اُس روایت کو کس طرح درست مان لیں جس میں نہ جنازہ پڑھانے والوں کا تعین موجود ہے اور نہ ہی وہ لوگ اِس دنیا میں موجود ہیں جن کا نام نمازِ جنازہ پڑھنے والوں میں بیان کیا جاتا ہے۔

معصومہ، طیبہ، مظلومۂ کربلاہ سیدہ امِّ کلثوم کی حیاتِ طیبہ کا اہم واقعہ:

انِ تمام تر وضاحتوں کے بعد یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ سیدہ امِّ کلثوم بنتِ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما وہ امِّ کلثوم نہیں جو ۵۱ھ یا ۵۴ھ میں مدینہ منورہ میں اپنے بیٹے زید بن عمر کے ساتھ وفات پا گئی تھیں کیونکہ یہ روایت کسی بھی صورت میں درست ثابت نہیں ہوتی۔

بایں ہمہ خارجیوں کے اِس دعوے کی تردید کے لیے چند حوالے پیش کیئے جاتے ہیں کہ:

" کربلا معلی میں تشریف لے جانے والی امِّ کلثوم بنت علی سیدہ فاطمۃ الزہراء کی بیٹی نہیں بلکہ وہ تو مولائے کائنات سیدنا علی المرتضیٰ کی کسی دوسری بیوی کی بیٹی تھی یا حضرت مسلم بن عقیل کی بیوی امِّ کلثوم تھی"۔

جبکہ نام نہاد مصنفین یہ بات کر کے چیلنج بھی کر دیتے ہیں کہ اہلسنت کی کسی معتبر کتاب سے ایک مسند، مرفوع، اور صحیح جو اہلسنت کے نزدیک معتبر ہو اُس سے نجفی یا اُن کے مذہب کا کوئی مجتہد یہ ثابت کر دے کہ سیدہ امِّ کلثوم بنتِ فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا بمع اُن کے خاوند کے نام کے کربلا میں موجود تھیں تو اِس پر ہزاروں روپے انعام کا وعدہ کیا گیا ہے۔ خیر ہم اُس انعام کی طرف یا اُن کی باتوں کی طرف توجہ نہیں دیتے صرف اتنا کہنا لازمی سمجھتے ہیں کہ: اے اللہ اہلبیت کے اوپر گندگی پھینکنے والوں کو ہدایت عطاء فرما۔ (آمین)

پھر یہ ایک ہی سوال پوچھنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جنابِ والا! نکاحِ امِّ کلثوم کے سلسلہ میں تم نے جتنی بھی روایات پیش کی ہیں اِن میں کتنی مرفوع ہیں اور کتنی مسند ہیں، یا کتنی موضوع ہیں؟ صرف اِس ایک سوال کا جواب طلب ہے اگر وہ مصنفین اِس دنیا کو چھوڑ کر چلے جا چکے ہیں تو پھر اُن کے وُرثا سے اِس سوال کا جواب مطلوب ہے۔

طبقاتِ ابنِ سعد کی روایت پر غور کرنے کی گزارش:

فریقین کی بدقسمتی یہ ہے کہ جس روایت کو بھی اپنے مؤقف میں پیش کرتے ہیں اُس کا کچھ حصہ اِنہیں درست معلوم ہوتا ہے اور کچھ حصہ الحاقی نظر آنے لگتا ہے کیونکہ جس روایت کو طبقات ابن سعد سے حوالے کے طور پر پیش کررہے ہیں اُس میں بد دیانتی یوں کررہے ہیں روایت کے ابتدائی حصہ کو چھوڑ کر اگلے حصہ کو لے رہے ہیں ذرا غور کریں کہ:

" ثم خلف علی ام کلثوم بعد عمر عون بن جعفر فتوفی عنها ثم خلف علیها اخوه محمد بن جعفر فتوفی عنها فخلف علیها اخوه عبداللہ بن جعفر بعد اختها زینب"۔

طبقاتِ ابنِ سعد ج۸، ص۲۳۶

اِس عبارت میں واضح طور پر یہ الفاظ موجود ہیں کہ جنابِ زینب کے بعد یعنی حضرت زینب کے فوت ہونے کے بعد حضرت امِّ کلثوم نے حضرت عبداللہ بن جعفر سے نکاح کیا لیکن خارجیوں نے یہ روایت نقل کرنے کے بجائے ابن حزم کی رسوائے زمانہ کتاب جمہرۃ الانساب کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب عبداللہ بن جعفر نے حضرت زینب کو طلاق دے دی تو حضرتِ امِّ کلثوم نے اُن سے نکاح کرلیا۔

اگر خارجیوں کے بس میں ہوتا کہ بعد کا ترجمہ طلاق کرلیں تو یقیناً یہ ایسا ہی کرلیتے اور اگر یہ ایسا کرلیتے تو ہم اِسے طبقات ابن سعد مترجم پڑھنے کا مشورہ دیتے جس میں ہے کہ" پھر آپ کی بہن حضرت زینب کے فوت ہونے کے بعد حضرت عبداللہ بن جعفر نے آپ سے نکاح کیا"۔

طبقاتِ ابنِ سعد مترجم ج۸، ص۴۸۲

طبقات ابن سعد کی اگر یہ روایت ان کے نزدیک محل نظر ہے تو اِس روایت کا سیاق

کیوں محلِّ نظر نہیں اور اگر درست ہے تو اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت امِّ کلثوم بنتِ علی حضرت زینب بنت علی کی وفات کے بعد بقیدِ حیات تھیں اور حضرت زینب کا میدانِ کربلا میں موجود ہونا اِن کے نزدیک قطعی طور پر درست اور مسلّم ہے۔

اب جبکہ سیدہ زینب بنت علی بلا اختلاف ۶۱ھ میں کربلا میں موجود ہیں اور سیدہ امِّ کلثوم بنتِ علی حضرت زینب کی وفات کے بعد اُن کے شوہر کے نکاح میں آتی ہیں تو اُس خاتون کو امِّ کلثوم بنتِ علی کیسے تسلیم کرلیا جائے جو خارجیوں کی تحقیق کے مطابق ۵۱ھ یا ۵۴ھ میں اُس روز انتقال کرگئیں جس روز اُن کا بیٹا زید بن عمر فوت ہوا۔

پھر یہ روایت بھی دیکھیں اور فیصلہ کریں:

السیدۃ زینب امِ کلثوم ابنۃ سیدنا علی ابن ابی طالب من السیدۃ فاطمۃ الزھراء (رضی اللہ عنھم) اجمعین وھیٔ زوجہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال الحورانی فی کتاب "الاشارات فی اماکن الزیارات" تزوجھا عمر واصدقھا اربعین الفا، وولدت لہ زیدا المقلب بذی الھلالین ولم یبق لعمر منھا عقب،

توفیت رضی اللہ عنھا بغوطۃ دمش عقبیب محنۃ اخیھا الحسین رضی اللہ عنہ۔

جامع کراماتِ الاولیاء للنبھانی، ج۱، ص۱۶۲

ترجمہ: سیدہ زینب، امِّ کلثوم سیدہ فاطمۃ الزہراء کے بطن مبارک سے سیدنا علی ابن ابی طالب (رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین) کی بیٹی عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ کی بیوی ہیں۔ حورانی نے اپنی کتاب "الاشارات فی اماکن زیارات" میں لکھا ہے کہ اُن کی شادی حضرت عمر سے ہوئی اور چالیس ہزار مہر مقرر ہوا اور انہوں نے حضرت عمر کے بیٹے زید ذی الہلالین کو جنم دیا اور اُن سے حضرت عمر کی اولاد

نہیں چلی۔

حضرت امِّ کلثوم اپنے بھائی امامِ حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شہادت کے بعد فوت ہوئیں۔

اِس روایت کا کافی حصہ ابھی باقی ہے جس میں حضرت امِّ کلثوم بنت علی کا مزار موضع روایت میں بتایا گیا ہے اور اُن کی اور اُن کے بیٹے کی وفات کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔

بہر کیف! اِس روایت میں ہمارے مقصد کی تو صرف یہی بات ہے کہ حضرت امِّ کلثوم بنتِ علی واقعۂ کربلا کے بعد فوت ہوئیں لہٰذا وہ روایت درست نہیں جن میں اُن کا وصال ۵۱ھ یا ۵۴ھ میں ہوا تاہم اگر مسند اور مرفوع حدیث کی شرط ختم کر دی جائے تو خارجیوں کے ہزاروں کے انعامات کی دیگیں پکا کر علامہ نبہانی علیہ الرحمہ کی روح کو ثواب پہنچایا جا سکتا ہے۔

یہ ہے داستانِ ظلم:

علامہ نبہانی علیہ الرحمہ کی بیان کردہ اِس روایت میں جب حضرت امِّ کلثوم بنت علی کے وصالِ پاک اور قبر مبارک کا ذکر کیا گیا تو اِس کے سیاق وسباق کو اِس حسنِ ترتیب کے ساتھ مزیّن ومرصع کیا گیا ہے کہ آپ جنابِ حضرت عمر فاروق کی بیوہ ہونے سے کسی طرح سے بھی نہیں بچ سکیں۔

گویا سیدہ امِّ کلثوم بنتِ علی کا ذکر کسی سلسلہ میں بغیر اِس وضاحت کے کیا ہی نہیں جا سکتا کہ وہ زوجۂ عمر تھیں۔

سیدہ امِّ کلثوم بنتِ علی کی ولادت کا تذکرہ ہو تو حضرت عمر سے اُن کی شادی کا ذکر کرنا لازمی امر سمجھا جاتا ہے جو بھی بات ہو تو سیدہ کو لازمی سبب بنایا جاتا ہے جیسے:

۱۔ مولائے کائنات کی اولاد میں سیدہ امِّ کلثوم کا ذکر کیا جائے تو زوجۂ عمر بتانا ضروری ہے کیا؟؟؟

۲۔ سیدہ امّ کلثوم بنت علی کی شادی اپنے چچا کے بیٹے عون بن جعفر سے ہو تو بھی زوجہ عمر بتانا واجب ہے کیا؟؟؟۔۔۔

۳۔ جنابِ امِّ کلثوم بنت علی کی شادی عون بن جعفر کے بعد محمد بن جعفر سے ہو تو بھی اُن کو زوجۂ عمر کہنا فرض ہے کیا؟؟؟۔۔۔

۴۔ سیدہ امِّ کلثوم بنت علی اپنے شوہر ابن جعفر کی موجودگی میں اپنے باپ کی تیمار داری کر رہی ہوں تو انہیں زوجۂ عمر سے موسوم کرنا واجب ہے کیا؟؟؟۔۔۔

۵۔ معصومۂ کربلا امِّ کلثوم بنتِ علی اپنے باپ کی شہادت پر نوحہ خواں ہوں تو بھی انہیں زوجۂ عمر بتانا لازمی امر ہے کیا؟؟؟۔۔۔

۶۔ مظلومۂ کربلا امِّ کلثوم بنت علی کا انتقال مدینہ منورہ میں زوجۂ عبداللہ بن جعفر کی حیثیت سے ہو تب بھی وہ زوجۂ عمر ہی ہیں کیا؟؟؟۔۔۔

ظالمو! حضرت امِّ کلثوم بنتِ علی کو واقعہ کربلاء کے بعد حضرت عبداللہ بن جعفر کی زوجیت میں فوت کیا ہوئیں لیکن ظلم یہ ہے کہ ان کو عبداللہ بن جعفر کی زوجہ نہیں بلکہ حضرت عمر کی بیوی ہی کہا جاتا ہے ایسا کیوں ہو رہا ہے، جواب کون دے گا؟؟؟۔۔۔

گویا سیدہ امِّ کلثوم بنتِ علی اور حضرت عمر فاروق لازم وملزوم ہیں۔ہم پوچھتے ہیں کہ اگر اُن کا نکاح حضرت عمر سے ہوا بھی تھا تو واقعۂ کربلا کے بعد حضرت عمر کی شہادت کو چالیس سال بیت چکے ہیں اور اِس عرصہ میں وہ یکے بعد دیگرے اپنے چچازادوں کے نکاح میں آئیں اور اِس وقت بھی وہ اپنے چچازاد کے نکاح میں تھیں انہیں ایک دن بھی اپنی اولاد سے ملنے کا شوق پیدا نہیں ہوا؟ آخر اِس کی کیا وجہ ہے کہ چالیس سال تک سیدہ امِّ کلثوم کو اپنی اولاد کا خیال نہیں آیا اور کہیں سے ثابت نہیں کہ سیدہ کی اولاد (جو جنابِ عمر سے فرضی ثابت کی گئی ہے) اپنی والدہ کے پاس آئی ہو یا سیدہ نے

اپنی اولاد کی کوئی بات بیان کی ہو۔

آخر کون سے خطرہ کے پیش نظر ضروری سمجھا گیا کہ وہ زوجۂ عون و جعفر ہوں تب بھی زوجۂ عمر کہا جائے اور اگر محمد بن جعفر کی زوجیت میں ہوں تو تب بھی انہیں زوجۂ عمر کہا جائے اور اگر وہ حضرت عبداللہ بن جعفر کے نکاح میں ہوں تو پھر بھی انہیں حضرت عمر کی منکوحہ بتایا جائے۔

ہمارا گمان نہیں بلکہ ہمیں یقین ہے کہ میدانِ تحقیق کے شاہ سواروں میں سے کسی بزرگ پر بھی اِس روایت کی حقیقی صورت پوشیدہ نہیں تھی، یہی وجہ ہے کہ وہ بلاوجہ بھی حضرت امِّ کلثوم کے نام کے ساتھ جنابِ عمر کے نکاح کی چھاپ لگانا ضروری سمجھتے تھے اور اِس ٹریڈ مارک کو بھول کر بھی نہیں بھولتے تھے۔

ورنہ ضروری تو نہیں تھا کہ جہاں بھی اُس خاتون (سیدہ ام کلثوم) کا نام آئے نکاحِ عمر کا تذکرہ لازمی مضمون کی طرح مسلط کر دیا جائے ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اتنے بڑے بڑے لوگ صرف حضرت علی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان خوشگوار تعلقات ثابت کرنے کے لیے اتنے بڑے جھوٹ کی تشہیر کرنے کے لیے کوئی موقع بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے حالانکہ اِن دونوں بزرگوں کے خوشگوار تعلقات اور بھی متعدد طریقوں سے ثابت کیئے جاسکتے تھے۔

سیدہ امِّ کلثوم رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے سیدنا حیدر کرّار رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی اجازت سے ہوا شیعوں اور سنیوں کی معتبر کتابوں میں یہ سب کچھ موجود ہے دورِ حاضر میں شیعہ حضرات نے اِس سے انکار کیا ہے اور کچھ سنی حضرات نے بھی یہ راستہ اپنانے کی کوشش کی ہے۔ میں نے اِن میں سے اکثر حضرات کی تحریریں پڑھی ہیں اِن کے اعتراضات کو جانچا ہے انہوں نے جس انداز سے عقلی گھوڑے دوڑائے ہیں وہ بھی دیکھے ہیں مگر اس بات کا کیا جواب کہ یہ واقعہ فریقین کی معتبر ترین کتب

میں موجود ہے۔اورکئی اسناد سے اِسے روایت کیا گیا ہے اِن تمام حقائق کے بعد انکار کا کوئی راستہ نہیں، میرے خیال میں صحابہ کرام اور اہلبیت عظام میں مغائرت وبغض ثابت کرنے کی بھونڈی کوششوں میں سے یہ بھی ایک چال ہے۔

صفحات کی تنگی دامانی حائل ہے اور پھر یہ مسئلہ علامہ نبہانی نے ضمناً ذکر کیا ہے ورنہ ہم آگے بڑھتے اور جانبین کی کتب کے سب حوالہ جات نکال کر اِن عقلی دلائل کا پوسٹ مارٹم کر دیتے جو مختلف رسائل میں دورِ حاضر کے خود ساختہ محققین نے درج کیئے ہیں۔

اِن میں سے اکثر دلائل خود اِن کی نجی زندگی کے خلاف منہ بولتا ثبوت اور سر چڑھ کر بولنے والا جادو ہے۔

حاشیہ جامع کراماتِ اولیاء،(مترجم سید محمد ذاکر شاہ چشتی سیالوی)

بہر کیف کسی روایت کا دینی کتابوں میں کثرت کے ساتھ نقل در نقل ہوتے آنا اُس کے لازماً درست ہونے کے دلیل نہیں ورنہ شیخ الاسلام حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے کفر کے بارے میں تواتر کے ساتھ نقل ہونے والی اور بامِ شہرت پر پہنچی ہوئی روایات کے خلاف فتوىٰ صادر نہ فرماتے۔

سیدہ امِّ کلثوم بنتِ علی کا میدانِ کربلا میں موجود ہونا:

سیدہ امِّ کلثوم بنتِ علی وفاطمہ کی کربلا میں موجودگی کے بارے میں دو ثقہ سنیوں کا ایک اور حوالہ پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں ذرا غور سے پڑھیں اور فیصلہ کریں:

اِن ثقہ سنیوں میں سے ایک بزرگ امام ابی عبداللہ محمد بن احمد المعروف امام قرطبی ہیں اور یہ وہی بزرگ ہیں جن کی تالیف تفسیر قرطبی کو شہرتِ دوام حاصل ہے۔

دوسرے بزرگ امام عبدالوہاب الشعرانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں یہ بزرگ ثقہ سنیوں کے نزدیک اپنے وقت کے امام بھی تھے اور مسندِ قطبیت پر بھی جلوہ افروز تھے اور اِسی بناء پر اُن کے اسمِ گرامی کے ساتھ قطبِ ربانی لکھا جاتا تھا اور لکھا جاتا ہے۔

بہر کیف! امامِ قرطبی کی عظیم تصنیف تذکرۂ قرطبی اور امام شعرانی کی تلخیص مختصر تذکرہ قرطبی میں سیدہ امِّ کلثوم بنتِ علی کا کربلا میں موجود ہونا اِس طرح بیان کیا گیا ہے کہ:

"وکان فی الاساری یومئذٍ علی بن الحسین رضی اللہ عنہما وکان شدید للمرض قدجمعت یداہ الی عنقہ وزینب بنتِ علی من فاطمۃ الزہراء واُختہا امِّ کلثوم وفاطمۃ وسکینۃ بنتا الحسین"۔

المختصر تذکرۃ القرطبی مطبوعہ مصر ص۱۲۰

اُس روز قیدیوں میں حضرت علی بن حسین بن علی رضی اللہ تعالٰی عنہم تھے اُن کے شدید بیمار ہونے کے باوجود اُن کے دونوں ہاتھ گردن پر باندھ دیئے گئے تھے۔
علاوہ ازیں حضرت علی اور حضرت فاطمہ کی بیٹی حضرت زینب اور اُن کی بہن سیدہ امِّ کلثوم اور امام حسین کی دو بیٹیاں فاطمہ اور سکینہ کو بھی قیدی بنایا گیا تھا۔
پھر ملا حسین واعظ کاشفی روضۃ الشہداء میں لکھتے ہیں کہ یزید علیہ ماعلیہ کو جب امام حسین علیہ السلام کے شہید ہونے کی اطلاع ملی تو اس نے اہلِ بیت نبوی کو تعزیت کا پیغام پہنچایا۔ امِّ کلثوم نے فرمایا کہ ہمیں باہر ایک مکان دیا جائے تا کہ ہم وہاں صفِ ماتم بچھائیں ۔ چنانچہ یزید علیہ ماعلیہ نے انہیں اجازت دے دی۔(روضۃ الشہداء ص ۳۶۸)

اس سے ظاہر ہے کہ سیدہ امِّ کلثوم اپنی بہن سیدہ زینب (سلام اللہ علیہما) کے ساتھ کوفہ و کربلا و دمشق میں بقیدِ حیات تھیں۔

خلاصہ کلام:

مندرجہ بالا چند حوالے یقیناً خوارج کے لیے لمحۂ فکریہ ثابت ہونگے تاہم اگر یہ نام نہاد مصنفین ہماری اِس تحقیق کو خلوص و دیانت سے حق قبول کرتے ہوئے سیدہ امِّ کلثوم بنتِ علی کے بارے میں اُن روایات کو تحریری طور پر کذب و افتراء پر مبنی تسلیم کرلیں جن میں جنابِ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اُن کے نکاح کا جھوٹا شاخسانہ تیار کیا گیا ہے تو فقیر اُسے سیدہ امِّ کلثوم بنتِ علی کی کربلا میں موجودگی کے ثبوت میں اہلسنت کی کتابوں سے کم از کم بیس ثبوت پیش کرنے کا وعدہ کرتا ہے، اِن حوالوں میں اُن کی اپنے برادرِ گرامی سیدنا امامِ حسین علیہ السلام کے ساتھ کربلا میں گفتگو ہوگی، کربلا کے اسیروں میں اُن کا ذکر ہوگا، اہلِ کوفہ کے سامنے تاریخی خطبہ ہوگا، کوفہ سے شام تک کے سفر میں متعدد مقامات پر اُن کی گفتگو ہوگی، یزید پلید (کافر، لعنتی، خنّاس، دیُّوس) کے دربار میں اُن کا دلیرانہ خطاب ہوگا، شام سے مدینہ منورہ کے سفر میں اُن کا تذکرہ ہوگا اور مدینہ منورہ میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں درد بھری منظوم فریاد ہوگی۔

رہا اُن کا یہ دعویٰ کہ کربلا میں جو امِّ کلثوم تھیں وہ بنتِ علی و فاطمہ نہیں بلکہ حضرت علی کی کسی دوسری بیوی کی اولاد تھیں یا حضرت مسلم بن عقیل کی بیوی تھی تو یہ خیالی صورتیں شیعوں کی کتابوں میں تو ہوسکتی ہیں اہلسنت کی کتابوں میں موجود نہیں اِس لیے کہ جنابِ حضرت عمر کے ساتھ سیدہ امِّ کلثوم کے نکاح کی کہانی بھی شیعوں کی تراشی ہوئی ہے اور دشمنانِ اہلبیت نے اِسے بغیر تحقیق کے تسلیم کرلیا۔ وجہ یہ ہے کہ شیعہ حضرات صحابہ کرام کے بارے میں ایسی روایات کو گھڑ کر اُن کا ظلم ثابت کرتے ہیں، اور دوسری طرف خارجی صحابہ کا تحفظ کرتے ہوئے اہلبیت کا نام مٹانے کی کوشش کرتے ہیں اور نکاحِ سیدہ باغیر سید پر جواز کا فتویٰ دیتے ہوئے اِس من گھڑت روایت کو دلیل کے

طور پر پیش کرتے ہیں تا کہ سادات کو اِس دنیا سے بالکل ختم کیا جائے۔

جبکہ یہ صرف اور صرف شیعوں کی تراشی ہوئی ہے لہٰذا جو لوگ انہیں سن ۵۴ھ میں فوت کر چکے ہیں وہ سن ۶۱ھ میں اُن کا زندہ ہونا کیسے تسلیم کریں گے تاہم اِن میں سے جن لوگوں کو یہ نہیں معلوم کہ یہ روایتیں ہمارے ہی اکابر نے تیار کر کے امامِ جعفر صادق یا امام محمد باقر علیہما السلام سے منسوب کر رکھی ہیں وہ یقیناً انہیں کربلا میں موجود مانتے ہیں، مگر ہمیں اُن سے غرض نہیں یہاں قابلِ توجہ بات اکابرین اہلسنت کی ہے۔

ماحاصل کلام:

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ سیدہ امِّ کلثوم بنتِ علی کے فرضی نکاح کے سلسلہ میں آنے والی وضعی روایات کی حقیقت منکشف کرنے کے بعد جلد ہی اُس روایات کا تجزیہ ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے جو بعض لوگوں کے خیال کے مطابق قرآنِ پاک کے بعد صحیح ترین کتاب (میری مراد بخاری شریف) میں موجود ہے۔

دشمنانِ اہلبیت نے یہ روایت پیش کرنے کے بعد فتح الباری شرح صحیح البخاری اور ارشاد الساری شرح صحیح بخاری کی دو مختصر عبارتیں پیش کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ امِّ کلثوم بنتِ علی جنابِ عمر کی بیوی تھیں۔

حالانکہ بخاری کی اِن شروح کے علاوہ بھی کئی شروحیں ہیں جنہیں نظر انداز کر دیا گیا ہے بلکہ فتح الباری شرح صحیح البخاری کی پوری تشریح نقل نہیں کی جا رہی جسے آئندہ اوراق میں نقل کیا جا رہا ہے لیکن اِس سے پہلے ایک فراڈ کی حقیقت پھر سے جان لیں۔ کیونکہ مخالفین نے ایک تو ایسی من گھڑت روایات بھی دلیل بنا لی اور پھر یہ بھی کہہ دیا کہ نکاح تو ہوا ہے مگر جو پنڈلی والی باتیں ہیں یہ کسی شیعہ کی گھڑی ہوئی ہیں۔

خدا کی پناہ ایسے مولویوں سے جو مصنف بننے کا شوق تو رکھتے ہیں لیکن مطالعہ کرنے

کے بغیر اور حقیقت کو دیکھنے کے بغیر سنی سنائی باتوں کا سہارا لے کر اپنے آپ کو مصنفِ کتب کثیرہ بننے کی لالچ میں اہلبیت پر کیچڑ اچھالتے ہیں۔

ہم یہ روایت پیش کر رہے ہیں جسے پڑھنے کی درخواست بھی کی جا رہی ہے اور پھر اِس فیصلہ کی درخواست بھی ہے کہ کرمانی کے بارے میں یہ بتا دیں کہ یہ شیعہ ہے یا سنی؟

کرمانی شرح بخاری:

معزز قارئین! سب کو معلوم ہونا چاہیے کہ روایت کے جس حصہ کا تم انکار کرتے ہو اُسی روایت کو نقل کرنے والے دیگر محدثین ومؤرخین کی طرح بعض شارحین بخاری نے بھی اپنے سے لگا رکھا ہے۔ چنانچہ حاشیہ بخاری پر کرمانی شارح بخاری کی یہ عبارت آپ سے بھی پوشیدہ نہیں کہ:

وامِّ کلثوم بنتِ فاطمة بنتِ رسول الله صلی الله علیه (وآله) وسلم ولدت فی حیوٰة رسول الله صلی الله علیه (وآله) وسلم خطبها عمر الی علی فقال انا ابعثها الیك فان رضیتها فقد زوجتکها فبعثها الیه ببرد وقال لها قولی هٰذا البرد الذی قلت لك فقالت ذالك لعمر فقال لهما قولی له قد رضیت رضی الله عنك "ووضع یده علی ساقها فکشفها فقالت اتفعل هٰذا ؟ لولا انك امیر المؤمنین لکسرت انفك ثم جاءت اباها فقالت بعثنی الیٰ شیخ سوء واخبرته فقال لها یابنیة انه زوجتك"۔

کرمانی شرح بخاری بحوالہ حاشیہ بخاری ج ۱، ص ۴۰۳

ترجمہ: اور امِّ کلثوم بنتِ فاطمۃ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ اقدس میں ہو چکی تھی جنابِ عمر نے اُن کا رشتہ مانگا تو حضرت علی نے کہا! میں اُسے آپ کے پاس بھیج دیتا ہوں اگر آپ کو پسند آ گئی تو وہ آپ کی

بیوی ہے پھر حضرت علی نے بیٹی کو چادر دے کر بھیج دیا اور کہا کہ انہیں کہنا یہ
چادر ہے اگر پسند ہو تو آپ کی ہے، حضرت امِّ کلثوم نے حضرت عمر کے پاس
آ کر یہ بات دُہرا دی جنابِ عمر نے کہا میں تجھ سے خوش ہوں اور اللہ تعالیٰ
تجھ سے خوش ہو اور پھر ہاتھ بڑھا کر امِّ کلثوم کی پنڈلی کھول دی۔

سیدہ امِّ کلثوم نے کہا کیا تو ایسے کام کرتا ہے اگر تو امیر المؤمنین نہ ہوتا تو میں
تیری ناک توڑ دیتی پھر سیدہ امِّ کلثوم نے اپنے باپ کے پاس جا کر انہیں
یہ سب کچھ بتایا اور کہا کہ آپ نے مجھے ایسے بُرے بوڑھے کا پاس بھیجا تھا؟
حضرت علی نے کہا بیٹی وہ تیرا شوہر ہے۔

بہر کیف! حقیقت یہی ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی ذات کے ساتھ
بہت سی روایات منسوب کرنے والے گروہ کا یہ وہ تحفہ ہے جو دوسرے گروہ کے لوگوں
کو بھی اتنا ہی مرغوب ہے جتنا پہلے کو کیونکہ منسوب کرنے والا گروہ اِس تحفہ کے مضمرات
کو جانتا تھا کہ جنابِ حضرت عمر کی توہین وتذلیل کرنے کے لیے یہ حربہ اپنی مثال آپ
ہے چنانچہ دوسرے گروہ کے لیے یہ کشش رکھ دی گئی کہ اِس سے دو مقتدر ہستیوں کے
درمیان پیدا کئے گئے فرضی نزاع کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

فریقین کی پیش کردہ بخاری کی روایت کے ساتھ شروحات:

"حدثنا عبدان انا عبداللہ انا یونس عن ابن شہاب قال
ثعلبة ابن ابی مالك ان عمر ابن الخطاب قسم مروطا بین نساء من
نساء المدینة فبقی مرط جید فقال لہ بعض من عندہ یا امیر
المؤمنین اعط ھٰذا بنت رسول اللہ علیہ (وآلہ) وسلم التی
عندك یریدون امِّ کلثوم ابنت علی فقال عمر امّ سلیط احق
وام سلیط من نساء الانصار ممن بایع رسول اللہ صلی اللہ علیہ

(وآلہٖ) وسلم قال عمر فانھا کانت تزفر لنا القرب یوم احد"۔

بخاری شریف ج۱، ص۴۰۳

ترجمہ: ثعلبہ بن ابی مالک بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ایک دفعہ مدینہ منورہ کی عورتوں میں چادریں تقسیم فرمائیں ایک عمدہ چادر بچ گئی حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ اے امیر المؤمنین یہ چادر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ (وآلہٖ) وسلم کی بیٹی کو دے دیں جو آپ کے عقد میں ہیں، اس سے اُن کی مراد امِّ کلثوم بنتِ علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ تھی، اِس پر عمر بن الخطاب نے کہا امِّ سلیط اس کی زیادہ حق دار ہے، امِّ سلیط ایک انصاری عورت تھی جس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بیعت کی تھی، حضرت عمر نے مزید فرمایا کہ یہ امِّ سلیط وہ عورت ہے جو احد کے دن پانی کی مشکیں بھر بھر کے ہم مجاہدوں کو پلاتی رہی۔

"قولہ یریدون امِّ کلثوم کان عمر قد تزوج امِّ کلثوم بنت علی وامُّھا فاطمۃ ولھٰذا قالوا لھا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ (وآلہٖ) وسلم وکانت قد ولدت فی حیاتہ وھی اصغر بنات فاطمۃ علیھا السلام"۔

فتح الباری ج۶، ص۶۰

ترجمہ: سیدہ امِّ کلثوم رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے نکاح کیا تھا اور آپ علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی چھوٹی صاحبزادی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے بطن سے تھیں اسی لیے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بیٹی کہا گیا۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی میں ہی پیدا ہو چکی تھیں اور سیدہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کی آپ سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں۔

(ھٰذا ابنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ (وآلہٖ) وسلم التی

عندك يريدون زوجته ام كلثوم) بضم الكاف والمثلثة (بنت علي) وكانت اصغر بنات فاطمة الزهراء واولاد بناته عليه السلام ينسبون اليه۔

ارشاد الساری ج۵، ص۸۴

ترجمہ: حاضرین کی بنت رسول اللہ کہنے سے مراد عمر بن الخطاب کی بیوی سیدہ امِّ کلثوم بنتِ علی المرتضیٰ تھیں اور یہ حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی سب سے چھوٹی صاجزادی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صاجزادیوں کی اولاد خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف لوگ منسوب کیا کرتے ہیں۔

سنیں ذرا بخاری کی روایت بھی:

اگرخوارج تعارفِ جاہلانہ سے کام نہ لیں تو بغیر راویوں کا شجرہ معلوم کیئے بھی وہ اتنا تو جانتے ہی ہیں کہ اِس روایت میں دو باتیں واضح طور پر ایسی ہیں جس سے انہیں مختلف لوگوں کا تیار کردہ ملغوبہ ہونا ثابت ہے حالانکہ اِس میں بعض اُمور ایسے بھی ہیں جن کے پیشِ نظر اِسے کسی بھی صورت میں لائق التفات اورقابل احتجاج قرار نہیں دیا جا سکتا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ روایت امام بخاری نے دو مرتبہ نقل کی ہے مگر دونوں مرتبہ ہی اِسے نکاح کے باب میں نقل نہیں کیا بلکہ بخاری کے گیارہویں فصل میں اِس کا ایک باب ہے "حمل النسآئِ القِرَب اِلَی النَّاسِ فِی الْغَزْوِ" یعنی دورانِ جہاد خواتین کا مشکیں اُٹھا کرلوگوں کے پاس لے جانا جبکہ سولہویں فصل میں باب کا نام" ذکر امِّ سلیط" ہے۔

پہلی روایت کے راوی اس طرح ہیں" یحییٰ بن بکیر، لیث بن سعد، یونس، ابن شہاب ثعلبہ بن ابی مالک"۔

دونوں روایتوں کا مضمون ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ:

"ان عمر بن الخطاب قسم مروطاً بین نساء من نساء المدینة ، فبقی مرطٌ جید ، فقال له بعض من عنده یا امیر المؤمنین اعط هٰذا ابنة رسول الله صلی الله علیه (وآله) وسلم التی عندك".

"یریدون امّ کلثوم بنت علی ، فقال عمر ! امِّ سلیط احق ، وامِّ سلیط من نساء الانصار ممن بائع رسول الله صلی الله علیه (وآله) وسلم قال عمر ! فانها کانت تزفر لنا القرب یوم احدٍ ، قال ابو عبدالله تزفر تخیط".

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب مدینہ کی عورتوں کی چادریں تقسیم فرما رہے تھے تو ایک عمدہ چادر بچ گئی حضرت عمر کے پاس کھڑے کسی شخص نے کہا یہ چادر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بیٹی کو دے دیں جو آپ کے پاس ہے۔

رسول اللہ کی بیٹی سے اُن کی مراد امِّ کلثوم بنتِ علی ہے۔

حضرت عمر نے کہا اِس چادر کی زیادہ حق دار امِّ سلیط ہے۔

امِّ سلیط انصاریہ خاتون تھیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بیعت کی تھی۔

حضرت عمر نے کہا! امِّ سلیط اُحد کے دن ہمارے لیے پانی کی مشکیں لاتی تھیں۔ بخاری نے کہا تزفر تخیط ہے۔

اِسی روایت میں ایک جملہ ہے کہ حاضرین مجلس میں سے کسی ایک شخص نے کہا کہ یہ چادر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بیٹی کو دے دیں جو آپ کے پاس ہے۔

دوسرا جملہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بیٹی سے اُن لوگوں کی مراد امِّ کلثوم بنتِ علی تھیں، اگرچہ شارحین حدیث نے **عندک** کا معنی **زوجک** کرلیا ہے مگر وہ اِس امر پر متفق اور مجتمع ہیں کہ اُس شخص کا کچھ پتہ نہیں چلتا جس نے کہا تھا کہ یہ چادر بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دے دیں۔

تمام شارحین بخاری نے اِس خلا کو محسوس کیا ہے مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ:

اِس روایت میں اِس سے کہیں بڑی جھول کو نہ اُنہوں نے محسوس کیا اور نہ تذکرہ کیا اور وہ جھول اِس سے اگلے جملے میں ہے جس میں کہا گیا ہے کہ بنتِ رسول اللہ سے اُن کی مراد امِّ کلثوم بنت علی ہیں۔

اب آپ بھی غور فرمائیں پہلے جملہ میں واحد کے صیغہ سے بتایا گیا ہے کہ کسی ایک شخص نے یہ مشورہ دیا تھا جبکہ اگلے جملے میں "**یریدون**" جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے کہ یہ مشورہ دینے والے کئی لوگوں کی بنتِ رسول سے مراد امِّ کلثوم بنت علی ہے، اب یا تو یہ تصور کرنا پڑے گا کہ پہلے جملہ میں بھی بہت سے آدمیوں نے کہا تھا کہ یہ چادر بنتِ رسول اللہ کو دے دیں جو آپ کے پاس ہے یا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جس شخص نے بنتِ رسول سے امِّ کلثوم مراد لینے کی نکتہ آفرینی کی ہے وہ بقائمی ہوش وحواس نہیں یعنی اُسے یاد نہیں رہا کہ یہ مشورہ تو ایک آدمی نے دیا تھا پھر بہت سے لوگوں کی مراد کیسے کہا جائے گا۔

بہرکیف "**یریدون**" کا لفظ لازماً کسی راوی کی ایجاد ہے یا اپنی کتاب میں اِس روایت کو نقل کرنے والے کا حسنِ ترتیب وترکیب ہوسکتا ہے تاہم مختلف متضاد جملوں سے مرکب یہ روایت لائق احتجاج نہیں ہوسکتی۔

سیدھی سی بات یہ ہے کہ اِس روایت کا لائق اعتناء ہونا اُسی صورت میں ہوسکتا تھا کہ فلاں شخص نے کہا کہ یہ چادر بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دے دیں اور بنتِ رسول اللہ سے اُس کی مراد امِّ کلثوم بنت علی تھیں۔ اب ایسی روایت جو نکاح کے باب میں ہی نہیں اُس سے جناب عمر کے ساتھ نکاحِ امِّ کلثوم بنتِ علی تھی۔

اب ایسی روایت جو نکاح کے باب میں نہیں اُس سے جنابِ عمر کے ساتھ نکاح امِّ کلثوم ثابت کرنا پھر لفظ **عندک** کو شارحین کا محض **زوجک** کے معنی تک محدود کرنا تحکم

اور زبردستی کے زمرہ میں تو آسکتا ہے انصاف کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا۔

پھر حضرت عمر کا اُس نا معلوم شخص کے مشورہ کو جو بعد میں تعدّدِ وجودی اختیار کر کے بہت سے اشخاص بن گیا تھا۔

اِن الفاظ کو ساتھ ساتھ مسترد کر دینا بھی محلِّ نظر ہے کہ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امّ سلیط کا زیادہ حق ہے، اِس لیے کہ اِس جملہ میں خاندانِ رسول کی اہانت پائی جاتی ہے۔

نیز یہ کہ اگر بہت سے اشخاص کا روپ دھار لینے والے بنتِ رسول کے نامعلوم سفارشی کی **عندک بنتِ رسول** سے مراد یہ ہے کہ یہ چادر امِّ کلثوم کو دے دیں جو آپ کی بیوی ہے تو معاملہ اور بھی بگڑ جاتا ہے اِس لیے کہ حضرت عمر کے ساتھ نکاح امِّ کلثوم پر مبنی جس روایت کی تقویت کے لیے یہ کھڑاگ پھیلایا گیا ہے وہ بیکارِ محض ہو کر رہ جائے گا اِس لیے کہ اُس مفروضے میں جنابِ عمر نے سیدہ اُمِّ کلثوم کو تمام روئے زمین کے لوگوں سے زیادہ اکرام دینے کی قید خود اپنے آپ پر لگا رکھی ہے اب لازماً یہ کہنا پڑے گا کہ تمام دنیا کے لوگوں سے زیادہ حسنِ سلوک کی مستحق کے پاس صرف ایک ایسی چادر ہو جس سے وہ اپنا جسم پوشیدہ نہ کر سکتی ہو جیسا کہ سابقہ اوراق میں یہ روایت گزر چکی ہے اور جب اُسے کوئی اچھی چادر دینے کی سفارش کی جائے تو تحریکِ استحقاق مسترد کرتے ہوئے اُس چادر کا صحیح مستحق کسی دوسری خاتون کو قرار دیا جائے۔

(العیاذ باللہ)

صاحبِ فتح الباری کا نظریہ:

قارئین! بخاری میں نقل ہونے والی اِس روایت کے تمام تر ترکیبی اجزاء خود ساختہ ہیں اور صداقت نام کی کوئی چیز بھی اِس میں موجود نہیں سب سے پہلے علامہ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری شرح بخاری سے اِس روایت کی شرح ملاحظہ فرمائیں

پھر فیصلہ کریں تا کہ بات آگے چل سکے کہ:

"قول فقال لهٗ بعض من عنه لم اقف على اسمهٖ ، قولهٗ ، يريدون امّ كلثوم كان عمر تزوج امِّ كلثوم بنت علی و امها فاطمة ولهٰذا قالوا لها بنت رسول الله صلى الله عليه (وآلهٖ) وسلم وقد ولدت فی حياته وهی اصغر بناته فاطمة عليها السلام۔

صنف فی الصحابة ذكر الا فی الاستيعاب فذ كرها مختصرة بالذی هنا وقد ذكرها ابن سعد فی طبقات النساء وقال هی امِّ قيس بنتِ عبيد بن زياد بن ثعلبة من مازن تزوجها ابوسليط بن ابی حارثة عمرو بن قيس من بنی عدی بن البخار فولدت له۔ سليطا وفاطمة فلذالك يقال لها امِّ سليط وذكر انها شهدت خيبر حنينا وغفل عن ذكر شهودها احد وهوثابت بهٰذا الحديث"۔

فتح الباری شرح صحیح بخاری ج۳، ص۸۱

ترجمہ: بخاری نے کہا" **فقال له بعض من عنده** " یعنی جنابِ عمر کے پاس سے کسی نے کہا، تو اِس شخص کا نام معلوم نہیں۔

بخاری نے کہا کہ" **يريدون امّ كلثوم** " یعنی ان لوگوں کی مراد امِّ کلثوم ہے، حضرت عمر نے جنابِ امِّ کلثوم بنت علی سے شادی کر رکھی تھی اور اُن کی ماں فاطمہ ہیں اِس لیے امِّ کلثوم کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کہا ہے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی ہی میں پیدا ہوئی تھیں اور جنابِ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں۔

بخاری نے کہا امِّ سلیط جیسا کہ اِس میں بروزن رغیف ہے میں نے صحابہ کرام کے بارے میں تصنیف کی گئی کتابوں میں سوائے الاستیعاب کے

اِس خاتون کا کہیں ایسا ذکر نہیں دیکھا اور یہ یہاں بھی مختصر ذکر ہے۔
ابن سعد نے طبقات النساء میں ان کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہی امِّ قیس بنت عبید بن زیاد بن ثعلبہ بن مازن ہیں انہوں نے بنی عدی بن بخار قبیلہ کے ابوسلیط بن ابی حارثہ عمرو بن قیس سے شادی کی تھی اور اُس سے سلیط اور فاطمہ پیدا ہوئے اِس لیے انہیں امِّ سلیط کہتے ہیں اور خیبر وحنین کے غزوات میں اُن کی موجودگی کا ذکر کیا ہے اور اُن کے اُحد میں موجود ہونے سے تغافل سے کام لیا ہے جو کہ اِس حدیث سے ثابت ہے۔

امِّ سلیط پر بھی اختلاف:

قارئین، فتح الباری کی روایت کا ابھی کچھ حصہ باقی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ جس خاتون کو چادر دینے کے لیے جنابِ عمر سے سفارش کی گئی تھی وہ امِّ کلثوم نہیں بلکہ کوئی اور عورت تھی۔

ایسے ہی جس خاتون کو حضرت عمر نے چادر کا زیادہ حقدار قرار دیا تھا وہ امِّ سلیط نہیں کوئی اور خاتون ہے۔

یہ وضاحت تو ہو ہی رہی ہے بتانا یہ تھا کہ صاحبِ فتح الباری حافظ ابن حجر عسقلانی سے بڑھ کر بخاری نواز متقدمین میں بخاری کا کوئی شارح نظر نہیں آتا جبکہ دیگر شارحین بخاری میں سے بعض احناف وغیرہ نے بعض مقامات پر امام بخاری کی شدید گرفت کر رکھی ہے بایں ہمہ حافظ عسقلانی نے طوعاً و کرہاً اِس بات کو تسلیم کیا ہے کہ ایک تو اُس شخص کا نام نہیں معلوم ہو سکا جس نے سفارش کی تھی اور دوسرا جس خاتون امِّ سلیط کا ذکر کیا گیا ہے اُس کا ایسا ذکر کتابوں میں موجود نہیں تاہم ابن سعد نے کہا ہے کہ اِس کا نام امِّ قیس ہے۔

علاوہ ازیں انہوں نے سیرت نگاروں کے تغافل کی شکایت کی ہے کہ انہوں نے اِس خاتون کا ذکر غزوۂ خیبر اور غزوۂ حنین میں شرکت کرنے والی صحابیات میں تو کیا ہے

مگر غزوۂ اُحد میں اُن کی شرکت کا ذکر نہیں کیا جبکہ بخاری کی اِس روایت میں اُس کا غزوۂ اُحد میں موجود ہونا ثابت ہوتا ہے۔

نسبِ رسول ج۲، ص۳۹۷، ۳۹۸

حافظ ابن حجر عسقلانی کی اِس پریشانی کا ازالہ بعد میں کرینگے پہلے اُن کی بیان کردہ باقی روایت ملاحظہ فرمائیں کہ:

وذکرہ فی ترجمۃ امِّ عمارۃ الانصاریۃ شبیہا بہذہ القصہ من وجہ آخر عن عمر لکن فیہ فقال بعضھم اعطہ صفیۃ بنت ابی عبید زوجۃ عبداللہ بن عمر وقال فیہ ایضاً۔
سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلم یقول ما التفت یمینا ولا شمالاً یوم احد الا وانا اراھا تقاتل دونی فھذا یشعر بان القصۃ تعددت"۔

فتح الباری شرح بخاری ج۲، ص۸۱

ترجمہ: ابن سعد نے امِّ عمارہ انصاریہ کے ذکر میں جنابِ عمر سے دوسری وجہ سے ایسا ہی واقعہ بیان کیا ہے لیکن اُس میں ہے کہ:
کسی نے جنابِ عمر سے کہا کہ یہ چادر عبداللہ بن عمر کی بیوی بنتِ ابی عبید کو دے دیں تو حضرت عمر نے اُس میں بھی حضرت امِّ عمارہ انصاریہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ایسے ہی فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ میں نے احد کے دن دائیں اور بائیں جدھر بھی نظر ڈالی امِّ عمارہ کو ہی جنگ کرتے دیکھا۔

اِس کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ اِس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ متعدد بار ہوا۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی زبردست بخاری نواز

ہیں بلکہ آپ کو بخاری کے معاملہ میں انتہا پسند بھی کہا جائے تو غلط نہیں ہو گا۔

تاہم یہ تو ظاہر ہے کہ جب آپ نے اپنی کتاب الاصابہ فی تمیز الصحابہ کو ترتیب دیا تو آپ کے سامنے اُس وقت تقریباً وہ تمام کتابیں موجود ہوں گی جو صحابہ کرام کے تعارف میں اُس وقت تک تصنیف ہو چکی تھیں اور آپ کے اِس قول سے یہ بھی امر ظاہر ہے کہ میں نے صحابہ کرام کے بارے میں لکھی گئی کتابوں میں سوائے الاستیعاب کے کسی کتاب میں نہیں دیکھا کہ حضرت امِّ سلیط غزوۂ اُحد میں شریک تھیں۔

اِس واضح اعتراف کے باوجود آپ فرماتے ہیں کہ اُن تمام لوگوں نے تساہل سے کام لیا ہے جنہوں نے صحابہ کرام کے بارے میں کتابیں لکھیں کیونکہ بخاری کی اِس روایت میں امِّ سلیط کا غزوہ اُحد میں شرکت کرنا ثابت ہوتا ہے۔

اِس میں شک نہیں کہ عام وقائع نگاروں سے حافظ ابن حجر صحابہ کرام کے بارے میں کہیں زیادہ جانتے تھے کیونکہ انہوں نے اِس موضوع پر چار ضخیم جلدوں پر محیط کتاب الاصابہ تحریر کی ہے مگر اِس میں بھی شبہ نہیں کہ وہ بخاری کی روایت کے سامنے اپنی تمام تر معلومات سمیت گھٹنے ٹیک دیتے ہیں اور غرض کو نوکِ قلم تک لاتے لاتے نہ صرف رک جاتے ہیں بلکہ ایک واضح ترین حقیقت کو التباس کی نذر کر دیتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ بخاری سے پہلے مغازی وسیّر اور حدیث کی کسی کتاب میں یہ امر موجود نہیں کہ جنابِ امِّ سلیط رضی اللہ عنہا غزوہ اُحد میں موجود تھیں بلکہ اِس کے برعکس اُن کا غزوہ خیبر اور غزوہ حنین میں موجود ہونا قطعی طور پر ثابت ہے۔

علامہ ابن عبد البر نے الاستیعاب میں علامہ ابن اثیر نے اُسد الغابہ میں اور خود علامہ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ میں امِّ سلیط کا غزوہ اُحد میں شریک ہونا صرف اور صرف بخاری کی اِسی روایت کے حوالہ سے بیان کیا ہے۔

چنانچہ الاستیعاب میں ہے کہ:

"امِّ سلیط امرأة من المبائعات حضرت مع النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوم احد قال عمر بن الخطاب کانت تزفر لنا القرب یوم احد، حدیثہا عند اللیث عن یونس عن ابن شھاب عن ثعلبہ بن ابی مالک القرظی عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ"۔

الاستیعاب ج۴، ص۴۶۴

ترجمہ: امِّ سلیط بیعت کرنے والی خواتین سے ہیں حضور علیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غزوۂ اُحد میں موجود تھیں حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا کہ یہ خاتون اُحد کے دِن ہمارے لیے پانی کے مشکیزے لاتی تھی۔

اور اُسد الغابہ میں ایک روایت یوں بھی موجود ہے کہ:

"امراة من المبائعات حضرت مع النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوم احد قال عمر بن الخطاب کانت تزفر لنا القرب یوم احد"۔

اُسد الغابہ ج۵، ص۵۹۰

ابوعمر حضرت امِّ سلیط بیعت کرنے والی خواتین سے ہیں اُحد کے دِن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ موجود تھیں جنابِ عمر بن خطاب نے کہا اُحد کے دِن ہمارے لیے پانی کے مشکیزے لاتی تھیں، اِس روایت کی تخریج ابوعمر، صاحب الاستیعاب نے کی ہے۔

پھر الاصابہ فی تمیز الصحابہ میں یوں موجود ہے کہ:

"امِّ سلیط . قال ابو عمر من المبایعات حضرت مع النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوم احد قال عمر بن الخطاب کانت ممن یزفر لنا القرب یوم اُحد"۔

قلت، ثبت ذکرھا فی صحیح البخاری عن عمر۔

الاصابہ ج۲، ص۴۶۰

ترجمہ: ابوعمر (صاحب الاستعیاب) نے کہا کہ امِّ سلیط بیعت کرنے والی خواتین میں سے ہیں اور اُحد کے دِن حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ موجود تھیں جنابِ عمر بن خطاب نے کہا کہ یہ اُحد کے دِن ہمارے لیے پانی کی مشکیں لاتی تھیں اور صحیح بخاری میں حضرت عمر سے اِس کا تذکرہ ثابت ہے۔

قارئین یہ ایک واضح اور ظاہر و طاہر امر ہے کہ ابوعمر یعنی ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں یہ روایت بخاری سے مع راویوں کے ذکر کی ہے جبکہ ابن اثیر نے اُسد الغابہ میں اور ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ میں اسے الاستعیاب کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

ممکن ہے کسی اور کتاب میں بھی بخاری کے حوالہ سے یہ روایت موجود ہو کہ حضرت امِّ سلیط غزوۂ اُحد میں شریک تھیں اور مجاہدین کے لیے پانی کی مشکیں بھر بھر کر لاتی تھیں تاہم یہ ناقابل تردید حقیقی امر ہے کہ مغازی و سیر اور حدیث کی کسی دوسری کتاب سے اِس امر کی تصدیق نہیں ہوتی کہ امِّ سلیط نامی کوئی خاتون غزوۂ اُحد میں شریک تھیں، بلکہ اِس کے برعکس اجماعی طور پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ غزوۂ اُحد میں صرف اور صرف ایک خاتون نے شرکت فرمائی تھی اور اُس کا نام امِّ سلیط نہیں بلکہ امِّ عمارہ ہے۔

امِّ عمارہ کا تعارف:

اِس سے پہلے کہ ہم یہ ثابت کرنے کے لیے متعدد حوالے قارئین کی نظر کریں کہ غزوۂ اُحد میں جنابِ امِّ سلیط نہیں بلکہ حضرت امِّ عمارہ مجاہدوں کے لیے پانی کے مشکیزے لے کر گئی تھیں اپنے مقصد کو قریب تر لانے کے لیے چند حوالے اِس سلسلہ میں پیش کرتے ہیں کہ بخاری کے برعکس جناب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بچی ہوئی چادر کی مستحق اِسی خاتون امِّ عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ہی قرار دیا تھا، جو فی الواقع جنگِ اُحد میں شریک تھیں جبکہ جنابِ امِّ سلیط غزوۂ اُحد میں ہر گز شریک نہیں تھیں بلکہ آپ

غزوۂ خیبر اور غزوۂ حنین میں شریک ہوئی تھیں۔تسلی کے روایت بھی پیش کی جا رہی ہے تا کہ فیصلہ کرنے میں آسانی ہو اور حقیقت کو سامنے رکھا جائے کہ غزوۂ خیبر میں امِّ سلیط ہی تھیں اور یقیناوہی ہیں:

"وخرج مع رسول الله صلی الله علیه (وآله) وسلم من المدینة عشرون امرأة ، امِّ سلمه زوجة وصفية بنت عبدالمطلب وامِّ ایمن وسلمٰی ، امرأة عاصم امِّ عماره نسبية بنت کعب، امِّ مینع، کعبه امّ مطاع، امِّ سلیم ،امِّ ضحاك، هند بنت عمرو، امِّ العلاء امِّ عامر امّ عطیه، امّ سلیط"۔

کتاب المغازی ج۲، ص۶۸۵

ترجمہ: اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ خیبر کے لیے نکلے تو آپ کے ساتھ بیس عورتیں تھیں اِن میں ایک آپ کی زوجۂ محترمہ حضرت امِّ سلمہ، آپ کی پھوپھی حضرت صفیہ بنتِ عبدالمطلب، حضرت امِّ ایمن، حضرتِ عاصم کی بیوی، حضرت امِّ عمارہ نسیبہ بنتِ کعب، امِّ مطاع، امِّ سلیم، امِّ ضحاک، ہند بنتِ عمرو، امِّ العلاء، امِّ عامر، امِّ عطیہ اور امِّ سلیط۔

امِّ سلیط کا غزوۂ حنین میں بھی موجود ہونا:

"قالت امِّ عمارة کان یومئذٍ والناس منهزمون فی کل وجه وانا اربع نسوة فی یدی سیف لی صارم وامِّ سلیم معها خنجر قد حزمته علی وسطها واُمِّ سلیط وامِّ الحارث"۔

کتاب المغازی، ج۲، ص۹۰۲

ترجمہ: حضرت امِّ عمارہ فرماتی ہیں حنین کے روز جب لوگ ہر طرف سے شکست کھا کر بھاگ گے تو ہم چار عورتیں وہاں موجود تھیں میرے ہاتھ میں تلوار تھی امِّ سلیم

کے پاس خنجر تھا اور ہمارے ساتھ امِّ سلیط اور امِّ حارث تھیں۔

چادر کے لیے منتخب ہونے والی عورت کا ثبوت:

جہاں تک بخاری شریف میں چادر کا معاملہ ہے وہ اِس طرح ہے کہ یہ چادر نہ امِّ کلثوم کو دی گئی اور نہ ہی امِّ سلیط کو دی گئی بلکہ یہ چادر امِّ عمارہ کو دی گئی تھی تسلی کے لیے اِس روایت کو غور سے پڑھیں تاکہ معاملہ آسانی سے سمجھا جاسکے:

"كانت نسيبة بنت كعب امِّ عمارة وهى امرأة غزية بن عمرو وشهدت احداً هى زوجها وابناها وخرجت معهاشن لها فى اول النهار تريد ان تسقى الجرحى فقاتلت يومئذٍ وابلت بلاء حسنا فجرحت اثنى عشر جرحاً بين طعنة برمح او ضربة بسيف۔" (كتاب المغازى ج۲، ص۹۰۲)

ترجمہ: نسیبہ بنتِ کعب امِّ عمارہ حضرت غزیہ بن عمرو کی بیوی ہیں اور اُحد کے دِن اپنے شوہر اور بیٹوں کے ساتھ جنگ میں شریک تھیں اور وہ دِن کے پہلے پہر زخمیوں کو پانی پلانے کے لیے مشک لے کر گئی تھیں پھر اُس دِن انہوں نے زبردست جنگ لڑی اور انہیں تیروں یا تلوار کے بارہ زخم آئے۔

"حدثنا يعقوب بن محمد عن موسىٰ بن ضمرة بن سعيد عن ابيه قال اتىٰ عمربن الخطاب بمروط فكان فبها مرط واسع جيد فقال بعضهم ان هٰذا المرط لثمن كذا و كذا فلوارسلت به الىٰ زوجة عبدالله بن عمر صفية بنت ابى عبيد وذالك حدثان مادخلت ابن عمر"۔

فقال ! "بعث به الىٰ من هواحق منها ، امِّ عمارة نسيبه بنت كعب سمعت رسول الله صلى الله عليه (وآلہ) وسلم يوم احد يقول ما التفت يميناً ولا شمالاً الّا وانا اراها تقاتل دونى"۔

(کتاب المغازی ج۱، ص۲۷۲)

ترجمہ: ہم سے یعقوب بن محمد نے موسیٰ بن ضمرہ بن سعید سے انہوں نے اپنے باپ سے روایت بیان کی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب چادریں لے کر آئے اُن میں ایک عمدہ اور بڑی چادر تھی تو کسی نے کہا اِس چادر کی قیمت ایسے اور ایسے ہے آپ یہ عبداللہ بن عمر کی بیوی صفیہ بنت ابی عبید کو بھجوا دیں جبکہ صفیہ ابھی رخصت ہو کر عبداللہ بن عمر کے گھر نہیں آئی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے انہیں فرمایا! میں اِس چادر کو اُس کے ہاں بھجواؤں گا جو میرے بیٹے کی بیوی صفیہ سے اِس کی زیادہ حق دار ہے اور وہ امّ عمارہ نسیبہ بنتِ کعب ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اُحد کے دِن سنا آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے دائیں بائیں جس طرف بھی نظر ڈالی امّ عمارہ ہی کو دیکھا کہ وہ میری ڈھال بن کر جنگ لڑ رہی تھی۔

یہ روایت مغازی وسیر کی سب سے پہلے لکھی جانے والی دو کتابوں میں سے ایک کتاب "**کتاب المغازی**" سے نقل کی گئی ہے جبکہ دوسری کتاب کا نام سیرت ابن اسحٰق ہے جو سیرتِ ابن ہشام کی صورت میں متعارف ہے۔

کتاب المغازی کے مصنف واقدی اُن لوگوں میں سے ہیں جن کو تاریخ کا امام تصور کیا جاتا ہے اور حدیث میں ضعیف قرار دیا جاتا ہے۔ علامہ واقدی کو بعض لوگوں نے حاطب اللیل کے نام سے بھی موسوم کر رکھا ہے۔

تاہم اِس امر سے کسی کو بھی انکار نہیں کہ واقدی کی تاریخ تاریخی کتب سے استفادہ کئے بغیر کوئی مؤرخ بھی تاریخِ اسلام کو مکمل نہیں کر سکا اور نہ ہی کر سکے گا۔

بتانا یہ ہے کہ واقدی کی روایت جب کسی شخص کے مؤقف کے خلاف ہوتی ہے تو وہ نہایت آرام سے کہہ دیتا ہے کہ واقدی کی روایت ضعیف بلکہ وضعی ہوتی ہے اور اگر کہیں

بخاری اور واقدی میں تعارض پایا جائے تو پھر مسئلہ اِس سے بھی گھمبیر صورت اختیار کر جاتا ہے اور بغیر سوچے سمجھے یہ فتویٰ صادر کر دیا جاتا ہے کہ واقدی کا بخاری سے کیسا موازنہ؟ کہاں ایک تاریخ کی کتاب اور کہاں صحیح بخاری جو قرآن کے بعد سب سے زیادہ درست کتاب تصور کی جاتی ہے۔

چونکہ ہمیں اِک فریب کا خدشہ ہے اِس لیے یہ وضاحت ضروری ہے کہ ہمارے دور کے محدثین بعض اوقات بخاری کی روایت پر نزہۃ المجالس جیسی وعظ کی کتاب کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں بالخصوص احناف بخاری کی متعدد روایتوں کو حجت نہیں سمجھتے یہاں تک کہ احناف نے امام بخاری اور اُس کی تالیف بخاری شریف کے خلاف متعدد کتابیں تصنیف کر رکھی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بخاری ہر طبقہ کے لیے حجت نہیں بلکہ واقدی کی تاریخ سے طوعاً وکرہاً اور بالواسطہ ہر مؤرخِ اسلام کو استفادہ کرنا پڑتا ہے۔

اِن لوگوں میں بہت سے مؤرخین ایسے بھی ہیں جنہوں نے واقدی کے خلاف جرح کے انبار لگا رکھے ہیں مگر روایت لینے کے لیے پھر بھی وہ واقدی کے ہی محتاج ہیں، بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہے کہ اسلام کے دورِ اول کی تاریخ لکھنے کے لیے ہر مؤرخ واقدی کا محتاج ہے خواہ یہ روایتیں براہِ راست واقدی کے حوالے سے لکھے خواہ المدائنی کے حوالہ سے تحریر کرے خواہ ابن سعد کے حوالہ سے نقل کرے اور خواہ طبری کے حوالہ سے بیان کرے۔

طبقاتِ ابن سعد کو تاریخ واقدی سے معتبر ترین خیال کیا جاتا ہے حالانکہ ابن سعد واقدی ہی کے شاگرد ہیں اور انہوں نے طبقات میں بے شمار روایات اپنے استاذ گرامی واقدی کی تاریخ سے نقل کر رکھی ہیں۔

ایسے ہی طبری نے تاریخ الامم والملوک المعروف تاریخ طبری کو اسلام کے ابتدائی

دور کے واقعات سے مزین کرنے کے لیے اکثر وبیشتر واقدی اور ابن اسحق ہی کا سہارا لیا ہے۔ بعض لوگ تاریخ طبری میں کیڑے نکالنا شروع کر دیتے اور بغیر سوچے سمجھے کہہ دیتے ہیں کہ طبری شیعہ اور ضعیف ہے۔

حالانکہ طبری کی کتاب جو تفسیر ابن جریر کے نام سے مشہور ہے اہلسنت کا سرمایہ قرار دی جاتی ہے۔

بہر حال! امام طبری شیعہ وغیرہ تو کچھ نہیں البتہ یہ ضرور ہے کہ وہ واقدی وغیرہ سے روایت لیتے ہیں اور اگر نہ لیتے تو اپنی تاریخ مکمل نہ کر پاتے۔

اب رہا تاریخِ طبری کو بعض لوگوں کا غیر ثقہ کہنا تو یہ محض تعصب ہے اِس لیے کہ تاریخِ طبری کے برعکس وہ جن کتابوں کو معتبر قرار دیتے ہیں وہ بھی بلاواسطہ طبری اور بالواسطہ واقدی کی بیان کردہ روایات کا مجموعہ ہیں۔

ایک طبقہ امام طبری کی تاریخ طبری سے حافظ ابن کثیر کی تاریخ ابن کثیر المعروف البدایہ والنہایہ کو زیادہ معتبر اور زیادہ ثقہ قرار دیتا ہے مگر حافظ ابن کثیر اسی کتاب البدایہ والنہایہ میں بار بار اعتراف کرتے ہیں کہ میں نے فلاں روایت کو اِس لیے نقل کیا ہے کہ اِسے امام ابن جریر طبری نے تحریر فرمایا ہے یہی حال تاریخ ابن خلدون کا ہے جو واقدی اور ابن اسحق کی بیان کردہ طبری کی روایتوں سے بھری پڑی ہے مگر اُسے ثقہ تسلیم کیا جاتا ہے۔

بہر کیف امام واقدی کی تاریخ ثقہ ترین تاریخ ہے اور تاریخ اِسلام کے ابتدائی دور کی اہم ترین تصویر ہے جس کا انکار واقدی کے مخالفین کو بھی نہیں۔

علاوہ ازیں واقدی تابعی ہیں اور وہ ہر واقعہ صحابہ کرام کی اولاد سے پوچھ پوچھ کر نقل کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ جس غزوہ یا سریہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں اُس مقام پر پہنچ کر تحریر کرتے ہیں جہاں میدان جنگ بنا تھا اور واقعاتی وجغرافیائی مشاہدہ سے تاریخ

کو ترتیب دیتے ہیں۔

اِس وضاحت کے بعد اب قارئین کو یہ بتانا ہے کہ امام واقدی امام بخاری سے بہت پہلے کے بزرگ ہیں اور اُن کی ہر روایت آنکھوں دیکھے حال کی مظہر ہوتی ہے۔ جبکہ بخاری اُن راویوں کے محتاج ہیں جن میں جبری قدری خارجی رافضی منکر وضعیف اور کذاب بھی موجود ہیں اندریں صورت واقدی کی ہروہ روایت بخاری سے زیادہ مضبوط اور ثقہ ہے جس کا تعلق تاریخ سے ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب زیرِ بحث روایت ہی کو لے لیجیئے کہ بخاری نے ایسی روایات پر اعتبار کرلیا ہے جو سراسر خلافِ واقعہ ہیں اور ایسی خاتون کا غزوۂ احد میں شریک ہونا تسلیم کرلیا ہے جو اُس غزوہ میں موجود ہی نہ تھی۔ جبکہ واقدی نے یہ واقعہ ٹھیک اُسی خاتون کے بارے میں نقل کیا ہے جس کی غزوۂ اُحد میں موجودگی محدثین ومؤرخین کے نزدیک مسلّم اور اجماعی ہے۔

کیا معتبر اور ثقہ واقدی ہے یا علامہ ابنِ سعد:

اگر تو واقدی ثقہ ہے تو پھر اُس کی مکمل بحث گزر چکی ہے اور جو لوگ علامہ ابن سعد کو واقدی سے زیادہ ثقہ اور معتبر خیال کرتے ہیں اُن کے لیے علامہ ابن سعد کی قلم سے بیان کی گئی ایک روایت برائے تسلی وتشفی ملاحظہ فرمائیں کہ:

> یعقوب بن محمد از موسیٰ بن حمزہ بن سعید از مزہ بن سعید، حضرت عمر کے پاس کچھ چادریں لائی گئیں اِن میں ایک چادر عمدہ اور فراخ تھی کسی نے کہا اِس چادر کی اتنی قیمت ہے اگر آپ یہ عبداللہ کی بیوی صفیہ بنتِ ابی عبید کو بھجوادیں تو بہت ہی بہتر ہے یہ صفیہ کی رُخصتی سے قبل کا واقعہ ہے۔
>
> فرمایا! میں اسے اُس کو بھجواؤں گا جو صفیہ سے زیادہ حق دار ہے

یعنی امِّ عمارہ کو میں نے اُحد کے دِن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنا آپ فرما رہے تھے کہ جب بھی میں نے اپنے دائیں بائیں دیکھا امِّ عمارۃ ہی کو دیکھا کہ وہ سینہ سپر بنی میری حفاظت میں لڑ رہی ہیں۔

غزوۂ اُحد میں حضرت امِّ عمارہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو بارہ زخم آئے تھے اور جنگِ یمامہ میں آپ کا ہاتھ کاٹ دیا گیا، آپ زخمی ہو کر مدینہ منورہ آئیں۔ جنابِ ابو بکر آپ کے پاس آ کر آپ کی خیریت معلوم کیا کرتے تھے۔

طبقاتِ ابنِ سعد ج۸، ص۴۴۶

غزوۂ اُحد میں شریک ہونے والی خاتون:

مسلمانوں کی طرف سے غزوۂ اُحد میں شریک ہونے والی صرف ایک ہی خاتون تھی جس کا نام امِّ عمارہ نسیبہ بنتِ کعب مازینہ تھا۔ کتاب کی طوالت کے پیشِ نظر پوری پوری عبارتوں کو پیش نہیں کیا جا سکتا تاہم ضرورت کے مطابق حوالہ جات لکھے جا رہے ہیں تاکہ تسلی کے لیے اِن کتب کی طرف رجوع فرمائیں۔

تاریخِ ابن خلدون ج ۱ ص ۱۰۷ میں یہ ہی روایت موجود ہے کہ شریک ہونے والی صرف امِّ عمارہ نسیبہ ہیں، اِسی طرح البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۴۵۴ میں یہی موجود ہے، پھر سیرتِ ابن ہشام ج ۳ ص ۱۸ میں اِسی طرح موجود ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے امِّ عمارہ انصاریہ ہی موجود تھیں آپ بیعتِ عقبہ اور غزوۂ اُحد میں بھی موجود تھیں، پھر شیخ محقق نے مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۲۶ میں یہی لکھا ہے لیکن صرف یہاں پر انہوں نے اِس عبارت کو باقیوں سے ذرا ہٹ کر لکھا ہے شیخ محقق کی عبارت کے جملۂ آغاز سے یوں معلوم ہوتا ہے جیسے غزوۂ اُحد میں امِّ عمارہ کے علاوہ بھی چند خواتین اسلام زخمیوں کو پانی پلانے کے لیے موجود ہوں لیکن یہاں بعض نساء سے مراد صرف ایک ہی خاتون جنابِ امِّ عمارہ ہیں اِس لیے کہ یہاں پانی پلانے والی خاتون کا جنگ میں حصہ

لینا بھی واضح طور پر بتایا گیا ہے۔ یہ الگ بات ہے اور یقینی بات ہے کہ اختتامِ جنگ پر مدینہ منورہ سے بعض خواتین نے آ کر زخمیوں کی مرحم پٹی بھی کی تھی اور انہیں پانی بھی پلایا تھا۔

بہر کیف! غزوۂ اُحد میں محض امِّ عمارہ نسیبہ کی شرکت پر اہل سیّر کا اتفاق واجماع ہے اور انہیں امِّ عمارہ کو حضرت عمر نے اُس چادر کا مستحق قرار دیا تھا جس کے بارے میں کسی نے انہیں اپنی بیوی کو دینے کا مشورہ دیا تھا۔

اسی طرح مدارج النبوۃ کی اِس عبارت کا ترجمہ کرتے ہوئے صاحبِ معارج النبوۃ نے جلد ۳ ص ۱۷۴،۱۷۵ پر بھی لکھا ہے، **پھر السیرۃ المحمدیہ حاشیہ سیرت الحلبیہ جلد ۲ ص** ۳۷ پر یہی موجود ہے کہ امِّ عمارہ نسیبہ ہی موجود تھیں، پھر سیرتِ حلبیہ جلد نمبر ۲ ص ۲۳۰ پھر بھی یہی موجود ہے، اِسی طرح امام سہیلی نے روضۃ الانف میں مع سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص ۱۳۶) پر لکھا ہے اور پھر طبقاتِ ابن سعد مترجم جلد ا ص ۴۴۳ ۔ ۴۴۴ پر بھی جو عبارت موجود ہے وہ بھی امِّ عمارہ نسیبہ بنتِ کعب کے بارے میں ہے۔ اور پھر سیرۃ ابن ہشام میں امِّ سعد کے حوالے سے روایت موجود ہے کہ انہوں نے امِّ عمارہ نسیبہ سے غزوۂ اُحد کے حوالے سے معلومات حاصل کیں تو امِّ عمارہ نسیبہ نے انہیں مکمل وضاحت کے ساتھ بیان کیا جس کو ابن ہشام نے البدایہ والنہایہ مترجم جلد ا ص ۴۵۵ پر چھوڑا ہے۔

امام بخاری کا ایک انکشاف اور اُس کا جواب:

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ ایک دفعہ مدینہ کی عورتوں میں چادریں تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک عمدہ چادر بچ گئی حاضرین مجلس میں سے کسی نے کہا یہ چادر آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صاحبزادی کو جو آپ کے نکاح میں ہے دے دیں۔ اس

سے ان کی مراد حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ تعالےٰ عنہا تھیں ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ امّ سلیط اس چادر کی زیادہ حق دار ہیں وہ جنگ اُحد کے دن ہمارے لیے پانی کی مشکیں اُٹھا اُٹھا کر لائی تھیں ۔

صحیح بخاری کتاب الجہاد باب حمل النساء القرب ج۱، ص۴۰۳

بخاری میں موجود روایت کہ پانی پلانے والی دیگر خواتین بھی موجود تھیں ۔ جبکہ قارئین اگر ہم چاہیں تو اِس حقیقت کے انکشاف کے لیے سینکڑوں حوالہ جات مزید پیش کر سکتے ہیں کہ جن میں صاف طور پر واضح کیا گیا ہے کہ غزوۂ اُحد میں زخمیوں کو پانی پلانے والی اور جنگ کرنے والی خاتون صرف اور صرف امّ عمارہ نسیبہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا ہی تھیں اور کسی بھی سیرت نگار نے بخاری کی اُس غلط روایت کو شرفِ قبولیت نہیں بخشا جس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے یہ جملہ منسوب کیا گیا ہے کہ اِس چادر کی زیادہ حق دار امّ سلیط ہیں کیوں کہ وہ اُحد میں مجاہدوں کو پانی پلاتی تھیں ۔

اب جبکہ تمام سیرت نگار اِس امر پر متفق ہیں کہ غزوۂ اُحد میں صرف اور صرف حضرت امّ عمارہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا ہی شریکِ جہاد ہوئی تھیں اور اِن سیرت نگاروں میں امام بخاری سے بھی پہلے کے مؤرخین و محدثین موجود ہیں ، جن میں جناب ابن اسحٰق علامہ واقدی اور حافظ ابن سعد جیسے نابغۂ روزگار لوگ بھی موجود ہیں تو بخاری کی بقیہ روایت کو کس طرح درست تسلیم کیا جا سکتا ہے جسے متعدد لوگوں کے خیالوں اور مرادوں سے مرتب کیا گیا ہے ۔

بہر کیف ! ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ جنابِ امّ سلیط رضی اللہ تعالےٰ عنہا اُحد کی طرف جانے والی اُن خواتین اسلام کے ساتھ بھی شریک نہ تھیں جو سیدۃ نساء العالمین بنتِ رسول سیدۃ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کی قیادت میں جنگ کے بعد زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے اور انہیں پانی پلانے کے لیے تشریف لے گئیں تھیں ۔

جبکہ وہ کل چودہ خواتین اسلام ہیں جن کی مکمل وضاحت یوں ہے کہ:

خرجت فاطمة فی نساء وقدرات الذی بوجهه صلی الله علیه (وآله) وسلم فاعتقته وجعلت تمسح الدم عن وجهه، وکن قد جئن اربع عشر امرأة منهن فاطمة بنتِ رسول الله صلی الله علیه (وآله) وسلم یحملن الطعام والشراب علی ظهورهن۔

قال کعب بن مالك رأیت امِّ سلیم بنتِ ملحان وعائشة علی ظهورهما القرب یحملانها یوم اُحد وکانت حمنه بنتِ جحش تسقی العطشی وتداوی الجرحی،،۔

وکانت امِّ ایمن تسقی الجرحی فلما لم یجد محمد بن مسلمة عنهم ماء وکان رسول الله صلی الله علیه (وآله) وسلم قد عطش یومئذٍ عطشا شدیداً۔

کتاب المغازی واقدی، ج۱، ص۲۵۰

ترجمہ: سیدہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا اُحد میں تشریف لے گئیں اور دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا چہرۂ انور زخمی ہے، آپ نے والدِ گرامی کو گلے لگایا اور آپ کے چہرۂ اقدس سے خون مبارک صاف کیا۔

سیدہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کے ساتھ جانے والی خواتین چودہ تھیں جنہوں نے کھانے پینے کا سامان اپنی اپنی پشتوں پر اُٹھا رکھا تھا۔

حضرت کعب بن مالک نے کہا میں نے امِّ سلیط بنتِ ملحان اور عائشہ کو دیکھا کہ اُحد کے دِن انہوں نے اپنی پشتوں پر پانی کی مشکیں اُٹھا رکھی تھیں اور حمنہ بنتِ جحش پیاسوں کو پانی پلا رہی تھیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کر رہی تھیں۔ اور امِّ ایمن زخمیوں کی مرہم پٹی کر رہی تھیں پھر محمد بن مسلمہ نے دیکھا کہ اُن کے پاس پانی ختم ہو گیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اُس روز سخت پیاس تھی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ متذکرہ بالا چودہ خواتین میں سے سب کے اسماءِ گرامی نہیں بتائے ممکن ہے کہ جن کے نام ظاہر نہیں کیے گئے اُن میں حضرت امِّ سلیط بھی موجود ہوں مگر یہ سوال اِس لیے ناقابل تسلیم ہے کہ یہ خواتین زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں جبکہ جنابِ حضرت عمر اُحد کے زخمیوں میں شامل نہیں تھے۔ حالانکہ بخاری کی روایت میں ہے کہ جنابِ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ امِّ سلیط ہمیں پانی پلا رہی تھیں۔

علاوہ ازیں سیرت نگاروں نے جنابِ امِّ سلیط رضی اللہ عنہا کا تذکرہ خیبر وحنین میں شریک ہونے والی خواتین میں کیا ہے اور غزوۂ اُحد میں اُن کی شرکت کا معمولی سا تذکرہ بھی موجود نہیں چنانچہ خیبر وحنین میں اُن کی موجودگی واضح طور پر بیان کی گئی ہے دلیل کے طور پر صرف ایک حوالہ ابن سعد کی قلم سے:

امِّ سلیط، آپ امِّ قیس بنتِ عبید بن زیاد بن ثعلبہ نجاری ہیں آپ کی والدہ امِّ عبداللہ بنتِ شبل بن حارث ہے، آپ سے ابوسلیط بن ابی حارثہ نے شادی کی جن سے سلیط اور فاطمہ پیدا ہوئیں امِّ سلیط نے مسلماں ہو کر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی اور آپ جنگِ خیبر وحنین میں شریک ہوئیں۔

طبقاتِ ابنِ سعد ج۸، ص۴۴۸

حاصلِ کلام بحث:

قارئین! یہ قطعی اور آخری بات ہے کہ:

جنابِ امِّ سلیط رضی اللہ عنہا غزوۂ اُحد میں ہرگز ہرگز شریک نہیں تھیں بلکہ غزواتِ خیبر وحنین میں اُن کی شرکت دیگر بھی متعدد کتب سے ثابت ہے جبکہ اِس کے برعکس جنابِ امِّ عمارہ رضی اللہ عنہا غزوۂ اُحد میں لازماً شریک تھیں اور کتاب المغازی اور طبقاتِ ابن سعد کے مطابق جنابِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غزوۂ اُحد میں پانی پلانے کے حوالے سے اُنھی کو اپنے بیٹے کی بیوی کے مقابلے میں عمدہ چادر کا مستحق قرار دیا تھا اندریں صورت

بخاری کی اُس روایت کو راویوں نے بھول بھلیوں کا نام دے کر مسترد کر دینے میں عافیت کی ہے جس میں امِّ عمارہ کی جگہ امِّ سلیط کو لا کھڑا کیا ہے اور صفیہ بنتِ عبید اللہ کی جگہ بنتِ رسول اللہ کو لا بٹھایا ہے اور پھر کسی راوی کی نکتہ آفرینی نے بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام امِّ کلثوم بنتِ علی مقرر کر دیا اور شارحین نے **عندکوزوجک** بنا کر جھوٹ کے شاخسانہ میں آخری کیل ٹھونک دی۔

بخاری کے ابتدائی راوی کا تعارف:

ہم آئندہ اوراق میں یہ انکشاف بھی کریں گے کہ غزوۂ اُحد میں شریک ہونے والی حضرت امِّ عمارہ رضی اللہ عنہا حضرت امِّ سلیط کیسے بن گئیں مگر اِس سے پہلے اِس روایت کے تمام راویوں کو قلم انداز کرتے ہوئے صرف اور صرف ابتدائی راوی جنابِ ثعلبہ بن ابی مالک کا تعارف پیش کیا جا رہا ہے تا کہ تسلی ہو جائے جس کو فتح الباری شرح صحیح بخاری میں یوں متعارف کروایا گیا ہے کہ:

"ثعلبه بن ابی مالك القرظی ، مختلف فی صحبته ، قال ابن معین له رؤیة ، فقد ذکر مصعب بن الزبیری ان ثعلبة ممن لم یکن اثبت قولهٗ فترك وکان ثعلبة امام قومه وله حدیث مرفوع عند ابن ماجه لکن جزم ابو حاتم بانه مرسل۔
وقد صرح الزهری عنه بالاخبار فی الحدیث"۔

فتح الباری شرح صحیح البخاری ج۳، ص۸۱

ترجمہ: ابن معین نے کہا! انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کی ہے، مصعب بن زبیری نے کہا ثعلبہ اگر اُس کا قول ثابت نہ ہو تو چھوڑ دیتے۔
ثعلبہ اپنے قبیلے کے امام تھے ابن ماجہ کے ہاں اُن سے مرفوع حدیث ہے لیکن ابو حاتم نے یقینی طور پر کہا ہے کہ اُن کی روایت مرسل ہے اور زہری نے تصریح کی ہے کہ اُن سے حدیث میں خبریں ہیں۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی ہی کی کتاب الاصابہ میں ثعلبہ کا تعارف اِس طرح سے موجود ہے کہ:

"ثعلبة بن ابی مالك القرظی، مختلف فی صحبة. قال ابن معین له رؤیة، وذكره ابن حبان فی ثقات التابعین، وقال ابو حاتم هو تابعی وحدیثه مرسل"۔

الاصابہ فی تمیز الصحابہ ج۱، ص۲۰۱

ترجمہ: ثعلبہ بن مالک قرظی کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے ابن معین نے کہا کہ اُس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کی ہے، ابن حبان نے اُسے ثقہ تابعین میں شمار کیا ہے۔ ابو حاتم نے کہا! ثعلبہ تابعی ہیں اور اُن کی حدیث مرسل ہے۔

طوالت کے پیشِ نظر اختصار کو مدّ نظر رکھا جا رہا ہے صرف حوالہ جات پیش کیئے جا رہے ہیں تسلی کے لیے مطالعہ فرمائیں کہ:

الاستعیاب حاشیہ الاصابہ جلد ا ص ۲۰۳ میں ثعلبہ کا تعارف پیش کیا گیا ہے جبکہ اُسد الغابہ مترجم جلد ۲ ص ۶۲ پر بھی اُن کا تعارف موجود ہے اور پھر طبقاتِ ابن سعد نے ثعلبہ بن ابی مالک کا تذکرہ تابعین مدینہ میں کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ ثعلبہ کی کنیت ابو یحییٰ تھی ابو مالک یمن سے آئے اور کہا کہ ہم لوگ قبیلہ کندہ سے ہیں جو دین یہود پر ہیں انہوں نے ابن سعید کے ہاں شادی کی جو بنو قریظہ سے تھے اور انہی لوگوں سے معائدہ حلف کر لیا اِس لیے قرظی کہلائے۔ جبکہ ثعلبہ نے عمر و عثمان سے روایت کی ہے۔ محمد بن عمر نے کہا ثعلبہ بڑھاپے تک بنو قریظہ کے امام رہے اور قلیل الحدیث تھے۔

ان تمام حوالہ جات سے واضح ہو جاتا ہے کہ اکثر محدثین کے نزدیک جنابِ ثعلبہ بن

ابی مالک صحابی نہیں تھے بلکہ تابعی تھے اور بقول محدثین انہوں نے جنابِ عمر سے روایت بھی کی ہے مگر زیرِ نظر روایت انہوں نے جنابِ عمر سے سن کر بیان نہیں کی بلکہ اُن کی کسی مجلس کا آنکھوں دیکھا حال بیان کیا ہے۔

محدثین کے پیش کردہ تعارف میں جو واضح ترین صورت بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جنابِ ثعلبہ یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ظاہری حیاتِ طیبہ کے آخری ایام میں پیدا ہوئے ہیں یا آپ کے وصال مبارک کے بعد پیدا ہوئے ہیں اِس لیے کہ اگر وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے وقت پانچ چھ سال کے بھی ہوتے تو اہلِ مدینہ ہونے کے باعث صغیر صحابہ میں شمار ہوتے۔

اب جبکہ وہ صحابی نہیں بلکہ تابعی ہیں اور اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال مبارک سے پہلے بھی پیدا ہوئے ہیں تو وصال کے وقت اُن کی عمر ایک یا دو سال ہو سکتی ہے۔ اگر یہ صورت بھی تسلیم کر لی جائے تو جنابِ عمر کی خلافت کے آغاز میں اُن کی عمر تین چار سال اور شہادت کے وقت پندرہ سولہ سال ہوگی۔

جبکہ چادریں تقسیم کرنے کا زمانہ بطورِ خاص خلافتِ عمر کا اولین دور ہی ہو سکتا ہے اِس لیے کہ آپ کی خلافت کے آخری دور میں اہلِ مدینہ کی غربت تقریباً ختم ہو چکی تھی۔

اب اگر یہ واقعہ خلافتِ فاروقی کے درمیانی دور میں ہوا ہو تو بھی جنابِ ثعلبہ کی عمر اُس وقت دس گیارہ سال متصور ہو سکتی ہے۔

اور اگر بقول بعض محدثین وہ تابعی ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد پیدا ہوئے ہیں تو اُس وقت اُن کی عمر زیادہ سے زیادہ پانچ چھ سال متعین کی جا سکتی ہے۔ اندریں حالات جو صورت بھی متعین ہوگی وہ اِس تناظر میں ہوگی کہ یہ روایت نہ تو جنابِ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمائی ہے اور نہ کسی دوسرے صحابی نے بلکہ ایک تابعی نے اُس دور کا واقعہ بیان کیا ہے جب وہ خود بچپن کی حدود طے نہیں کر پایا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ اِس میں غزوۂ اُحد کے حوالے سے اُس خاتون کا ذکر نہیں کیا گیا جو غزوۂ اُحد میں موجود تھی اور اِس کے برعکس اس کا نام لے لیا جو اُس غزوہ میں موجود ہی نہیں تھیں اِسے آپ تدلیس کہہ لیں یا التباس یہ امر مسلّم ہے کہ:

راوی نے اُس خاتون کا نام بھی تبدیل کر دیا جسے چادر دینے کا مشورہ حضرت عمر کو دیا گیا اور اُس خاتون کا نام بھی تبدیل کر دیا جسے حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے چادر کا زیادہ حقدار قرار دیا تھا۔

جیسا کہ ہم کتاب المغازی اور طبقاتِ ابن سعد کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عمر کے پاس رہنے والی چادر جناب عمر کی بہو جنابِ صفیہ زوجہ عبداللہ کو دینے کے لیے کہا گیا تھا جس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ: اِس چادر کی حقدار جنابِ امِّ عمارہ رضی اللہ عنہا ہیں کیونکہ وہ اُحد میں مجاہدوں کو پانی پلاتی تھیں۔

امِّ عمارہ کی جگہ امِّ سلیط استعمال کیا گیا:

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ابتدائی راوی کا چادروں کی تقسیم کے وقت کم سن ہونا تو ثابت ہو گیا مگر اُس نے حضرت امِّ عمارہ کو امِّ سلیط ہی کیوں کہا حالانکہ یاد نہ رہنے کی صورت میں کوئی اور نام بھی لیا جا سکتا تھا؟۔

اِس سوال کا جواب شاید ہمارے پاس بھی نہ ہوتا مگر جنابِ امِّ سلیط کے بارے میں تحقیق کرتے کرتے اچانک ہمارے سامنے ایک ایسی روایت آگئی جس سے صورتِ حال واضح ہو گئی کہ:

"ان عمر رضی اللہ عنہ لما کسا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلم الحلل فضلۃ عندہ حلّہ۔

فقال ! دلونی علی ففی ھا جر ھو وابوۃ. فدلوہ علی عبداللہ ابن عمر، فقال ! لا ولکن سلیط بن سلیط فکساہ ایاھا"۔

الاستعیاب ج۲ ص۱۱۸

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام کو چادریں پہنا رہے تھے کہ ایک چادر بچ گئی۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ میں یہ چادر اُسے پہناؤں گا جس نے خود بھی ہجرت کی ہو اور اُس کا باپ بھی مہاجر ہو۔

یہ سُن کر اُن کے بیٹے حضرت عبداللہ ابن عمر اُن کے پاس گئے تو انہوں نے فرمایا نہیں مگر سلیط بن سلیط، پھر آپ نے وہ چادر حضرت سلیط بن سلیط کو پہنا دی۔

چونکہ جنابِ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ایک مرتبہ چادریں تقسیم کرتے ہوئے آخری چادر کا مستحق جنابِ امّ عمارہ کو قرار دیا تھا لہٰذا کم سن راوی التباس کا شکار ہو گیا اور اُس نے ہر دو روایات کا مضمون اکٹھا کر دیا اور اُسے سلیط بن سلیط اور امّ عمارہ کی جگہ امّ سلیط یاد رہ گیا یہ انوکھی بات نہیں یہ صورت مزعومہ صحاحِ ستہ کی دیگر روایات میں بھی پائی جاتی ہے۔

بعینہٖ راوی نے جنابِ عمر کی بہو بنتِ عبید کو بنتِ رسول بنا دیا اور دیگر راویوں یا خود امام بخاری نے بنتِ رسول کا معنی امّ کلثوم بنتِ علی کر لیا اور شارحین کرام نے نکاحِ امّ کلثوم کے ضمن میں واضعین کی تیار کردہ مشہور روایت کے پیشِ نظر **عندک** بمعنی **زوجک** استعمال کر کے خارجیت کو تقویت بخش دی۔

عندک کا معنی:

قارئین گزشتہ صفحات میں بخاری کی ملغوبہ قسم کی روایت پر سیر حاصل بحث ہو چکی ہیں جن میں یہ وضاحت بھی کر دی گئی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو کہا گیا تھا کہ یہ چادر آپ اپنی بہو بنت عبید کو دے دیں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا تھا کہ نہیں اِس کی مستحق حضرت امّ عمارہ ہیں جو اُحد میں ہمیں پانی پلاتی تھیں اور فی الواقع حضرت امّ عمارہ ہی غزوۂ اُحد میں پانی پلاتی تھیں اور یہ غلط ہے کہ کسی نے انہیں یہ چادر بنتِ رسول کو دینے کے لیے کہا تھا اور انہوں نے یہ کہا تھا کہ نہیں یہ امّ سلیط کو دوں گا جو اُحد کے دِن

ہمیں پانی پلاتی تھیں۔ جبکہ حضرت امِّ سلیط غزوہ اُحد میں شامل ہی نہ تھیں۔ اِن الفاظ پر اِس بحث کو ختم کیا جاتا ہے تاہم شارحین بخاری کے اِس گمان کو **عندک** بمعنی **زوجک** ہی ہوسکتا ہے قرآن مجید کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں۔

قرآنِ مجید میں اللہ نے لفظ **عندک** متعدد مقامات پر ارشاد فرمایا ہے مگر کہیں بھی اِس کا معنی **زوجک** حاصل نہیں ہوتا بلکہ اِس کا معنی تیرے پاس یا تیرے ہاں ہے:

ا۔ وان تصبھم سیئۃ یقولوا ھٰذہ من عندک۔

ترجمہ: اور اگر اُنہیں کوئی برائی پہنچے تو کہتے ہیں یہ آپ کے پاس آئی ہے۔

اِس میں شک نہیں کہ **عندک** کا معنی تیرے پاس ہی ہے اور خاص حالات میں **عندک** سے مراد تیری زوجیت میں ہے ممکن تو ہے مگر یہاں ایسی کوئی صورت موجود نہیں بلکہ اگر بنتِ رسول بھی کہا ہوتا تو بھی اِس کا مطلب تیرے پاس یا تیرے سامنے لیا جا سکتا تھا اب جبکہ بنتِ رسول کی جگہ بنتِ عبید کے لفظ موجود ہیں اور بنتِ عبید جنابِ حضرت عمر کے بیٹے حضرت عبداللہ کی بیوی ہے، تو مطلب صاف ہے کہ آپ کے ہاں جو عبید کی بیٹی ہے یہ چادر اُسے دے دیں، اگرچہ روایت میں یہ جملہ بھی ہے کہ بنتِ عبید کی ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی تاہم شادی ہونے کے بعد اُسے سسرال کے خاندان میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

بہرکیف! جو بھی صورت ہو ہمیں اِس سے غرض نہیں جبکہ یہ قطعی امر ہے کہ بخاری کی روایت سے کسی بھی طرح سیدہ امِّ کلثوم بنتِ علی کو حضرت عمر کی بیوی ثابت نہیں کیا جا سکتا اور یہی ہماری غرض و غائیت ہے اُمید ہے اہلِ انصاف نکاحِ امِّ کلثوم کے بارے میں آنے والی روایات پر کی جانے والی تحقیق اور تبصرہ کو بنظرِ غائر دیکھیں گے اور ایمان و دیانت کی کسوٹی پر جانچ کر صحیح اور درست فیصلہ دیں گے۔

اختتامیہ

عصرِ حاضر میں امت مِسلمہ مختلف قسم کی تفرقہ بازی کا شکار ہے جس کا نقصان نہ اُن شر پسند عناصر کو ہے اور نہ ہی اُن گروہوں کو جنہوں نے امتِّ مسلمہ کو منتشر کرنے کی سازش شروع کر رکھی ہے بلکہ اِس کو بنیاد بنا کر ہر طرف سے اسلام کو نقصان پہنچایا جا رہا ہے جبکہ اسلام کو نقصان دینے والوں کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ابتدائے اسلام میں کوئی تفرقہ بازی نہیں تھی اور نہ ہی کوئی مخالفت کی بنیاد ہوتی تھی جس کو بنیاد بنایا جا رہا ہوا ک ایسا وقت آیا جب اعلان کرنا ضروری ہو چکا تھا کہ:

"من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ"۔

جس کا میں مولیٰ ہوں پس اس کا علی مولیٰ ہے۔ پس یہ بات لوگوں کو برداشت نہ ہوسکی کہ اتنا بڑا اعلان ہمارے ہی درمیان موجود انسان کے بارے میں کیوں ہوا ہے؟

پس دوسروں پر یہ بات بہت گراں گزری کیونکہ مولائے کائنات کو پہلے سے ہی خارجی طبقہ برداشت نہیں کرتا تھا۔ قربان جائیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں (صحابہ کرام علیہم الرضوان) پر انہوں نے تو ایسا کوئی قدم نہ اُٹھایا جس سے حکم کی مخالف لازم آتی ہو رفتہ رفتہ دشمنانِ اہلبیت کے ضمیر نے اِس کو برداشت کرنے سے انکار کر دیا تاہم اِس سے مخالفین نے ایک نیا راستہ اپنا لیا جس کا مقصد و مدعا صرف یہ ہے کہ جو بھی علی کو مانے گا اسے ہم نہیں مانیں گے جسے علی سے محبت ہے اس کے ساتھ ہماری جنگ جو علی کا رشتہ دار ہے اُس سے ہماری مخالفت ہے جو علی علی کرتا ہے وہ رافضی ہے۔

بس اِنہی نفرتوں نے اُس گروہ کے مشن کو آگے بڑھاتے ہوئے خاندانِ اہلبیت کے فضائل کو برداشت کرنے سے انکار کر دیا جو ثبوت آئے روز دیتے جا رہے ہیں لیکن یہ بھی یاد رکھو کہ غلامانِ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی موجود ہیں۔

اِسی طرح ان کی عظمت کو ختم کرنے کے لیے کہنے والوں نے کہہ دیا کہ آپ (سیدہ ام کلثوم) کا عقد خلیفۂ ثانی سے ہوا ہے اور اس بحث کو بہت سی کتابوں میں یہ بھی درج ہے جس سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ آپ (سیدہ ام کلثوم) کا عقد خلیفۂ ثانی سے ہرگز نہیں ہوا اور نہ ہی خلیفۂ ثانی سے کبھی ایسا محسوس کیا بلکہ آپ کا عقد یکے بعد دیگرا اپنے چچازادوں سے ہوا ہے۔

خلیفۂ ثانی کے ساتھ عقد کا جن روایات کی بناء پر یہ دعویٰ کیا جارہا ہے وہ سب کی سب من گھڑت اور جھوٹی ہیں جن کا سب سے پہلا راوی زبیر بن بکار ہے جس کو حضرت علی اور اہلِ بیت سے انتہائی بغض وعناد تھا۔علامہ ذہبی نے اس کے متعلق، حدیث ماہرِ فن وروایت ورجال علامہ حافظ ابوالفضل احمد بن علی سلیمان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ زبیر بن بکار کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو من گھڑت حدیثیں بیان کرتا ہے اور اس کے متعلق تفصیلات بیش بہا کتب میں موجود ہیں۔

السرّ المختوم میں علامہ صدیقی نے یوں لکھا ہے کہ:

> یہ سب راویٔ اول کی فضولیات ہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ زبیر بن بکار ایسے کذّاب اور وضاعِ حدیث نے حضرت عمر پر تہمت لگائی ہے اور حضرت علی پر جھوٹ بولا ہے اور عقدِ امِّ کلثوم کا واقعہ اپنے دل سے تراش کر بیان کیا ہے۔

امِّ کلثوم نام کی کئی عورتیں تھیں جن کا تفصیلی ذکر اِس کتاب میں موجود ہے جبکہ مصنف دعوتِ اتحاد نے صفحہ نمبر بانوے (۹۲) پر لکھا ہے کہ مؤرخین نے اس واقعہ عقد کی حقیقت کو نظرانداز کر کے جان بوجھ کر اہل بیت کی توہین کی ہے یا انہیں صرف نام کی وجہ سے دھوکا ہوا ہے۔ (دعوتِ اتحاد ص ۹۲)

اللہ تعالیٰ حرمت سادات کی بدولت میری سعی قبول فرمائے۔ آمین

یا نور ربِّ العٰلمین
مطلوب جیش المرسلین محبوب قوم المسلمین
معصوم شرِّ الکافرین یارحمة اللعٰلمین
انظر الی العبد الحزین جاء الفقیر الخادم
عبد حقیر نادم لاشاعر لاعالم
الا محب مستعین یارحمة اللعالمین
انظر الی العبد الحزین
وبجاه آلِ الطیبین یارحمة اللعٰلمین

راہ حق کا متلاشی

سید عابد حسین بخاری

(سیرت نگار)

چک مقام سیداں وادیٔ کرناہ (لیپہ) ضلع جہلم ویلی آزاد کشمیر

۲۷۔۰۱۔۱۴۴۱ ہجری، بروز جمعة المبارک

بارِاول مؤرخہ 27-09-2019

بارِدوم مؤرخہ 20-08-2025

آخذ و مراجع

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف
1	قرآنِ پاک (مترجم)	مترجم امام احمد رضا خاں بریلوی
2	صحیح بخاری	امام محمد بن اسماعیل بخاری
3	صحیح مسلم	امام مسلم بن حجاج قشیری
4	جامع ترمذی	امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی
5	جامع الصغیر	امام جلال الدین السیوطی
6	سنن ابن ماجہ	امام ابو عبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ قزوینی
7	سنن ابو داؤد	امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث السجستانی
8	سنن نسائی	امام ابو عبدالرحمن احمد بن شعیب بن علی النسائی
9	سنن دارِ قطنی	امام ابوالحسن علی بن عمر
10	سنن بیہقی	امام ابو بکر احمد بن حسین البیہقی
11	شرح صحیح مسلم	امام نووی
12	التدریب الراوی	امام جلال الدین السیوطی
13	الاحتجاج	الطبرسی
14	الانساب	سمعانی
15	الامالی	شیخ صدوق
16	الاستیعاب فی معرفۃ الصحاب	ابن عبدالبر النمری

17	اسد الغابہ فی مناقب الصحابۃ	علامہ ابن اثیر
18	ارجح المطالب	عبید اللہ امرتسری
19	روضۃ الفیحاء فی تواریخ النساء	
20	احادیثِ الضعیفہ والموضوعۃ	ناصر الدین البانی
21	حجۃ اللہ البالغۃ	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
22	منہج النقد فی علوم الحدیث	محمد عجاج الخطیب
23	اصول الحدیث فی علوم و مصطلحۃ	علامہ ابن الکافی
24	المختصر فی علم الرجال الاثر	عبد الوہاب عبد اللطیف
25	حدیث کا درایتی معیار	علامہ تقی امینی
26	سیرۃ النعمان	علامہ شبلی نعمانی
27	فتح القدیر	علامہ الشوکانی
28	ابجد العلوم	طاش کبریٰ زادہ
29	لطائف الاشارات	علامہ آمدی (عبد الحمید بن محمد)
30	سیرۃ النبی	علامہ شبلی نعمانی
31	مقدمۃ تحفۃ الاحوذی	علامہ مبارک پوری
32	قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث	علامہ ابن الکافی
33	مسند امام احمد بن حنبل	
34	صحیح ابن حبان	
35	المصنف ابن ابی شیبہ	ابن ابی شیبہ
36	مسند ابی یعلی	ابو یعلی
37	مستدرک للحاکم	الحاکم

38	مشکل الآثار	علامہ طحطاوی
39	میزان الاعتدال	
40	درایتِ تفسیری	
41	کنز العمال	
42	کتاب الثقاۃ	
43	نور الابصار	
44	الصواعق المحرقہ	
45	تاریخ خمیس	
46	الاصابہ فی تمییز الصحابہ	
47	ذخائر العقبیٰ	
48	طبقات ابن سعد	
49	تیسیر مصطلح الحدیث	
50	نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر	
51	مقدمہ ابن صلاح	
52	فتح الباری شرح صحیح بخاری	
53	فیض القدیر	
54	ریاض النضرۃ	
55	الشرف المؤبد	
56	کرمانی شرح صحیح بخاری	
57	ارشاد الساری شرح صحیح بخاری	
58	تاریخ طبری	

59	تاریخ الکامل	ابن اثیر
60	البدایہ والنہایہ	
61	تاریخ ابن الخلدون	
62	مدارج النبوۃ	
63	کشف الظنون	
64	منتخب التواریخ	
65	زرقانی شرح مواہب اللدنیہ	
66	اربعین فی فضائل اہل بیت الطاہرین	
67	الصافی	ملا خلیل قزوینی
68	جرائح الجرائح	